تاریخ ریاست ٹونک

ہنومان سنگھل

تاریخ ریاست ٹونک

ہنومان سنگھل

تاریخ ریاست ٹونک

ہنومان سنگھل

ندیم اکادمی

ماسٹر رام نواس مارگ، ٹونک ۳۰۴۰۰۱

© ہنومان سنگھل
ماسٹر رام نواس مارگ ،
ٹونک - ۳۰۴۰۰۱

اشاعت : ستمبر ۱۹۹۶ء
قیمت : ایک سو پچاس روپے RS. 150/-
طباعت : اے-ون-آفسیٹ پریس، دہلی

زیرِ اہتمام :
ارشد علی خاں

تقسیم کار :
نازش بک سینٹر، ۳۲۰۷ - پھاٹک تیلیان، ترکمان گیٹ، دہلی / ۱۱۰۰۰۶
نازش بک سینٹر، گھیر میر عالم خاں، اندرون نائب صاحب کی نالی - ٹونک، ۳۰۴۰۰۱
ساہتیہ کلا سنگم، ماسٹر رام نواس مارگ، ٹونک - ۳۰۴۰۰۱

یہ کتاب

میرے پوجیہ پتا شری

سورگیہ ماسٹر رام نواس اگروال

کی مقدس اور پاکیزہ یادوں کے نام

——— احترام کے ساتھ

——— ھنومان سنگھل

اندرونِ صفحات

بند دریچے / ہنومان سنگھل - ۹

کتابیات - ۱۵

۱۔ ٹونک: ماضی کے دریچوں سے ۱۷

۲۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام کی تاریکیاں ۳۰

۳۔ ٹونک کے نواب امیر خاں پنڈاری نہیں تھے ۳۳

پنڈاریوں کی تعداد میں اضافہ اور... ۳۴

پنڈاریوں کی تباہ کاریاں ۳۵

پنڈاریوں کا خاتمہ ۳۷

۴۔ جسونت راؤ ہولکر ۴۰

ملہار راؤ دوئم کا قتل ۴۳

جسونت راؤ کا فرار ہو جانا ۴۵

مالوہ کی جنگ ۵۰

بیٹھوجی ہولکر کا قتل ۵۲

جسونت راؤ کا جنوب کی طرف کوچ ۵۴

بارامتی کی جنگ اور پیشوا فوج کی شکست ۵۴

ہڑپسر میں جنگ اور باجی راؤ کی شکست ۵۵

پیشوا باجی راؤ کی پونہ سے فراری ۵۵

پونہ میں تبدیلیِ حکومت ۵۶

پونہ میں بدنظمی اور جسونت راؤ کا پونہ کو خیرباد کہنا ۵۷

انگریزوں کے خلاف جسونت کی تنظیمی کوششیں ۵۸

انگریز سپہ سالار مرے اور مانسن کی قیادت میں ناکام حملہ ۵۹

مانسن کی شکست ۶۰

دہلی پر ہولکر کا حملہ ۶۰

بھرت پور کا محاصرہ ۶۱

موجودہ عہد میں امیر خاں کا کردار ۶۲

بھرت پور کا معاہدہ ۶۳

دوستوں کی تلاش میں جسونت راؤ کا پنجاب کا سفر ۶۳

راجپور گھاٹ کا معاہدہ ۶۴

دوسری مراٹھا جنگ کا نتیجہ ۶۵

جسونت راؤ کا کردار ۶۶

۵۔ امیر خاں کا ابتدائی زمانہ ۶۷

امیر خاں ایک باکمال سپہ سالار ۶۹

۶۔ کرشنا پی گئی زہر کا پیالہ ۹۳

۷۔ مارواڑ میں امیر خاں کی دہشت ۱۰۵
امیر خاں جے پور میں ۱۱۱
امیر خاں میواڑ میں ۱۱۳
امیر خاں بیکانیر میں ۱۱۵
۸۔ امیر خاں کا برار پر حملہ اور انگریزوں کی غداری ۱۱۶
۹۔ امیر خاں ۱۱۹
لاوا کی جنگ ۱۲۲
مادھوراجپورہ کی سرگرمیاں ۱۲۵
امیر خاں کی شکستِ فاش ۱۳۱
معاہدہ کی دستاویز ۱۳۴
۱۰۔ امیر خاں کی حکومت اور ان کی خصوصیات ۱۳۷
۱۱۔ وزیر الدولہ امیر الملک نواب محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ ۱۴۶
پرگنہ سرونج میں بغاوت ۱۴۷
اُنیارا کے ساتھ ۱۴۷
لاوا سے جنگ ۱۴۸
۱۸۵۷ء کی بغاوت ۱۴۹
نواب وزیر الدولہ اور ان کا دورِ حکومت ۱۵۳
ضمیمہ "ب" ۱۵۷
۱۲۔ یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں بہادر صولت جنگ ۱۵۸
نواب محمد علی خاں کا زمانہ ۱۶۱
معزولی حکومت کا اعلان ۱۶۳
۱۳۔ امین الدولہ نواب حافظ ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ ۱۶۵
۱۴۔ اقتصادی بدحالی کا زمانہ ۱۷۰
سیدوں کی بغاوت ۱۷۱
دیولی سے انگریزوں کی آمد ۱۷۱
نواب ٹونک کے ذریعے اصلاحات کا اعلان ۱۷۲
تعمیراتی کارکردگی اور مولود شریف ۱۷۳
ٹونک کے دربار ۱۷۴
۱۵۔ نواب ابراہیم علی خاں کا اندازِ حکمرانی ۱۷۷
نواب ابراہیم علی خاں بحیثیت ادب نواز ۱۷۹
نواب ابراہیم علی خاں کے خاندان کا شجرہ ۱۸۰
۱۶۔ سعید الدولہ وزیر الملک نواب حافظ سعادت علی خاں صاحب بہادر ۱۸۳
اصلاحات کے مطالبے ۱۸۴
دوسری جنگِ عظیم اور ریاست ٹونک ۱۸۷
نواب سعادت علی خاں کے شوق ۱۸۸
نواب سعادت علی خاں کا خاندان ۱۸۹
عہدِ سعادت علی خاں میں شعر و سخن ۱۹۰
۱۷۔ ممتاز الدولہ وزیر الملک نواب محمد فاروق علی خاں صاحب ۱۹۳
دہلی سے ٹونک ۱۹۴
انتظامی اصلاحات ۱۹۵
نئے نواب کا انتخاب ۱۹۶
۱۸۔ عزیز الدولہ وزیر الملک نواب محمد اسماعیل علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ ۱۹۷
نواب اسماعیل علی خاں اور رام بابو سکسینہ ۱۹۸
۱۹۔ عہدِ ریاست میں شہر ٹونک:
شکارگاہیں، رسم و رواج ۲۰۳
شکارگاہیں ۲۰۵
رسم و رواج ۲۰۶

۲۰۔ ریاست ٹونک میں سرکاری کارکردگی ۲۱۰
وائس پریذیڈنٹ ۲۱۰
نظامتیں ۲۱۱
ٹونک ریاست میں پولیس ۲۱۲
ریاست ٹونک میں عدل ۲۱۴
تعلیم اور تمدّن ۲۱۵
ریاست ٹونک کے سکے ۲۱۸
ریاست ٹونک میں سیاسی تنظیم ۲۱۸
انجمن رعایا ٹونک ۲۱۹
جاں نثار پارٹی ۲۱۹
مسلم لیگ ۲۲۰
ریاست ٹونک بطور ضلع ٹونک ۲۲۰
آزادی کے بعد ٹونک ۲۲۳
ٹونک میں سیاسی تنظیموں کا تعمل ۲۲۷
بھارتیہ جنتا پارٹی ۲۲۸
آزادی کے بعد ٹونک کا ادب ۲۲۸

۲۱۔ فہرست کتب و دستاویزات ۲۳۰
۲۲۔ تصاویر ۲۳۳ تا آخر

بند دریچے

سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ پیشِ نظر کتاب "تاریخ ریاست ٹونک" ۱۹۹۲ء میں ہندی میں شائع شدہ میری تصنیف "ٹونک کا اتہاس" کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک آزادانہ تحریر ہے۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۶ء تک ویسے تو ٹونک میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے لیکن باناس کا پانی ضرور ناپید ہو چلا ہے اور اس کی الھڑ رفتار، اس کے بہاؤ اور روانی کو بیسل پور باندھ کا اجگر ڈس رہا ہے۔ آج یہ کہنا بے معنی لگتا ہے کہ باناس میں پانی سدا رواں دواں رہتا ہے۔ نہ تو زمانے کی رفتار کبھی رُکتی ہے اور نہ کبھی سوچ کا سرچشمہ معدوم ہوتا ہے۔ جاں باز اور جنگجو پیدا کرنے والی دھرتی ماں اپنی گود کبھی خالی نہیں رہنے دیتی۔ اس دوران جس قدر کھنڈرات اور باقیات دیکھنے کو ملے وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔

تاریخ نویسی بڑا جان لیوا اور ادق کام ہے۔ یہ جہاں یکسوئی، جستجو، غیر جانبداری کی طالب ہے وہیں دوسری طرف ثبوتوں، دستاویزات اور مسوّدوں اور عوام کی یادداشتوں کا متنازعہ اختلاف اسے مزید ادق اور گنجلک بناتا ہے اور مصنّف کا قلم کئی بار تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود پوری ایمانداری کے ساتھ جو کچھ تحریر کر دیا جاتا ہے وہ میل کا پتھر اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک بیش قیمت ورثے کے طور پر باقی رہتا ہے۔

شہر ٹونک جو کئی تہذیبوں، روایتوں اور اعتقادات کے جلو میں صدیوں کی مسافت طے کرتے ہوئے آج کے منظر پر نمودار ہوا ہے، کبھی ٹوکڑا ہوا کرتا تھا جو بیلی پرگنے کے تحت تھا اور بھولا برہمن کو بارہ دوسرے گاؤوں کے ساتھ بخشش میں ملا تھا۔ اس پر کبھی رضیہ سلطان کی حکومت رہی تو کبھی اکبر اعظم کا قبضہ، جس کا ذکر ابوالفضل کی شہرۂ آفاق تصنیف "آئینِ اکبری" میں بھی آیا ہے۔ کبھی اس پر پرتھوی راج چوہان کا تسلّط رہا تو کبھی ہولکر نسب کی دلیر خاتون اہلیا بائی کا راج —— کبھی یہاں مالوا کا اقتدار پروان چڑھا اور انگریزوں کی آمد تک پورے ملک میں گفتگو کا موضوع رہا —— ٹونک کے بہادر حکمرانوں کا نام تاریخ کے سنہری اوراق میں آج بھی محفوظ ہے، جنھوں نے نہ صرف انگریزوں کو لوہے کے چنے چبوائے بلکہ یہاں کے راجوں مہاراجوں اور رجواڑوں کو بھی اُن کی اوقات سے متعارف کرایا۔

بیشتر محققین نے ٹونک کی تاریخ کو ریاستی تاریخ تک محدود رکھا ہے۔ انھیں یہ نہیں معلوم کہ ٹونک

ریاست تو ۱۸۱۷ء میں وجود میں آئی اور ۱۹۴۸ء میں ختم بھی ہوگئی لیکن قدیم ٹونک آج اپنے قیام کی ۱۰۵۰ویں سالگرہ منا رہا ہے۔ ٹونک کی تاریخ کا بیشتر حصّہ جے پور، بوندی، چتوڑ، سوائی مادھو پور اور ٹوڈارائے سنگھ تک پھیلا ہوا ہے۔ جہاں علاء الدّین خلجی نے اس مقام کو رونق بخشی وہیں ہولکر نسب کی بیباک خاتون اہلیا بائی نے اپنی ہمّت، عقیدت اور قربانی سے اس قصبے میں چار چاند لگائے۔ ٹونک اور علی گڑھ پرگنے کافی لمبے عرصے تک سولنکیوں کے اختیار میں رہے ہیں۔ سولنکیوں کے بڑوے پاس جو تاریخی مواد پایا جاتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کافی عرصے تک سولنکی یہاں حکومت کرتے رہے اور ایک محدود تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے لامحدود حوصلے اور خود اعتمادی کے باعث وہ مدّتوں تک لڑتے مرتے رہے۔ پُرانی ٹونک کے کئی کھنڈروں، دروازوں، باوڑیوں اور پتھروں پر آج بھی سولنکیوں کی جنگجویانہ سرگرمیوں کی گورَو گاتھائیں کندہ ہیں۔

جب کبھی سولنکی کمزور پڑے یا مغلوں کا کنٹرول یہاں ڈھیلا ہوا، تب ان کی طرف سے مقرر کردہ افراد نے اس پرگنے کو اپنے اختیار میں لے لیا اور یہاں کے مشہور قلعے کو "بھوم گڑھ" نام دیا اور اسے اپنے روحانی دیوتا کے چرنوں میں نذر کر کے بالا گڑھ کی تعمیر کرائی۔ جس وقت کرم چند بھومیا سے یہ قلعہ خالی کرایا گیا تب قلعہ کا نام" بھوم گڑھ" تھا۔ ملہار راؤ ہولکر مہاراجا مادھو سنگھ کی تاج پوشی کے موقع پر جب جے پور آئے تو انھوں نے از سر نو ٹونک پر قبضہ کر لیا اور کرم چند بھومیا کو قتل کرا دیا۔ ۱۷۶۵ء میں یہ علاقہ اہلیا بائی کے قبضۂ اقتدار میں آ گیا۔

ٹونک کے قیام کی تاریخ پر اب کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مختلف محققین کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹونک کا قیام ۲۴ دسمبر ۹۴۶ء میں عمل میں آیا تھا۔ ٹونک کب وجود میں آیا؟ اس موضوع پر راجستھان کے تاریخ نویس اور محققین خاموش نہیں ہیں بلکہ انھوں نے یک زبان ہو کر تسلیم کیا ہے کہ ٹونک کے قیام کا سال سُوریہ کی تیرہ آلوکت ہے۔ راجستھان کی تاریخ پر لکھی ہوئی کوی راج شیامل داس کی مطبوعہ دستاویز" ویر ونود" کے صفحہ ۱۶۲۵ پر درج ہے:

> "ریاست ٹونک ملکِ راجپوتانہ میں ایک درمیانی درجے کی مسلمانی ریاست ہے۔ اس کے چھ پرگنوں ٹونک، رام پورہ، نمباہیڑہ سرونج، چھپرا اور پڑاوا میں پہلے تین پرگنے خاص راجپوتانہ کے اندر واقع ہیں اور باقی ملکِ مالوا کی سرحد پر اس کی ریاستوں سے گھرے ہوئے علیحدہ علیحدہ ہیں، اس لیے اس ریاست کی حدیں ایک جگہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ ٹونک

اور رام پورہ شہر جے پور سے دکشنی طرف راجیہ جے پور سے گھرے ہوئے ہیں۔ نمباہیڑہ راجیہ میواڑ اور علاقہ سندھیا سے گھرا ہوا ہے۔ سرونج، مالوا کے اندر علاقہ سندھیا، بھوپال اور ضلع ساگر سے گھرا ہوا ہے۔ سرونج، مالوا کے اندر علاقہ سندھیا، بھوپال اور ضلع ساگر سے گھرا ہوا ہے۔ چھپرا ملک مالوا کی سرحد پر کوٹہ، جھالراپاٹن اور سندھیوں کے علاقے سے گھرا ہوا ہے اور پڑاوا کے گرد جھالراپاٹن اور سندھیا تھا ہولکر کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔

ٹونک کے ماتحت ہر پرگنہ کی زمین عمدہ اور زرخیز ہے، اور بناس ندی خاص ٹونک کے پاس سے گذر کر بڑی سرسبزی کا ذریعہ ہوئی ہے۔ اس ریاست میں کل گاؤں ایک ہزار ایک سو تینتالیس ہیں۔ کل رقبہ ۲۵۰۹ میل مربع، آبادی ۲۹۰۳۳۸ آدمی، آمدنی ۲۸،۵۲۶،۱ روپے سالانہ اور فوج سوار و پیدل چار ہزار کے قریب ہے۔ اس ریاست کی سلامی انگریزوں کی طرف سے سترہ توپوں کی مقرر ہے۔

خاص شہر ٹونک ایک نیچی پہاڑی کے پاس آباد ہے، جس کی نسبت روایت ہے کہ وکرمی ۱۰۰۳ ماگھ کرشنا ۱۳ [ہجری ۳۳۵ تاریخ ۲۷ جمادی الاوّل؛ عیسوی ۹۴۶ تاریخ ۲۴ دسمبر ۹۴۶] کو — دلی کے راجا جنو داد کے ایک ماتحت حاکم رام سنگھ نے ایک گاؤں بسا کر اس کا نام ٹونک رکھا تھا اور اس کی آبادی کو اب تک ٹونک کہتے ہیں۔ وکرمی ۱۳۳۷ ماگھ شکل ۵ (ہجری ۶۷۹ تاریخ ۴ شوال؛ عیسوی ۱۲۸۱ تاریخ ۱۷ جنوری) کو علاء الدین خلجی نے اس گاؤں کو دوبارہ رونق دی۔ وکرمی ۱۸۶۳ (ہجری ۱۲۲۱؛ عیسوی ۱۸۰۶) میں ٹونک پر نواب امیر خاں کا قبضہ ہوا۔ انھوں نے آبادی سے ایک میل دکشن کی طرف اپنے رہنے کے مکان، کارخانے اور دفتر قائم کیے اور ان کے بعد برابر آبادی نے ترقی پائی جس سے وہ ایک چھوٹے سے شہر کا نمونہ بن گئی۔ ٹونک میں وکرمی ۱۹۲۹ (ہجری ۱۲۸۹؛ عیسوی ۱۸۷۲) سے شفاخانے

کی بنیاد قایم ہوئی " (اس کا ذکر ویر ونود میں ہوا ہے اور " ویر ونود"
۱۸۲۵ میں شائع ہوئی ہے)

قیام ٹونک کے تعلق سے سید احمد علی شیباؔ کے قلمی نسخے "گلدستۂ خرد" میں تحریر ہے کہ :

" واضح ہو کہ شہر ٹونک اوّل میں سراسر جنگل ویران تھا۔ ہوا جانوروں کے یہاں آدمی نہیں رہتے تھے۔ دکن جاتے وقت قافلے ادھر سے گذرتے تھے۔ ماگھ مہینے کے کرشن پکش کی تیرھویں تاریخ شنی وار سمبت ۱۰۰۳ کے دن اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی آبادی قصبۂ ٹونک کی بنیاد خواجہ رام سنگھ کے ہاتھوں ہوئی اور اس کا سبب یہ ہوا کہ اُن دِنوں دلّی کا راجا تُن پال (کہیں تنگ پال) نے خواجہ رام سنگھ کو فوج دے کر دکن بھیجا جب وہ یہاں آکر اُترے تو اِس مقام کو پسند کر کے اطراف کے لوگوں کو لا کر ایک گاؤں بسایا اور اُس کا نام " ٹوکڑا " رکھا۔ سمبت ۱۳۳۷ میں یہاں آبادی زیادہ ہوئی "

ٹونک کے معروف شاعر محمد صادق بہارؔ نے امیر نامہ کو اُردو میں منظوم کیا ہے۔ اس طویل نظم کے ایک بند میں موصوف کہتے ہیں :

خاندانِ پال میں تھا رام سنگھ ایک سورما
فتحِ دکن کے لئے اس راہ میں جانے لگا
اس جگہ ایسا اسیرِ زلفِ فطرت ہو گیا
ماتحت لشکر کو فوراً حکمِ آبادی دیا

غیب سے ہاتف یہ بولا باغ یہ جنت کا ہے
رہتی دُنیا تک رہے یہ " ٹوکڑا " خلوت کا ہے

اس میں لفظ " باغ " سے مادہ سمبت ۱۰۰۳ برآمد ہوتا ہے جو قیام کا سال ہے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب " جائزہ زبانِ اُردو " میں تحریر کیا ہے کہ " ۹۴۶ء کا واقعہ ہے کہ تُن پال راجا دہلی سے خواجہ رام سنگھ ناراض ہو کر راجپوتانے چلے آئے۔ اس نے اس کو اپنے کے نیچے جسے رسیا کی ٹیکری کہتے ہیں، ایک قصبہ بسایا جو ٹونک کے نام سے مشہور ہے "۔ بابو جوالا سہائے بھرت پوری اپنی کتاب " وقائع راجپوتانہ " کی تیسری جلد میں رقمطراز ہیں۔ " خواجہ رام سنگھ و تنج پال راجا دہلی سے بتاریخ

۱۳ ر ماگھ ماہ سمبت ۳ ..ا کو گاؤں آباد کر کے نام اس کا "ٹوکرا" رکھا تھا۔ یہ آبادی اب ٹونک کے نام سے مشہور ہے"
استاد اصغر علی آبرو اپنی مرتب کردہ "تاریخ محمد آباد" میں لکھتے ہیں:

"سمبت ۳.. او کرمی میں شنی وار سمی ٹنڈن پال تنور برادر راجہ دہلی سے بوجوہ کسی سخت رنجش کے اپنے بھائی سے جدا ہو کر اس جگہ وارد ہوا اور چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر ٹنڈن پال کو راجہ دہلی نے اپنے پاس بلا لیا اور وقتِ روانگی اپنی طرف سے ٹنڈن پال نے مسمی رام سنگھ ملازم خود کو بناو آبادی قصبہ مامور کیا اور اس کے دامن کو اِنچہ میں کہ فی زمانے میں اس کو رسیائی ٹیکری کہتے ہیں حسب الحکم آقائے خود قصبہ مامور کر کے "ٹوکرا" نام رکھا اور اس کی نظر تذکرہ یہ ہے کہ کونچہ نوک دار کو ٹونک کہتے ہیں۔ اس سب سے اس کی آبادی زریب (نیچے) ٹکڑے کے نام سے محسن ہوئی"

قیامِ ٹونک کے تعلق سے ماسٹر رام نواس اگروال ندیم اپنی تصنیف "ٹونک کی بستی" میں تحریر فرماتے ہیں:
"سمبت ۳.. او کرمی بمطابق ۹۴۶ء دہلی کے تنوَر راجا تنگ پال کے چچا چھیتر پال اپنے بھتیجے سے ناخوش ہو کر اس مقام پر چلے آئے جہاں آج ٹونک بسا ہوا ہے اور یہاں رہنے لگے، کچھ سال بعد راجا تنگ پال نے ان کی تلاش میں اپنے سردار خواجہ رام سنگھ کو روانہ کیا۔ دیو لوگ سے خواجہ رام سنگھ کا قیام بھی یہاں کافی مدت تک رہا۔ اس درمیان خواجہ رام سنگھ نے چچا بھتیجے کے درمیان مصالحت کرادی اور چھیتر پال دہلی لوٹ گئے۔ تنوَر چھیتر پال نے اپنے ٹونک کے قیام کے دوران جو محل وغیرہ بنوائے وہ پرانی ٹونک کے تیلیوں کے محلّے میں آج بھی موجود ہیں۔"
قیامِ ٹونک کے سلسلے میں اس تمام معلومات کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ ٹونک اپنے قیام سے ٹکڑوں ٹکڑوں میں ترقی کرتا رہا اور ایک وقت وہ آیا جب اسے راجپوتانے کی پہلی ریاست ہونے کا فخر حاصل ہوا۔

جس زمانے میں جسونت راؤ ہولکر نے امیر خاں کو ٹونک کا نواب نامزد کیا، بدامنی اور افراتفری کا دور دورہ تھا۔ پورا راجستھان، مدھیہ پردیش، مالوا اور اُتر پردیش کا علاقہ پنڈاریوں، مراٹھوں، راجپوتوں، مغلوں اور انگریزوں کی تباہ کن جنگوں کا کوروکشیتر بنا ہوا تھا۔ انگریزوں نے بھی امن و امان کی خاطر کئی معاہدے کیے اور انہی معاہدوں کے تحت امیر خاں کو ٹونک کا پہلا نواب (۱۸۳۴ - ۱۷۶۸ء) بنایا گیا جو متعدد لڑائیوں اور سازشوں کے سرغنہ رہے تھے۔ انھیں کافی دُور دُور کا علاقہ اختیار میں دیا گیا تاکہ وہ پورے

وقت اسی کے انتظامات میں مصروف رہیں اور انھیں "خرافات" کے لیے مہلت نہ مل سکے اور ہوا بھی یہی ــــ امیر خاں کی تلوار ایک بار میان میں گئی تو پھر دوبارہ نہیں نکلی۔ ان کی وفات کے بعد اُن کے بڑے بیٹے وزیرالدّولہ گدی نشین ہوئے۔ چھٹ پُٹ واقعات چھوڑ کر ان کا زمانہ پُرامن گذرا۔ ۶۷-۱۸۶۴ء میں نواب محمد علی خاں برسرِ اقتدار رہے جنھیں "لوا" کے ساتھ زیادتی کرنے کی پاداش میں معزول کر کے بنارس میں نظر بند کر دیا گیا اور سالانہ ۰۰۰،۰۰،۶ پنشن مقرر کی گئی۔ سب سے طویل عرصہ (۱۹۳۰-۱۸۶۷ء) نواب ابراہیم علی خاں کا رہا۔ اس دور میں کئی طرح کی اصلاحات نافذ ہوئیں اور سماج سدھار کے اقدام کیے گئے۔ نواب سعادت علی خاں (۴۶-۱۹۳۰ء) کے دور میں گھنٹہ گھر، باناس کے فریز پُل اور سعادت اسپتال کی تعمیر ہوئی۔ نواب فاروق علی خاں اور نواب اسماعیل علی خاں کے دور بہت مختصر رہے اور ۱۹۴۸ء میں ٹونک ریاست صوبۂ راجستھان میں مدغم ہو گئی۔

یہ شہر افراتفری، بدامنی، سازشوں، محبتوں اور دوسرے کئی منظروں اور مرحلوں سے گذرا ہے۔ یہاں کے پتھروں، مقبروں، مزاروں، مندروں، مٹھوں، سمادھیوں، کھنڈروں، پہاڑوں، گپھاؤں، چھتریوں، ندیوں اور باوڑیوں پر گذرے ہوئے زمانے کی تاریخ لکھی ہوئی ہے جسے ایک تحقیق پسند ذہن سلسلہ وار لڑی میں پرو کر ان میں پوشیدہ کئی داستانیں سامنے لا سکتا ہے۔

میں نے اس کتاب میں ٹونک کے قیام سے آج تک کے حالات درج کر دینے کی سعی کی ہے۔ اس سال جبکہ آزادی کی گولڈن جبلی منائی جا رہی ہے، ایک نسبتاً غیر معروف اور پسماندہ علاقے کا تذکرہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آئندہ نسلیں اپنے اسلاف کے بارے میں زیادہ نہیں تو ضروری معلومات تو حاصل کر سکیں۔

میں قارئین کی خدمت میں نیک خواہشات کے ساتھ برائے مطالعہ یہ کتاب پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

ــــــ ہنومان سنگھل

یکم ستمبر ۱۹۹۶ء

کتابیات

۱۔ دی میمائرس آف دی پٹھان سولجر آف فارچیون دی نواب امیرالدولہ محمد امیر خاں (منشی بساون لال شاداں کے امیر نامہ کا انگریزی ترجمہ) از ایچ۔ ٹی پرنسپ
۲۔ تواریخ محمود آباد / استاد اصغر علی آبرو
۳۔ مراٹھوں کا نوین اِتہاس / گووند سکھارام ڈیسائی
۴۔ راجستھان کا اِتہاس / ٹاڈ
۵۔ راجستھان کا ورہت اِتہاس / ڈاکٹر رام پرساد ویاس
۶۔ مغل سامراجیہ کا پتن / سر جدوناتھ سرکار
۷۔ مراٹھا مارواڑ سمبندھ / جی۔ آر۔ پریہار
۸۔ مراٹھا پربھوتو / بی۔ ایل۔ لونیا
۹۔ راجستھان ضلع گزیٹر ٹونک / راجستھان سرکار
۱۰۔ بھومیکا لاوارا سا / مہتاب چندر جی کھاریٹر
۱۱۔ تاریخ ٹونک / محمد اعجاز خاں
۱۲۔ تذکرہ ٹونک / صاحبزادہ عبدالتواب خاں
۱۳۔ گلدستۂ خرد (۱۲۸۶ ہجری) / مولوی سید احمد علی
۱۴۔ جغرافیۂ ٹونک / مولوی احمد
۱۵۔ امیر نامہ (اردو مخطوطہ) ۱۸۷۷/ ۱۲۹۴ ہجری / مولوی حکیم سید احمد
۱۶۔ اسرائے مالوہ (۱۹۳۶ء) / وکیل مولوی احمد مرتضیٰ
۱۷۔ حالات پرگنات ریاست ٹونک (ہندی/اردو مخطوطہ) / پنڈت رام کرن جوش
۱۸۔ جغرافیۂ ٹونک / غلام احمد خاں

١٩۔ جعرافیۂ ٹونک / ماسٹر ممتاز احمد

٢٠۔ تاریخ گلزار (اُردو مخطوط قلمی) / پنڈت رام کرن جوشی

٢١۔ وقائع راجپوتانہ (جلد III) ١٨٧٩ (اردو) منشی جوالا سہائے

٢٢۔ وقائع احمدی / ظفر نقوی

٢٣۔ ویر ونود / کوی شیامل داس

٢٤۔ ٹونک کا اِتہاس / ہنومان سنگھل

٢٥۔ اکبر دی گریٹ (جلد I) / اے۔ ایل۔ سریواستو۔ آگرہ ١٩٦٢ء

٢٦۔ اَرلی ہسٹری آف نارتھ انڈیا / بی۔ اے۔ سمتھ

٢٧۔ آئینِ اکبری ابو الفضل / مرتب کردہ ۔ جے۔ سرکار

٢٨۔ انڈین آرکیالوجی۔ اے ریویو ٥٩-١٩٥٨ء اور آگے

٢٩۔ امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا (جلد ٢٣ نیو ایڈیشن آکسفورڈ)

٣٠۔ اے کلیکشن آف ٹریٹیز، انگیج منٹ اینڈ سندس (جلد III) سی۔ یو۔ ایچیسن، کلکتہ۔ ١٩٣٢ء

٣١۔ ایٹ ٹین ففٹی سیون / سریندر لال سین

٣٢۔ انلیس اینڈ اینٹیکوٹیز آف راجستھان / کرنل جیمس ٹاڈ (جلد I اور II۔ ترجمہ)

٣٣۔ کتاب گزیٹر پرگنہ / علی گڑھ ١٨٨٦ء / ٹونک ١٨٦٦ء۔ ایشوری پرشاد

٣٤۔ ڈسٹرکٹ سینسس ہینڈ بک آف ٹونک ڈسٹرکٹ ١٩٩٣ء

٣٥۔ رپورٹ اون دی ایڈمنسٹریشن آف ٹونک ٧-١٩٠٦ء ۔۔۔ ٤٥-١٩٤٤ / مہتہ۔ ایم۔ این

٣٦۔ دی ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیپلز (جلد ٦) دہلی سلطنت

٣٧۔ ٹونک کی بستی (قلمی نسخہ) ماسٹر رام نواس اگروال

٣٨۔ امیرنامہ (ہندی ترجمہ) پہلی بار ١٩٩٦ء / ہنومان سنگھل

ٹونک: ماضی کے دریچوں سے

دریائے بناس کے ساحل پر قدیم ترین تہذیب کے عکس ریزے جیسے آج بھی بکھرے ہیں۔ یہاں کئی زمانوں نے جنم لیا اور مٹ گئے۔ مختلف تاریخوں نے اپنے عہد کو ایک جاہ و جلال عطا کیا لیکن وقت کی آندھیوں میں گم ہو گئیں۔ مختلف روایتیں یہاں پیدا ہوئیں اور ختم ہو گئیں لیکن اس کے باوجود شہر ٹونک کتبوں، مقبروں، مزاروں، مندروں، مسجدوں، مٹھوں، سمادھیوں، پہاڑوں، غاروں، تالابوں، چھتریوں اور کھنڈرات یا اُس کے درو دیوار پر آویزاں داستانوں میں آج بھی زندہ ہے۔

دریائے بناس کی روانی اس شہر کو زندگی کی جہت عطا کرتی رہی ہے۔ متعدد قافلے یہاں سے گزرے، ہزار ہا لشکر اس کے ساحل پر سیراب ہوئے اور نہ جانے کتنے بادشاہوں، امیروں اور صوبیداروں نے یہاں اپنا پرچم لہرایا۔ ساحل بناس پر کئی طوفان آئے اور زلزلوں نے یہاں آباد تہذیبوں کو غرقاب کر دیا۔ لیکن خود کو پوری قوت سے سمیٹ کر نکھارنے کی فطرت سے لبریز یہ شہر بربادیوں کے باوجود آباد ہوتا رہا۔ بکھرتا رہا تو سنورتا بھی رہا۔ تاریخ کے صفحات پر آج بھی ٹونک کا ماضی درج ہے کہ اس شہر نے کئی بار طوفانوں کو دعوت دی اور کئی بار خود طوفان بن کر وقت کا مورخ بن بیٹھا۔ دریائے بناس آج بھی ایک چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ اُس کے ساحل پر سلطان محمود غزنوی، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن، علاء الدین خلجی اور محمد تغلق کے لشکر جرار نے ٹھکانہ کیا ہے۔ اکبر اعظم، عادل جہانگیر اور شہنشاہ عالمگیر کی افواج نے یہاں زمانۂ جنگ میں قیام کیا اور ۱۸۵۷ء میں نواب باندہ اور تانتیا ٹوپے

نے امداد طلب نگاہوں سے ادھر دیکھا ہے۔

شہر ٹونک موجودہ راجستھان کے صوبائی دارالسلطنت جے پور سے جنوب مغرب کی طرف تقریباً ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے بناس کے کنارے اب آزاد ہندوستان کی ایک آزاد بستی کا نام ہے اور یہ بستی آج بھی شاندار تمدنی روایتوں اور ادبی مزاج کے توازن کا اعلیٰ ترین مرکز ہے۔

ماہرین آثارِ قدیمہ کے مطابق یہ شہر ہزار ہا سال پرانا ہے۔ اس کا نام راجستھانی زبان سے ماخوذ ایک علاقائی لفظ "ٹونکر" ہے۔ یہ لفظ اس پہاڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی اونچائی قابلِ ذکر ہو۔ یہاں رسیا کی پہاڑی کی وادیوں میں جو بستی اولاً آباد ہوئی "ٹونکڑا" کے نام سے پکاری گئی اور جدید زمانے میں "ٹونک" کے نام سے پہچانی گئی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ "ٹونک" قدیم آریائی زبان سنسکرت کے "ٹونکرا" (نکیلی چٹان) سے ماخوذ ہے۔

(ماسٹر رام نواس اگروال۔ "ٹونک کی بستی" صفحہ۔ ۲)

بناس کی ہمشیرہ ندیوں ماسی، بانڈی، باری اور دائی کی وادیوں میں حالیہ کھدائی کے دوران زمانۂ سنگ کی کئی چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔ دیولی، بنتھلی، عھوا اور ٹونک کے علاقوں میں اُس قدیم زمانے کے اسلحے ملے ہیں۔ بھٹوار، بھرنی اور سنڈیلہ بھی اوزارِ سنگ کے لیے مشہور تھے۔ بنتھلی نانیر اور لاک وغیرہ علاقوں سے بھی عہدِ سنگ کے ظروف برآمد ہوئے ہیں جن میں قبل عہد تاریخ کی طشتریاں اور پیالے ثابت کرتے ہیں کہ ٹونک کا وجود وراٹ تہذیب کے ساتھ منسلک ہے۔

(انڈین آرکیالوجی۔ اے ریویو ۵۹ ۔ ۱۹۵۸۔ صفحہ ۵۴)

اس علاقے کے قدیم باشندے غالباً مالو تھے۔ مالو یا اُس کے ایک طبقے کی راجپوتانے میں آمد شاید پنجاب کے انڈوگریک (INDO - GREACE) قبضے کے بعد شروع ہوئی جو غالباً سیتھین کی فتح کے اواخر تک جاری رہی۔ مالو قبل مسیح چوتھی صدی میں سکندر کے حملے کے وقت راوی، چناب کے ساحل پر آباد تھے۔ انھیں جنگجو قبیلہ کہا جاتا تھا۔

مالوں نے اپنا دارالسلطنت مالیونگر قائم کیا جو ان دنوں نگر فورٹ پکارا جاتا ہے (آثارِ قدیمہ کی ایک دستاویز (سنہ ۹۸۶ء سنہ ۱۰۴۳) میں جو حال ہی میں نگر میں کھدائی کے دوران برآمد ہوئی اس جگہ کو مالیونگر کہا گیا ہے اور اُس کے نشوو نما کا ذکر بھی موجود ہے (بھارت کا مودی صفحہ ۲۷-۱۲۷) اس شہر کو اکثر و بیشتر کارکوٹ نگر کے نام سے پکارا گیا جس کی وجہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علاقہ وقتی طور پر ناگاؤں کی دسترس میں بھی تھا سوبر جا کے قدیم ترین مالو سکّے پدماوتی کے ناگاؤں (جن سے ان کا مضبوط رشتہ رہا ہوگا) کے سکوں سے کچھ مختلف ہیں مگر ایک جیسے ہیں۔ (دی ہسٹری اینڈ کلچر آف انڈین پیپل۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۶۴)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کُشانوں کے زوال کے بعد انھوں نے اپنی طاقت میں اضافہ کر لیا۔ تیسری اور چوتھی صدی میں یہ شیدامرا کے ساتھ جنگ کرتے رہے لیکن جلد ہی دونوں کو سمندر گپت کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

(ماسٹر رام نواس اگروال "ٹونک کی لبتی۔ صفحہ ۵)

ڈاکٹر آر سی۔ مجومدار کے مطابق عہدِ سمندر گپت میں مالوہ حکومت کی توسیع غالباً میواڑ ٹونک اور جنوب مشرقی راجستھان کے آس پاس کے علاقوں تک بڑھ گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر اے ایس الٹیکر نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ الہ آباد کے دستاویزاتِ قدیمہ میں گپت خاندان کی آمری خواہشات کی وجہ سے مالو اور دوسری جمہوریاؤں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ان کا قول ہے کہ سمندر گپت۔ ان صوبوں سے صرف اپنی سلطانی قبول کروانا چاہتا تھا۔ اس لیے ان صوبوں میں حکومتیں خودمختار ہی بنی رہیں۔ چندر گپت دوئم اور کمار گپت اول کے دورِ حکومت میں بھی یہ صوبے نصف آزاد رہے ہوں گے لیکن پانچویں صدی کے اواخر تک ہونوں کے حملہ آور ہوتے ہی یہ ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ (چٹّو پادھیائے سُدھاکر: اَرلی ہسٹری آف نارتھ انڈیا۔ صفحہ ۱۵۷)

بعد میں یہ علاقہ ہرش کے سامراج (EMPIRE) میں شامل کر لیا گیا تھا یا نہیں پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس خیال پر مہر ثبت ہو چکی ہے کہ اس کی حکومت کی سرحدیں ہمالیہ، مغربی پنجاب، راجپوتانہ، وسط ہندوستان اور بنگال کے حصّوں میں تھیں۔ (آر سی مجومدار اور اے ایس۔ الٹیکر: اے نیو ہسٹری آف دی انڈین پیپل جلد ۶ صفحہ ۱۳۱)

میواڑ کے گہلوت خاندان نے بھی اس علاقے پر حکومت کی تھی۔ اس کا ثبوت موجود ہے۔ اس خاندان کے بانی گہادت کے بارے میں مستند خیال ہے کہ اُس نے چھٹی صدی کے وسط زمانہ میں اُودے پور ریاست کے مغربی حصّے پر حکومت کی تھی۔ اس خاندان کی کئی شاخوں میں سے ایک شاخ چھٹی صدی کے اواخر یا ساتویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں بھورت پٹ کے ذریعے چلائی گئی تھی۔ ایسا یقین کیا جاتا ہے۔ جے پور شہر کے جنوب میں تقریباً بیالیس ۴۲ کلومیٹر کی دوری پر ٹونک آنے والی شاہراہ پر واقع چاکسو گاؤں میں برآمد ایک دستاویز سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ساتویں صدی کی ابتدا میں واسودیو کے ذریعے شاکمبھری (جے پور ضلع کا سانبھر) میں چوہان خاندان قائم ہوا تھا۔ جس میں ٹونک علاقے کا کچھ حصہ شامل تھا۔ واقعتاً شہر ٹونک گیارہویں اور بارھویں صدی میں وجود میں آیا۔ مالوہ کے پرمار راجا نروَرمن نے ہندی کلینڈر کے مطابق سنوت ۱۱۹۰ کے آس پاس تخت نشین ہو کر ریاست کی شمالی سرحدوں کی توسیع ٹونک کی جنوبی سرحد تک پھیلائی۔ غالباً ۱۱۲۹ء میں شاکمبھری، گجرات کے چالکیہ راجا جے سنگھ کی دسترس میں چلی گئی۔ چوہان راجا ارنی راج نے جے سنگھ کی غلامی قبول کر لی اور جے سنگھ نے اپنی بیٹی کی شادی اُس سے کر دی۔

(دی ہسٹری آف کلچر آف دی انڈین پیپل۔ جلد ۵۔ اسٹرگل آف امپائر صفحہ ۷۶)

جے سنگھ کو ایک بیٹے کی کمی ہمیشہ ستاتی رہی۔ اس کی موت کے بعد کسی کماریال نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ آگے چل کر بیسلدیو نے چوہان خاندان کو دوبارہ قائم کیا لیکن ۱۱۹۲ء میں ترائن کی جنگ میں چوہان راجہ پرتھوی راج دوئم کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔

اس سے قبل ہندی کیلینڈر سنہ ۱۰۰۳ اس بہ مطابق سنہ ۹۴۰ء میں دہلی کے تنور راجہ تنگپال کے چچا چھتر پال اپنے بھتیجے سے ناخوش ہو کر یہاں آ بسے جہاں آج ٹونک موجود ہے۔

کچھ عرصے کے بعد تنور راجہ تنگپال نے اپنی طرف سے سردار خواجہ رام سنگھ کو ڈھونڈھا انتظامیہ کی دیکھ بھال کے لیے بھیجا۔ اتفاق سے خواجہ رام سنگھ کا پڑاؤ یہاں بہت

دِنوں تک رہا۔ اس درمیان خواجہ رام سنگھ نے چچا بھتیجے میں صلح کرا دی اور چھتر پال واپس دہلی چلے گئے۔ تنور چھتر پال نے یہاں رہائشی محلات کی تعمیر کروائی تھی جن کے کھنڈرات پرانے ٹونک میں تمولیوں کے محلّے میں آج بھی موجود ہیں۔

(ماسٹر رام نواس اگروال: ٹونک کی بستی صفحہ ۵)

چھتر پال نے اس کے علاوہ ایک باؤڑی کھُدوائی جو خواجہ کی باؤڑی کے نام سے آج بھی معروف ہے اور بمبور دروازے کے باہر موجود تاریخ کی شہادت دے رہا ہے۔

بھارت کے آخری ہندو شہنشاہ پرتھوی راج چوہان کے دور میں یہ ٹونکڑا پرگنہ بیل کے تحت ایک بہت بڑی جاگیر تھا۔ جو پرتھوی راج چوہان نے اپنے سپہ سالار چومنڈا رائے کو عطا کیا تھا۔ رائے نے اسی دور میں یہاں اپنے بیٹے سوہن پال کے نام پر سولواں گاؤں بسایا تھا۔ یہ گاؤں سولواں آج بھی ٹونک کے جنوب میں چار میل کے فاصلے پر بہت معقول حالات میں قائم ہے۔

پرتھوی راج چوہان کی موت کے بعد دہلی اور اجمیر کی ریاستوں پر تو مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا لیکن ٹونکڑے پر ٹوڈا کے چوہان گوپل وال خاندان کے شاہوں کا قبضہ رہا۔ کبھی کبھی دہلی کے مسلمان بادشاہوں نے بھی اس علاقے پر اپنی سلطانی قائم کی۔ اُس دوران برہمن یہاں کے پٹیل ہوتے تھے۔ ٹیلہ تیواری نام کے ایک برہمن نے یہاں بہیر محلّے میں ایک تالاب کھدوایا تھا جس پر درج ذیل کتبہ آج بھی موجود ہے ؎

"تیواری ہری شنکر براہمن نے ویشاکھ سُدی ۱۲ سنوت ۱۳۳۰ کو بادشاہ غیاث الدین بلبن کے دورِ حکومت میں وفات پائی۔"

مقامی دستاویزات کے مطابق بارہویں صدی کے وسط میں ٹونک اور ٹوڈا چوہان راجہ سانتوں جی کے قبضے میں تھا۔ (رپورٹ آف دی سیٹلمینٹ آف ٹونک ۱۸۹۲ صفحہ ۲)

مغرب میں اجمیر سے جنوب کی طرف بوندی سے قبل کے مشہور جنگل رن تھمبور سے گھرے ہوئے ٹوری نے ان علاقوں کے دباؤ کی وجہ سے ہتھیار ڈال دیے۔ اور آخر کار تیرھویں صدی میں چوہانوں کی رن تھمبور شاخ نے ٹونک علاقے پر جو کہ قبل شاکمبھری صوبہ کا ایک

حصہ تھا، اپنی حکومت قائم کرلی۔ لیکن جلد ہی ایک نئی مصیبت پیدا ہوگئی۔ دہلی کے سلطان التمش نے اجمیر پر اپنی سلطانی قائم کرلی اور لاواں (ٹونک میں) کاسلی اور سانبھر میں محافظ لشکر بھیج کر رن تھمبور کو کچل ڈالا۔ لیکن سلطان کی موت کے فوراً بعد راجپوتوں نے مخالفانہ تحریک شروع کردی۔ شمس الدین التمش کی دختر رضیہ سلطان رن تھمبور سے باز آنے پر مجبور ہوگئی۔ جس کی وجہ سے وہاں واکسبھٹ کی شہنشاہی میں چوہان خاندان کی حکومت پھر قائم ہوئی اور یہ علاقہ ایک ایسا مرکز بن گیا جہاں سے چوہانوں کی طاقت شمالی ہندوستان میں پھیلے، نزدیکی علاقوں اور راجپوتانہ کے صوبوں کوٹہ، بوندی اور جالور کے دور دراز گاؤں تک پھیلتی چلی گئی۔ راجپوتوں کی طاقت کے اس جنون کے خلاف اجمیر پر فوجی قبضہ لاواں، کاسلی اور سانبھر میں قائم محافظ چوکیاں ٹوٹنے کے پیچھے بھی راجپوتوں کی طاقت کارفرما تھی جس کے نتیجے میں یہ چوکیاں اخلاقی کارکردگی سے معطل کردی گئی تھیں۔

(دی ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیپل جلد ۵۔ اور دی اسٹرگل آف امپائر صفحہ ۴۸-۸۴)

ابتدا میں ٹونک تنوروں کے قبضے میں رہا بعد میں چوہانوں کی شہنشہی میں آگیا۔

سنوت ۱۳۳۷ بمطابق ۱۲۸۱ء میں ہندوستان پر علاءالدین خلجی کی حکومت تھی علاءالدین کو ۱۳۰۱ء میں رن تھمبور کے راجہ کو شکست دینے کے لیے ٹونک سے گزرنا پڑا تھا۔

اس وقت بادشاہ خلجی کے ساتھ فارسی کے عالم شاعر خواجہ حضرت امیر خسرو بھی تھے۔ امیر خسرو نے اپنی کتاب "خزائن الفتح" میں دریائے بناس اور ٹونک کا ذکر کیا ہے میں ہندوستان کی افواج میں شامل گھوڑوں کی چراگاہ کے کام میں لیا گیا تھا۔ حضرت امیر خسرو نے کچھ دن ٹونک میں قیام بھی کیا اور اپنے روحانی علم سے عوام میں صبر وسکون کا جذبہ بیدار کرنے کا اہم کارنامہ بھی انجام دیا تھا۔

خلجی کی طاقت کے سامنے ٹونک اور بوندی نے بھی سر تسلیم خم کردیا تھا۔ گجرات کے سولنکی جنھیں علاءالدین خلجی نے ریاست بدر کردیا تھا یہیں آکر مقیم ہوئے اور راجہ سانتوں سے ٹونک وٹوڈا چھین کر اپنی حکومت قائم کی۔

(دی ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیپل جلد۔۶۔ دی دہلی سلطنت صفحہ ۳۳)

علاء الدین خلجی کے حکم سے مہیش داس اہیر نے میہند داس قائم کیا اور اُسے ٹونک کے علاقے تک توسیع بخشی۔

لیکن دہلی کے سلطان محمد بن تغلق کے دورِ حکومت میں مکمل راجپوتانہ ہی دہلی سلطنت سے آزاد ہوگیا تھا۔ جس کے بعد رفتہ رفتہ راجپوت سرمایہ داروں نے میواڑ راج گھرانے کے چاروں طرف منظم ہونا شروع کر دیا۔

(دی ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیپل جلد ۶۔ دی دہلی سلطنت صفحہ ۷۰)

ان میں سے ایک قابلِ ذکر رکن رانا سانگا نے سولہویں صدی کے ابتدا میں راجستھان میں حقیقی حکومت حاصل کر لی اور مالوہ کے ساتھ ساتھ گجرات پر میواڑ کی مرکزی حکومت قائم کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔

(شرما، ڈاکٹر جی۔ این: میواڑ اینڈ مغل امپائرس صفحہ ۱۷)

۱۵۲۷ء میں بابر کے خلاف کھنڈوا کی جنگ میں لاواں (ٹونک) کے راجہ نے رانا سانگا کی حمایت کی تھی۔

(راجستھان ضلع گزیٹرس ٹونک صفحہ ۲۰)

سنوت ۱۴۵۹ وکرمی میں راؤ ڈونگر جی سولنکی ٹونک اور ٹوڈا کے شاسک تھے۔ للن خان پٹھان نے راؤجی سے ٹوڈا چھین لیا اور انھیں شہر بدر کر دیا۔ جس کے بعد راؤ ڈونگر جی نے چتوڑ کے رانا رائے مل اور منگلور کے کھینچی راجہ پیپا جی کی مدد سے دوبارہ للن خاں پٹھان پر حملہ کیا اور اُنھیں اُن کے حمایتیوں سمیت مار ڈالا جب وہ محرم کے موقع پر حضرت امام حسین کا ماتم کر رہے تھے۔ اسی جگہ پر راؤ سرجن کی بہادر بیٹی تارا بائی اور رانا رائے مل کے بیٹے پرتھوی راج کے بارے میں مورخوں نے بیش قیمتی جمالیاتی خاکہ نگاری کی ہے۔

راؤ ڈونگر جی نے ٹوڈا کی ریاست تو اپنے بڑے بیٹے رتن سنگھ کو دیدی لیکن اپنے چھوٹے بیٹے جوگا جی کو ٹونک کی ریاست عطا کی۔ راؤ جوگا جی کے دورِ حکومت میں ٹونکڑا کی ترقی ہوئی۔ پرانی ٹونک میں عدالت بنی اور اُس کے بیٹے مانک جی کی یاد میں مانک چوک بسایا گیا جہاں پر لشکری کھیلوں کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ راؤ جوگا سولنکی نے ہی ٹونک کا قلعہ بنوایا تھا جو

بعد میں بھیم گڑھ کے نام سے مقبول ہوا۔ کچھ عرصہ بعد امیر خاں نے یہاں دیوانِ خاص اور دیوانِ عام کی تعمیر کا کام کروایا اور قلعے کا نام امیر گڑھ کر دیا تھا۔

سنوت ۱۹۴۰ء میں رام سنگھ سراؤگی اجمیرا نے موجودہ بہیر محلے میں واقع ٹیلہ تیواری کی باؤڑی میں ایک اور تالاب کھدوایا جو مسافروں اور جانوروں کے لیے مخصوص تھا اور بہاڑی باؤڑی کے نام سے مقبول ہوا تھا۔ یہ تالاب راؤ ساؤل، سُرجن اور بنوری کے عہدِ حکومت میں بنایا گیا تھا۔ راؤ سائل دیو نے بھی ایک تالاب ساتوں لاؤ (تالاب چتر بُھج بھی مشہور ہے) کھدوایا۔ اس تالاب پر ایک چبوترا ہے جس پر کندہ ہے کہ راؤ ساول بھادو، اسنوت ۱۵۳۱ء میں رام کے شرن میں پہنچا جس کا بیٹا بنویر تھا۔

تالاب چتر بھج کے وسط میں ایک چھتری بنی ہوئی ہے جو نواب امیر خاں کے سپہ سالار راجہ لال بہادر سنگھ کے نام سے منسوب ہے۔ لال بہادر سنگھ نے ۱۸۸۳ء میں وفات پائی تھی۔ وہ امیر خاں کے وفادار تھے اور انھوں نے راجستھان میں امیر خاں کے لیے کئی جنگیں لڑیں۔ اُسی نے لاواں وغیرہ علاقوں پر بھی قبضہ کیا۔

راؤ جوگا جی نے پرانی ٹونک کے نوتعمیر قلعے میں اپنے لیے کئی محلات تعمیر کروائے۔ چہار بُرجی قلعہ اور براہی ماتا کا مندر بھی اُسی عہد کی یادگاریں ہیں۔ اس وقت کوتوالی چبوترے کے نزدیک جو دروازہ ہے وہ بھی راؤ نے ہی بنوایا تھا۔ راؤ جوگا جی کے مصاحب رادھو جہیتوری نے رادھو لاؤ بنوایا تھا جو آج علی گنج علاقے میں تیلیوں کا تالاب مشہور ہے۔ راؤ کے پروہت بانڈا نامی نے سانڈولاؤ کھدوایا تھا جو آج کچے بندے کے نام سے جانا جاتا ہے۔
راؤ جوگا جی نے کسی زمانہ میں اپنے محل کے جھروکوں یا دریچوں میں بیٹھ کر بھاٹوں کو سات سو گھوڑے بخش دیے تھے، یہ واقعہ ایک دوہے کی شکل میں مشہور ہوا کہ ؎

"جس کارن جوگا دیا کر کر چالک جاؤ
گھر گھر گھوڑا انجتیا ٹونک نگر کا راؤ"

ٹوڈا کے راؤ رتن سنگھ کی موت کے بعد مُرسین، پرتھوی راج، راؤ رامچندر، پرشوتم

کلیان، بھگوان داس اور جگن ناتھ ایک دوسرے کے بعد علی الترتیب ٹونک کے شاہ ہوئے۔

راؤ جگن ناتھ کے فرزند کنور کلیان سنگھ مغل اعظم شہنشاہِ اکبر کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ان کی بہن کی منگنی آمیر کے راجہ مان سنگھ کے ساتھ ہو چکی تھی۔ لیکن ایک دن راجہ مان سنگھ

نے کنور کلیان سنگھ کے انگرکھے پر سیاہ داغ دیکھ کر طنز یہ جملہ کہا۔ "سو لکھیا کے کالو لاگیو۔" کنور کلیان سنگھ نے نرم لہجے میں کہا کہ "یہ داغ تو دھونے سے مٹ جائے گا لیکن مہاراجہ (مان سنگھ) کی پیشانی پر مُغلوں سے تعلقات قائم کرنے کا جو داغ لگ گیا ہے وہ کسی طرح صاف نہیں ہو سکتا۔" اس جملے سے راجہ مان سنگھ ناراض ہو گئے اور کنور کلیان سنگھ کو سبق سکھانے کے لیے انھوں نے شہنشاہ اکبر کو مشورہ دیا کہ کنور کلیان سنگھ کی ہمشیرہ کا ڈولہ دہلی منگوا لیا جائے۔ بعد ازاں اکبر اعظم نے راجہ مان سنگھ کی قیادت میں ایک لشکر جرار ٹوڈا کے خلاف جنگ کے لیے روانہ کیا۔ راجہ مان سنگھ نے راؤ جگن ناتھ اور اُس کے فرزند کلیان سنگھ کو سمجھایا لیکن انھوں نے اپنا سر نہیں جھکایا اور مان سنگھ کے ہاتھوں مارے گئے۔

بعد ازاں ٹونک اور ٹوڈا دونوں علاقے اکبر اعظم کی سلطانی میں آ گئے۔ اکبر نے اپنی طرف سے ٹونک انتظامیہ کی ذمہ داری مومن منصور کو سونپی لیکن منصور کی اچانک موت کے بعد اُس کا باپ ٹونک کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا جس نے مور دروازہ کے اندر اپنے بیٹے کی قبر پر ایک مقبرہ بنوایا تھا۔ میر جمعیت علی ولد میر علی ساکن اٹاوہ نے نواب امیر خاں کے عہدِ حکومت میں اس مقبرہ کے نزدیک ایک مسجد بھی تعمیر کروائی اور نواب محمد علی خاں نے اس مقبرہ پر ایک بابِ نو تعمیر کرایا۔ اس تعمیر سے قبل جمعرات کے دن یہاں محفل موسیقی کا اہتمام ہوا کرتا تھا جسے نواب وزیر الدولہ نے اپنے دورِ حکومت میں مانع قرار دیا۔

اسی طور مغل شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں ٹوری اور ٹونکڑا مغلوں کی دسترس میں رہے۔ اس عہد میں ٹونک کا علاقہ انتظامی وجوہ کی بنا پر صوبۂ اجمیر کے حصے کی شکل میں رن تھنبور کی حکومت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ رن تھنبور پہلے ہی مغلوں کے حصارِ حکومت میں آ چکا تھا۔ ٹونک کا علاقہ ۲۰۴ر۲۰۰ر۵ بیگھہ تھا جس سے زمانۂ مغلیہ میں سات کروڑ

۵ لاکھ سالانہ ٹیکس کی آمدنی ہوا کرتی تھی۔ (ابوالفضل کی تخلیق "آئینِ اکبری" جلد-۲ اور ایم۔ایس جیرٹ وجدو ناتھ سرکار کی ادارت میں شائع (۱۹۴۹) صفحہ ۲۸۰)

شہنشاہ شاہ جہاں نے ٹونک اور ٹوڈا کے دونوں پرگنہ اودے پور کے راجہ رائے کو عطیہ کر دیئے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ رانا رائے سنگھ کے والد بھیم سنگھ ولد رانا امر سنگھ نے اورنگ زیب کی افواج کے خلاف شاہ جہاں کی طرف سے جنگ کی تھی۔ رانا رائے سنگھ کے وارثین کمزور تھے اس لیے وہ ان پرگنوں پر دسترس برقرار نہ رکھ سکے اور نوجوان سپہ سالار اورنگ زیب جب شہنشاہ ہوا تو اس نے جے پور کے راجہ مرزا جے سنگھ کو حکم دیا کہ وہ میواڑیوں کو ان پرگنوں سے نکال باہر کرے اور دوسری صورت میں جزیہ وصول کیا جائے۔ سنوت ۱۷۵۱ میں ٹونک میں مغل شہنشاہ نے نواب مجاہد خاں کو حاکم اعلیٰ مقرر کیا۔ اس وقت بہادر خاں وہاں کے کوتوال تھے ان دونوں کے نام پر انے ٹونک کے علاقے میں کوتوالی کے نزدیک چبوترے پر لگے ایک پتھر پر آج بھی موجود ہیں۔

راجہ رام سنگھ کے بعد ان کے وارثین بھی کمزور ثابت ہوئے جس کا فائدہ اٹھا کر رام سنگھ سیسودیا نے ۱۶۴۲ میں ان سے ٹوڈا و ٹونکڑا دونوں پرگنہ چھین لیے۔ آئندہ سال ۱۶۴۳ میں بھولا نام کے ایک برہمن کو ٹونکڑا کے بارہ غیر آباد گاؤں کا عطیہ ہوا جن میں ٹونک، مہوا، نرمانا، پرانا، بورا، چرونج، ٹیبو پوری، ساکنا، داکھیا، چھان، سونواں اور منڈاور کے نام آج بھی قائم ہیں۔ اسی برہمن نے بارہ گاؤں کی اپنی چھوٹی سی جاگیر کا اجتماعی نام ٹونک رکھا۔

بعد اس کے شہزادہ معظم کی سفارش پر شہنشاہ اورنگ زیب نے ٹونک کا پرگنہ راجا بدھ سنگھ کو دیدیا۔ بدھ سنگھ ہاڑا نے ٹونک میں چتر بھج نام کا مندر تعمیر کروایا جو مائلہ چتر بھج نام سے آج بھی مقبول و معروف ہے۔ راجہ بدھ سنگھ مزاج کا گرم شخص ثابت ہوا اور جے پور کے مالک و مختار جے سنگھ سے لڑ بیٹھا۔ جس کے نتیجہ میں اُسے ٹونک اور بوندی دونوں علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ٹونک پر راجہ جے سنگھ کی حکومت قائم ہوئی تو اُس نے سولنکیوں کی کنوری سے

شادی رچائی اور اپنے خسر بھاؤ سنگھ سولنکی کو ٹونک کی جاگیر لکھ دی۔ دریں اثنا جے سنگھ نے پراسنے ٹونک میں قائم قلعہ عدالت کی مرمت کروائی اور نئی دلہن کی خواہش پر بورلا چتر بھج نام کا مندر بنوایا۔ تکوجی ہولکر نے اس مندر کے احاطہ میں ہر سال ویشاکھ کے مہینے میں ایک میلہ لگانے کی روایت قائم کی لیکن بعد میں یہ میلہ بند ہو گیا۔

۱۷۲۹ء میں یہ جاگیر دوبارہ جے پور کا حصہ بن گئی لیکن ۱۷۵۰ء میں جے پور کے مہاراجہ مادھو سنگھ نے ٹونک کے ساتھ ساتھ رامپورہ کو عطیہ کے طور پر ملہار راؤ ہولکر کے حوالے کر دیا۔

اسی سال مہاراجہ مادھو سنگھ کی تاج پوشی کے موقع پر جب ملہار راؤ ہولکر نے دعوت میں شرکت کی تو ٹونک کے بھومیا کر مچند نے ان کی مخالفت کی اور ہولکر کے ہاتھوں مار ڈالا گیا۔ بھومیا کی موت کے بعد ہولکر نے بھوم گڑھ بُرج پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ٹونک اور رامپورہ پر قبضہ کرنے کی خواہش میں جے پور، ہولکر، سندھیا میں لگاتار جدوجہد ہوتی رہی جس سے عاجز آکر مہاراجہ مادھو سنگھ نے صرف ایک سال بعد ہی ملہار راؤ ہولکر سے ٹونک واپس لے لیا جس کے نتیجے میں جے پور، ہولکر اور سندھیا میں کشمکش کا ایک لمبا سلسلہ چلا۔ ۱۷۶۴ء میں تکوجی ہولکر اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے میں کامیاب ہوا جس کے بعد جسونت راؤ ہولکر نے ٹونک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

۱۷۹۸ء میں سندھیا کی فوج اول کا کمانڈر شیولیر ڈیوڈرس تھا جسے مہیشور راؤ ہولکر اور امیر خاں کی افواج نے مشترکہ طور پر شکست فاش دی تھی۔ مہیشور راؤ ہولکر جسونت راؤ ہولکر کے وفادار تھے لیکن ۱۸۰۱ء میں جسونت راؤ ہولکر کے بڑے بھائی کاشی راؤ ہولکر نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ۱۸۰۳ء تک یہ علاقہ مراٹھوں کی شہنشاہی میں رہا اور ۱۸۰۴ء میں جب برطانوی فوجی گروہوں نے ان اضلاع پر قبضہ کیا تو ٹونک جے پور ریاست کی زمین میں شامل کر لیا گیا۔ لیکن اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے جسونت راؤ ہولکر نے تاخیر نہیں کی۔ ۱۸۰۶ء میں انھوں نے اپنے ایک معاہدہ کے تحت یہ علاقہ امیر خاں کو سونپ دیا۔

معاہدہ دونوں کے درمیان بہت پہلے ہو چکا تھا کہ لوٹ کے مال میں دونوں کا برابر کا حصّہ رہے گا۔

اس کے بعد ۱۸۱۷ء میں انگریزوں اور امیر خاں کے ساتھ ہوئے معاہدہ میں اس کی نشاندہی عمل میں آئی (ایچینس، سی یو: اے کلیکشن آف ٹریٹیز اینگیجمینٹس اینڈس جلد ۳ (۱۹۰۹) صفحہ - ۲۴۱)

اس طور ٹونک ۱۸۰۶ء سے ۱۹۴۸ء تک امیر خاں اور ان کے وارثین کے قبضے میں رہا۔

پرانے ٹونک میں مشرق کی طرف مادھو جی کا اصطبل اور میاں غنی کا تکیہ ہے۔ مادھو جی ایک مقبول ترین فقیر تھے اور میاں غنی شہنشاہ اورنگ زیب کی ملازمت کو خیرباد کہہ کر صوفیانہ زندگی کی ابتدا کر چکے تھے۔

رسیا کی ٹیکری پر رسک بہاری لال کائستھ نے ایک چھتری تعمیر کروائی تھی جو بجلی گرنے سے ٹوٹ گئی۔ پنڈت امباجی مہاراج ان دنوں ہولکر جی کی طرف سے گورنر تھے۔ انھوں نے ہی اس چھتری کی مرمت کا کام ۱۸۵۹ء میں انجام دیا تھا۔ جبکہ یہ واقعہ بھی محاورہ بن گیا ہے کہ ایک کائستھ اپنی محبوبہ کے دیدار کی خاطر اس چھتری پر بیٹھا رہا کرتا تھا اور عشقیہ شاعری اپنی مترنم آواز میں گاتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اس چھتری کا نام رسیا کی چھتری رکھا گیا۔

مہیشوال کائستھوں نے چھاؤنی کے پاس پہاڑی پر ان پورنا دیوی (غذا کی دیوی) کا ایک مندر بھی تعمیر کروایا تھا۔ مذکورہ مندر ۱۸۱۶ء سے ۱۸۶۶ء تک تقریباً ۵۰ سالوں میں بن کر تیار ہوا۔ اس مندر کی تعمیر پر اُس وقت سات ہزار روپے کا خرچ آیا تھا۔

شہر ٹونک میں ہی ہندو دیوی کنکالی ماتا کی سفید مکرانہ پتھر کی مورتی ہے جو آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے۔ اس کے علاوہ نوگزے بابا، منصور خاں، گلاب شاہ بابا، ماموں بھانجے عطر والے بابا کے مزارات بھی یہاں موجود ہیں۔ تخت رائے جی میں رگھوناتھ جی کا

ایک مندر بھی ہے جہاں آج بھی پوجا ہوتی ہے اور مزاروں پر عقیدت مندوں کی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔

اٹھارویں صدی کے اختتام کی تاریکیاں

سترھویں صدی ہندوستان میں مغل سامراج کی آخری صدی تھی۔ ۱۷۰۷ء میں عالمگیر کی وفات کے بعد ہی مغل سلطنت کا زوال شروع ہوگیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب انگریزوں اور فرانسیسیوں کی ہندوستان میں آمد شروع ہو چکی تھی۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی مشہور جنگ کے بعد میسور کے سلطان ٹیپو، مراٹھوں اور نظام حیدرآباد کی آپسی کشمکش شباب پر تھی۔

اٹھارہویں صدی کی آخری دہائیاں اور انیسویں صدی کی ابتدا تمام ہندوستانی عوام کے لیے بدقسمتی کا زمانہ تھی۔ یہ عہد امن و امان سے دُور دہشت اور ہنگاموں کا عہد تھا۔ ہر طرف امن و بھائی چارگی کا جنازہ نکل رہا تھا۔ بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدیداران اور ملازمین عوام کو پائمال کر رہے تھے۔ مغل سلطنت کی انتظامی گرفت کمزور ہوتی جارہی تھی۔ انگریز اور فرانسیسی دونوں غیر ملکی قومیں ملک پر اپنی گرفت کا علاقہ بڑھاتی جارہی تھیں اور ان کی کوشش مزید جاری تھی کہ وہ ملک پر اپنا پرچم لہرائیں۔

مراٹھوں میں سندھیا، ہولکر بھونسلے، گائیکواڑ اور پیشوا بھی اپنی گرفت کے علاقوں کی توسیع کی مہم چلا رہے تھے۔ حیدرآباد کا نظام انگریزوں کا حمایتی بن بیٹھا تھا اور سلطان میسور کو اپنی ضمیر پرستی کی بہت بڑی قیمت چکانی پڑی تھی۔

اسی دور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قیادت میں سکھوں کی ایک مضبوط ریاست تقریباً

قائم ہو چکی تھی۔ اس لیے انگریز خود مہاراجہ رنجیت سنگھ سے دوستی چاہتے تھے۔ رنجیت سنگھ کی طاقت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا رہا تھا کہ انگریزوں نے سر چارلس میٹکاف کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں بھیج کر ۱۸۰۹ء میں بڑی کوششوں کے بعد لاہور معاہدہ مکمل کیا۔ رنجیت سنگھ سے انگریزوں نے اس لیے دوستی کرنا ضروری سمجھا تاکہ انھیں گنگا جمنا کے میدان کی طرف توسیع سے باز رکھیں اور وقت آن پڑے تو روس کے حملوں کا مقابلہ سکھوں کی ذمہ داری میں دیدیا جائے۔

گورکھوں کی سلطنت نیپال میں قائم تھی۔ انگریزوں نے ان کو بھی شکست فاش دی اور ان کے کئی علاقے اپنی ریاست میں شامل کر لیے تھے۔ مدراس اور کرناٹک کا علاقہ مکمل طور پر انگریزوں کی سلطانی میں تھا۔ اس کے علاوہ بنگال اور بہار کے علاقوں میں بھی انگریزوں کی عملداری شروع ہو چکی تھی۔

کاٹھیاواڑ، راجپوتانہ اور مدھیہ پردیش کی زمینیں مہاراج ہولکر کے اثر میں تھیں۔ مہاراجہ سندھیا نے دہلی پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی لیکن ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے مغل بادشاہوں کے اختیارات سلب کر لیے تھے اور انھیں معمولی پنشن کا مجبور بنا دیا تھا۔

مدھیہ پردیش اور راجستھان کے علاقے مراٹھوں، پنڈاریوں، پٹھان لٹیروں کا شکار ہونے لگے تھے۔ مغل شہنشاہ کے ہاتھ میں اختیاراتِ اقتدار کی لگام ڈھیلی ہو چکی تھی اور اسی وجہ سے مذکورہ علاقوں کی بدعنوانیوں کو دور کرنا ان کی دسترس سے باہر ہو چکا تھا۔ وہ مجبور ہو چکے تھے۔ راجستھان کے راجہ کی طاقت بھی تقریباً ختم ہو چکی تھی اور راجاؤں یا بادشاہوں اور نوابوں کی زندگی اپنے محلات کی رنگینیوں میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔

حکمرانوں کے ایسے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے منشی دیوی پرشاد نے لکھا ہے:

> ”کسی نے بھی اپنی ریاست کا اس سرے سے اُس سرے تک دورہ نہیں کیا ہو گا، نہ معلوم کیا ہو گا اپنی رعایا سے کہ وہ زندگی کی کن پریشانیوں میں مبتلا ہے؟ کسی نے دریافت نہ کیا ہو گا کہ ہمارے اہل کار اور حاکم تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ تم سے لگان کتنا وصول کرتے ہیں۔ شیر اور خنزیر

کی تلاش میں تو اپنے ملک کے اجڑے جنگلوں میں نظریں جمائے اِدھر اُدھر غور سے دیکھا ہوگا پر یہ کبھی نہیں ہوا کہ ان جنگلوں میں کہیں سے پانی کی سبیل کریں اور گھاس پھوس کی جگہ گیہوں اور جوار کے سبز کھیتوں سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکیں۔ میلے اور تماشوں کے شوق میں تو کئی مرتبہ بازاروں میں بن ٹھن کر نکلے ہوں گے لیکن ویسے کبھی عوام کی خبر گیری کے لیے محلوں سے باہر قدم نہ رکھا ہوگا۔

ڈوم، ڈاڑھی، رنڈی اور بھڑوؤں کو تو جبراً بلا کر دو دو، چار چار پہر ان کے رقص اور مجرے سے لطف اندوز ہوتے رہے ہوں گے مگر کبھی دربار میں جلوہ افروز ہو کر دو گھڑی کو رعایا کی فریاد نہ سنی ہوگی۔"

اس زمانے میں اپنی عیش گاہ میں راجستھان کے راجاؤں نے جیسے خود کو مقید یا نظر بند کر لیا تھا۔ مہینوں گزر جاتے مگر وہ اپنی خواب گاہوں سے باہر نہ نکلتے۔ اور اگر نکلتے تو سارا وقت شکار، پولو، کشتی کے دنگلوں، ہاتھیوں کے مقابلوں، برطانوی کتوں کے تماشوں اور انگریزی رقص و سرود میں گزارتے تھے۔ حالانکہ ان راجاؤں نے لٹیروں قزاقوں سے عوام کی حفاظت کے لیے اچھی خاصی رقمیں بھی خرچ کرنے کا ایک سلسلہ چلایا لیکن دولت و ثروت کے لالچی قزاق دہشت گردی سے باز نہ آئے۔ ان قزاقوں میں پٹھانوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور ان میں پنڈاری بھی شامل تھے۔ ان کے سردار نواب امیر خاں نے نہایت ہی چالاک اور عقلمند طاقت کی حیثیت سنبھال رکھی تھی۔ انھوں نے راجستھان میں ڈھونڈھار علاقے میں اپنا کمال زیادہ دکھایا تھا۔ ان سے ہوئے جان و مال کے نقصان کا صحیح اندازہ لگانا آج بھی ناممکن ہے۔

امیر خاں نے اس وقت کئی خوفناک اور دہشت آمیز جنگیں کی تھیں۔ ان جنگوں کی بربریت ظلم اور تشدد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت ایک عجیب و غریب محاورہ وجود میں آگیا تھا یعنی جب کسی کے غائب ہونے کی خبر کوئی کسی سے پوچھتا یا کسی سے دو چار دن تک ملاقات نہ ہونے پر اس کی خیریت دریافت کرتا تو مذاقاً یا مزاحاً کہتے: "وہ! ـــ وہ تو امیر خاں کی جنگ میں مارا گیا۔"

ٹونک کے
نواب امیر خاں پنڈاری نہیں تھے

پنڈاری تاریخ میں ایک مخصوص قبیلہ کو پکارا گیا ہے۔ ان کی شناخت تھی کہ وہ ظالم، سنگ دل، قزاق اور بربریت کے علمبردار ہوں گے۔ ان کی ذات ورن شنکر کہلاتی تھی۔ پنڈ نام کی شراب کا زیادہ مقدار میں استعمال کرنے والے مذکورہ ذات کے اشخاص پنڈاری پکارے گئے۔ ابتدائی دور میں ان لوگوں نے پوری ایمانداری کے ساتھ اپنی زندگی گزاری۔ محنت مشقت کرتے اور اپنے خاندان والوں کے پیٹ کی آگ بجھاتے۔ مزدوری کے طور پر اپنے ٹٹوؤں کے اوپر اناج، چارہ، لکڑی لاد کر اِدھر سے اُدھر پہنچاتے۔ ان چیزوں کے لیے ایک مخصوص منڈی ہوا کرتی تھی جسے پنڈارا بازار کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ علاقے کی بہت بڑی منڈی تھی۔

پروفیسر ولسن رقمطراز ہے کہ :

"عام طور پر پنڈاری لوگ بہادر ہونے کے علاوہ ایماندار اور وفادار بھی ہوتے ہیں۔ وہ جن گاؤں سے گزرتے ہیں اپنے اخلاق و اطوار کی وجہ سے مقبول ہوتے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں کے باشندے ان کے خلاف کسی قسم کی مخبری گناہ سمجھتے ہیں اور پنڈاریوں کے دشمن کی امداد کو کبھی آگے نہیں آتے۔"

تلوار اور بھالے ان کے مخصوص اسلحے تھے۔ جبکہ ان کے گروہ میں ہر پندرہ اشخاص کے حفاظت کے لیے ایک بندوق ضرور ہوتی تھی۔ نیچ

برطانوی مورخوں نے غالباً آخری دور میں پنڈاریوں کی فطرت کو سامنے رکھ کر یہ جملہ معترضہ استعمال کیا ہے۔ جبکہ اول وقتوں میں انھیں مراٹھوں کے ترقی پذیر جنگی طریقوں کا ضروری حصہ

تسلیم کیا جاتا تھا۔ شواجی کے عہد میں غیر تنخواہ دار معاونین کا ایک مخصوص طبقہ ہوا کرتا تھا جس کا تعلق ——— تمام حکمرانوں کے کسی نہ کسی لشکر سے یقینی طور پر ہوا کرتا تھا۔ انھیں کوئی تنخواہ یا اجرت نہیں ملتی تھی لیکن ان کے سلسلے میں یہ امید کی جاتی تھی کہ یہ دشمن ریاستوں میں قزاقی سے اپنا گزارہ کرلیں گے۔

مغلیہ شہنشاہیت کے عہدِ زوال کی ابتدا مخصوص طور پر اورنگ زیب کے دورِ حکومت کے اواخر میں پنڈاریوں کو ترقی میسر ہوئی۔ ان کا مخصوص کام ہوا کرتا تھا جنگ کے اختتام کے بعد میدانِ جنگ سے مالِ غنیمت جنگی ساز و سامان اور خیموں میں موجود دولت جاہ و جلال پر قبضہ کرنا اور باقی دشمنوں کو ختم کرنا۔

ان لوگوں کے قبیلہ میں کوئی مذہبی پابندی عاید نہیں تھی۔ جو بھی بے روزگار ہوتا ایسے گروہ میں شامل ہو جاتا تو مکمل طور پہ تاخت و تاراج تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان میں بے لگام گھوڑ سواروں کی تعداد بڑھتی گئی اور موقع غنیمت جان کر سندھیا اور ہولکر خاندانوں نے خاص طور پر ان کی سرپرستی فرمائی۔ ضرورتاً یہ فوجی مہم میں بھی شامل کر لیے جاتے تھے۔ مراٹھا حکمرانوں نے ہمیشہ انھیں اپنے لشکر کے خیموں میں رہائش کی سہولتیں فراہم کیں۔ لیکن مراٹھوں نے بدلے میں ہمیشہ ان سے مالِ غنیمت واپس بھی لیا۔ یہ پنڈاری قزاق مختلف گروہوں میں منقسم رہتے تھے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دور دراز کے علاقوں تک رہزنی . . . . کرنے سے کبھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔

پنڈاریوں کی تعداد میں اضافہ اور عظیم قزاقی ؏

انگریزوں سے ہوئی جنگ اور معاہدوں کے نتیجہ میں مراٹھوں اور سرمایہ دار زمینداروں کی طاقت جب اور جیسے جیسے کم ہوتی گئی ویسے ویسے ان کی روزانہ کارکردگی کے علاقے محدود ہوتے چلے گئے اور ان کی نکالی گئی فوجی سپاہ پنڈاریوں کے گروہ میں شامل ہوتی رہی۔ وسط زمانی ہنگامی عہد میں جب مراٹھوں کو انگریزوں نے نیست و نابود کر دیا تو طیش میں آکر پنڈاریوں نے انگریزی علاقوں پر حملے شروع کر دیے۔ ان کے حملوں کی

بربریت اور ظلم سے انگریز پریشان ہو گئے جس کی وجہ سے انیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں پنڈاریوں کے ارتقا میں بہت بڑی مدد ملی۔ ان کا پیشۂ خاص قزاقی تھا جس کا استعمال کر کے انھوں نے دولت جمع کرنی شروع کر دی اور ان کے کمانداروں نے تربیت یافتہ پیدل افواج کی ٹولیوں کو توپ خانوں سے لیس کر دیا لیکن یہ لوگ اکثر کھلے میدان میں جنگ سے پرہیز کرتے تھے۔

پنڈاریوں کی تباہ کاریاں

پنڈاریوں کے مخصوص اور اہم قائدین ہیرا اور بُرہان نے مہادجی سندھیا کی خوب خدمت کی تھی۔ انعام کے طور پر سندھیا نے انھیں وندھیاچل کے پہاڑی علاقوں میں واقع مالوہ میں نیماور جاگیریں عطا کی تھیں۔

ہیرا اور برہان کی موت ۱۸۰۰ میں ہوئی۔ ہیرا کے دو بیٹے دوست محمد اور واصل محمد بھی اپنے والد کے بعد پنڈاریوں کے لیڈر ہوئے۔ پنڈاریوں کے ایک دوسرے لیڈر کریم خاں نے بھی جسونت راؤ ہولکر کی مہربانیوں سے کافی ترقی حاصل کی۔ کریم خاں چمبل کے شمالی علاقے سے جنوب میں گوداوری تک قزاقی کرتا تھا۔ جب دوست راؤ سندھیا نے کریم خاں کو قید کر کے گوالیار کے جیل میں پانچ سالوں کے لیے مقید کیا تو اُس کے شاگرد رشید نامدار خاں نے دولت راؤ سے انتقام لینے کے جذبات سے محرک ہو کر ریاست کے کئی علاقوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ قید خانے سے نکلنے کے بعد کریم خاں اور نامدار خاں نے ایک دوسرے لیڈر چیتو کے ساتھ مل کر تباہ کاریوں کی نئی تاریخ لکھی۔ سنہ ۱۸۱۱ء کے دسہرے کے دن نیماور میں ان کا عظیم اجتماع ہوا۔ ۲۵ ہزار سے زیادہ افراد نے اپنے شایان شان گھوڑوں کے ساتھ اجتماع میں شمولیت .... کی اور اجتماع میں طے پایا کہ اب وہ پورے ہندوستان میں پھیل جائیں گے۔ یہیں ایک یوجنا بنی اور مختلف گروپوں کو مخصوص ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ لیکن جلد ہی دونوں میں رواداری کی کمی کے باعث اختلاف پیدا ہو گیا۔ شندے نے چیتو کو اپنا طرفدار بنا لیا اور دونوں نے مل کر کریم خاں پر حملہ کر دیا۔ کریم خاں دوبارہ قید

کر لیا گیا جس سے چیتو کا حوصلہ بلند ہوا۔ ۱۸۱۵ء میں دسہرے کے دن ہی دوست محمد اپنے ۱۸ ہزار رحمانی لشکر کے ساتھ قزاقی کی مہم پر نکلے۔

۱۸۱۵ء میں دوست محمد اور واصل محمد نے آگ زنی اور رہزنی کے ساتھ ظلم اور بربریت کا ایسا بازار گرم کیا کہ لوگ دن کو بھی گھروں سے نکلتے ہوئے ڈرنے لگے۔ اسی سال چیتو نے بھی نظام کی ریاست کو بربریت اور تشدد کے ننگے ہاتھوں تباہ کیا اور آگے بڑھتا ہوا کرشنا ندی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ قیمتی مال غنیمت اور زیورات کا بازار نیماور میں سجا۔ وہ سب تقریباً روزانہ چالیس میل کا دھاوا کرتے اور پچاس گاؤں کو تباہ کرتے۔ صرف دو سالوں میں پنڈاریوں نے انگریزوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے دس لاکھ سے زیادہ رہزنیاں صرف اسی علاقے میں کیں۔

جسونت راؤ ہولکر کے وفادار دو پٹھان سردار شاہ سلامت خاں اور امیر خاں اس کی فوج میں شامل تھے۔ ان لوگوں نے بھی پنڈاریوں کو اپنا مقلد بنا کر مالوہ اور راجستھان میں خوفناک قزاقی کی۔ جب جسونت راؤ نے ۱۸۰۲ء میں دیوالی کے دن پیشوا کو شکست دے کر پونا سے نکال بھگایا تھا، انھی دونوں بہادر سپاہیوں نے اُس کی مدد کی تھی۔ امیر خاں نے پونا اور مندسور کے تاجروں سے جبراً مال و دولت وصول کیا تھا۔ وہ اُن کی انگلی پر روئی لپیٹ کر آگ لگا دیتے تھے۔

شاہ سلامت خاں ۱۸۱۴ء میں وفات پا گئے لیکن ان کے ہم پیالہ دوست امیر خاں ریاست کی خدمت کرتے رہے حالانکہ مہید پور کی جنگ سے قبل اُنھیں یہ لالچ بھی دیا گیا کہ وہ ہولکر کی ملازمت سے مستعفی ہو کر ٹونک کے نواب کی گدی سنبھال لیں۔

(سردیسائی: مراٹھوں کا نوین اتہاس صفحہ ۵۳۴)

اسی طرح پنڈاریوں نے چیتو، کریم خاں، دوست محمد، واصل محمد، شیخ دلارے، نامدار خاں، شاہ سلامت خاں وغیرہم کی قیادت میں مالوہ، راجستھان، خاندیش اور مدراس کو خوب طبیعت سے تاخت و تاراج کیا اور سینکڑوں بے قصور اشخاص کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بیشتر کو اپنے مظالم کا شکار بنایا، زنا بالجبر کیا، مال و دولت حاصل کیا اور کئی گاؤں

میں کھڑی فصلوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

پنڈاریوں کا خاتمہ

انگریز اس عہد میں اپنی طاقت اور حکومت کو منظم کر رہے تھے اور جن علاقوں پر ان کا مکمل قبضہ تھا وہاں امن کے قیام کی کوششوں میں مصروف تھے۔ پنڈاری مراٹھا حکمرانوں اور زمینداروں کی سرپرستی میں اپنی پیشہ ورانہ مہم کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اس لیے کہ مراٹھوں کو ابھی بھی امید تھی کہ وہ پنڈاریوں کی مدد سے انگریزوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

اقتدار کے لیے مراٹھوں میں باقی ہوس کو اس وقت تک انگریزوں نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ انگریز یہ سمجھ رہے تھے کہ اگر ان کی مراٹھوں سے جنگ ہوئی تو ان کی سرپرستی میں پرورش پا رہے پنڈاری مراٹھوں کی مدد کے لیے آگے آئیں گے اور تب مراٹھوں کو شکست دینا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے انگریزوں نے پنڈاریوں کو نیست و نابود کرنے کی ایک نئی مہم کا آغاز کیا اور ان لوگوں کو بھی اپنی مہم کے حصار میں لینا شروع کر دیا جو مراٹھوں کے ہمدرد تھے۔

اس زمانہ کے گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگس جون مالکم کو پنڈاریوں کے خلاف سمجھوتہ معاہدہ کرنے کے لیے باجی راؤ پیشوا، نظام حیدرآباد اور بھونسلے کے پاس بھیجا لیکن نظام کے علاوہ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت انگریزوں نے کارنامہ یہ کیا کہ شمالی ہندوستان میں ہیسٹنگس کی ہدایت پر چارلس میٹکاف نے راجستھان کے کوٹہ، بوندی، اودے پور، جودھپور اور جے پور کے راجاؤں اور مالوہ کے ساتھ ساتھ بھوپال کے نواب سے پنڈاریوں کے خلاف ایک معاہدہ کرنے میں کامیابی حاصل کی جس کے تحت وہ تمام حکمراں پنڈاریوں کو کوئی سرپرستی دینے یا ان کی مدد لینے سے باز رہنے کے لیے مجبور ہو گئے۔

۱۸۱۷ء میں سندھیا کے ساتھ بھی ایک معاہدہ ہو گیا۔ اسی سال انگریزوں نے پنڈاریوں کے خلاف جنگ کرنا طے کیا اور معاہدوں کی رو سے متعدد حکمرانوں کو اپنی امداد کے لیے تیار کر لیا اور برطانوی لشکر کو دو بڑے حصوں میں منظم کر کے ایک ٹکڑے کو ہیسٹنگز کی قیادت میں

شمالی علاقے میں جمنا ندی کے ساحل پر تعینات کیا اور دوسرے ٹکڑے کو سر ٹامس ہسلپ کی قیادت میں جنوب کے میدان میں دریائے نرمدا کے ساحل پر کھڑا کیا۔ سیاسی موضوع پر حصول مشورہ کے لیے مالکم ہیسٹنگس کے ہمراہ اس کا سایہ بنا رہا۔ پنڈاریوں کی تعداد جو اس وقت تقریباً تیس ہزار تھی تین ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ تینوں ٹکڑوں کے لیڈر تھے جیتو، کریم خاں اور واصل محمد۔

انگریزوں کے دونوں لشکر ایک لاکھ تیرہ ہزار سپاہیوں، تین سو توپوں اور معقول جنگی سامان پر مشتمل تھے۔ (مراٹھا پر بھتو: وی۔ این۔ لونیا صفحہ ۴۰۰)

گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگس نے پنڈاریوں کے خلاف ۱۶ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو اپنی فوجی کارروائی شروع کی۔ انگریزی افواج نے پنڈاریوں کو اپنے حصار میں لے لیا جس کی وجہ سے انھیں بھاگنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ لیکن باوجود انگریزوں کی بہترین ناکہ بندی کے مقابلہ کانٹے کا ہوا اور اکتوبر میں شروع ہوئی جنگ مہینوں جاری رہی۔ کریم خاں اور واصل محمد خاں کوٹہ سے ۸۵ کلومیٹر کے فاصلے پر جھالاواڑ مورچے پر ۱۴ دسمبر ۱۸۱۷ء کو شکست فاش اور زخموں کی تاب نہ لا کر جنگلوں کی طرف فرار ہو گئے انگریز فوجیوں نے برق رفتاری سے ان کا تعاقب کیا اور واصل محمد خاں آخر کار قید کر لیے گئے لیکن قید خانے میں انھوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ کریم خاں نے اگلے برس ۱۵ فروری ۱۸۱۸ء کو جون مالکم کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اس لیے انگریزوں نے انھیں اپنے استعمال کے لیے مناسب جانا اور اُتر پردیش کے گورکھپور ضلع میں غیاث پور کی جاگیر دے کر انھیں اپنا غلام بنا لیا۔ امیر خاں نے بھی ہتھیار ڈال دیے اور بدلے میں نومبر ۱۸۱۸ء میں انھیں مشہور شہر ٹونک کا نواب بنا دیا گیا۔ اس سے قبل ۳ فروری ۱۸۱۸ کو کرنل ایڈکس کے سامنے پنڈاری لیڈر نامدار خاں نے نے گھٹنے ٹیک دیے تھے لیکن انھیں جاگیر کے بجائے کچھ گاؤں کی منصب داری سونپی گئی۔

پنڈاریوں کے عظیم قائد جیتو نے جنگ کے درمیان راہِ فرار اختیار کی تھی۔ وہ نرمدا ندی کے جنوب میں نماؤں کے جنگل میں بھاگ گئے لیکن انگریز سپاہیوں نے برہان پور کے پاس اسیر گڑھ کے گھنے اور خوفناک جنگلوں تک اُن کا تعاقب کیا اور مارچ کے مہینے کی کسی

تاریخ کو ۱۸۱۸ء میں وہ اُسی جنگل میں مار ڈالے گئے

پنڈاریوں کے خاتمہ کے بعد انگریزوں کے جاہ و جلال میں اضافہ ہوا اور زیادہ تر حکمراں جو انگریزوں سے اندر ہی اندر نفرت کرتے تھے اور انھیں کبھی بھی ختم کرنے کے لیے یا اُن کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کے لیے تیار رہتے تھے وافعتاً خاموش ہو گئے۔ دراصل پنڈاریوں کی شکست کے بعد انگریزوں کے سامنے کوئی ایسا بڑا چیلنج رہ نہیں گیا تھا جس کا سامنا کرنے سے پہلے انھیں سیاسی دانشمندی کی ضرورت پڑتی۔

جسونت راؤ ہولکر

تاریخ ریاست ٹونک سے جسونت راؤ ہولکر کا گہرا تعلق رہا ہے۔ ہولکر یہاں کے راجہ رہے ہیں ــــــــــــ اور ان کی جاگیر میں ٹونک اور رامپورا کئی بار شامل ہوا اور کئی مرتبہ باہر بھی ہوگیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جسونت راؤ ہولکر سے متعلق ایک سیر حاصل گفتگو کی جائے۔ ریاست ٹونک کے نواب اوّل امیر خاں ہولکر کے سپہ سالار، ان کے دوست اور مددگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی تاریخ ہولکر کی تاریخ ہے اور ہولکر کی قابلِ ذکر کامیابیاں امیر خاں کا کارنامہ ہیں۔

۱۸۰۶ء میں ہولکر نے امیر خاں کو ٹونک کی جاگیر عطا کی تھی۔ وارن ہیسٹینگس نے ۱۸۱۷ء میں معاہدہ کرنے کے بعد ہولکر کے قبالۂ عطائینامہ پر آخری مہرثبت کی تھی۔

جسونت راؤ کے آباؤ اجداد پونا سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر جیجوری کے نزدیک ہول نام سے مقبول ایک گاؤں کے باشندے تھے اس لیے پورا خاندان ہولکر پکارا گیا۔ خاندان کے اعلیٰ مرتبت شخص کا نام ملہار راؤ ہولکر تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ اٹھارویں صدی کی آخری دہائی مراٹھا ریاست کے لیے بدقسمتی کا پیغام لے کر آئی تھی۔ اسی دہائی میں مراٹھا ریاست مابین سازشوں، معمولی مفادات اور کارکردگی کا شکار ہوئی صاحبانِ لیاقت کی نسل ختم ہو رہی تھی اور نالائق اوباش جہلا برسرِاقتدار آتے جا رہے تھے۔ پیشوا مادھو راؤ دوئم کئی دنوں کی مسلسل علالت کے بعد، ۲۷ اکتوبر ۱۷۹۵ء

کو ایک حادثہ کا شکار ہو کر سرائے فانی سے کوچ کر چکے تھے جو ہندوستان کی مراٹھا طاقت کا مرکزی نکتہ تھے۔ اس سے قبل ہولکر نسل کی عظیم مراٹھا حکمراں عورت اہلیا بائی اور مہادجی سندھیا جیسی سیاسی طاقتیں ایک مضبوط راجہ کی طرح عوامی مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔

سندھیا ریاست کا وارث دولت راؤ سندھیا تھے جو کم نظری اور غیر دانشورانہ رویوں کے لیے بدنام تھے۔ مہادجی کی تین بیوائیں تھیں لکشمی بائی، جمنا بائی اور بھاگیرتھی بائی۔ یہ تینوں عورتیں بھی ایک منفرد طاقت کی حیثیت رکھتی تھیں کیونکہ مہادجی کے تجربہ کار بہادر مقلدین واقعتاً ان عورتوں کے لیے عقیدت مند تھے۔ پیشوا کے خالی سند پر قبضہ کے لیے بہتیرے دنوں تک مخصوص اور اہم مراٹھا سرداروں کے درمیان ملاقاتوں، عوامی نشستوں اور سازشوں کے دور چلتے رہے۔ آخر ش دولت راؤ کی مدد سے باجی راؤ دوئم سن ۱۷۹۶ء میں پونا میں بطور پیشوا مسند نشیں ہوئے۔ (تہاسک ایک سنگرہ اکھارے جلد ۹ صفحہ ۲۵ ۹ م)

کم نظری اور بے وقوفی میں باجی راؤ دوئم دولت راؤ سندھیا سے کسی درجہ کم نہیں تھے مراٹھا ریاست کے لیے یہ بدقسمتی کی نشاندہی تھی کہ دو اہم عہدوں پر مسند نشین اشخاص ناتجربہ کار تھے جو مراٹھا طاقت کی تنزلی کے ذمہ دار ثابت ہوئے۔ حالانکہ ان دونوں میں گہری دوستی قائم ہوگئی تھی اور دونوں ہی عیش و عشرت میں اپنے آباؤ اجداد کی دولت اور اپنا قیمتی وقت برباد کرنے لگے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب انگریز بنگال پر اپنا خونی پنجہ جما چکے تھے اور شمال جنوب علاقوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ تلخ حقیقت ہے کہ جب حالات ناسازگار ہو جاتے ہیں تو وہ خود کا علاج بھی تلاش لیتے ہیں۔ اس کی بہتر مثال جسونت راؤ ہولکر کا طلوع ہے۔ جب ۱۷۹۵ء میں اہلیا بائی کی وفات کے بعد تکوجی ہولکر نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ کافی ضعیف ہو چکے تھے اور دو سال کے چھوٹے سے عرصہ کے بعد ۱۵ اگست ۱۷۹۷ء کے دن ان کی موت واقع ہوگئی۔

(سردیسائی: مراٹھوں کا نوین اتہاس جلد ۳ صفحہ ۳۵)

ہولکر کی بدقسمتی کا زمانہ یہیں سے شروع ہوا۔ تکوجی کے چار بیٹے تھے۔ کاشی راؤ، ملہار راؤ دوئم، جسونت راؤ اور بیٹھوجی۔ ہولکر خاندان کو جیسے کسی نے شراب پینے کی بددعا

دے دی تھی۔ ان شراب نوش مالکوں کے حالات کو عوام سے پردہ میں رکھنے کے لیے صرف ان کے برہمن وزیر تھے جو نہایت ہی وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے سلطنت کا نظام چلارہے تھے۔ جسونت راؤ اور بیٹھوجی سے متعلق ایک عام رائے ہے کہ وہ بہادر اور بلند حوصلہ انسان تھے جبکہ تکوجی کا شہزادۂ اوّل کاشی راؤ نہایت کند ذہن، کاہل اور معذور تھا لیکن اقتدار کا حقیقی وارث تھا۔

(سردیسائی: مراٹھوں کا نوین اتہاس، جلد ۳، صفحہ ۲۵۲)

دوسرا ملہار راؤ دوم تھے جنھیں پرلے درجے کا گنوار گردانتے تھے۔ غرور کے نشے میں چور ان کا سر ہمیشہ تنا رہتا۔ تشدد اُن کا شوق تھا اور قتل و غارت گری کرتے ہوئے کبھی نتیجہ کی فکر نہیں کی۔ اچھے مشوروں سے اُنھیں نفرت تھی۔ شراب نوشی اور رہزنی میں وہ اپنی مثال آپ تھے چونکہ اُن کا کوئی علاج ممکن نہ ہوا اس لیے وہ شہزادگی سے اُتر کر ان پنڈاریوں سے جا ملے جو ہولکر کی فوج کے ستون مانے جاتے تھے۔ لاکھیری کی لڑائی میں اُن کی کند ذہنی اور بد اخلاقی کی وجہ سے اُن کے والد کے چہیتے وزرا کو پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

(مغل سامراج کا پتن، چوتھی جلد، صفحہ ۳۱۱ مصنف سر یدو ناتھ سرکار)

تکوجی کے تیسرے فرزند جسونت راؤ کا مزاج بھی مجنونانہ تھا جو نشیلی چیزوں کے استعمال سے اور بھڑکا۔ لیکن وہ غیر معمولی طور پر بلند حوصلہ شخص تھے اور ان میں وسائل مہیا کرنے کی بے انتہا طاقت پوشیدہ تھی۔ وہ خطروں کا سامنا ہنستے ہوئے کرلیا کرتے باوجود اس کے اس شخص میں ذہانت اور فراخ دلی کی حد درجہ کمی تھی۔ سب سے چھوٹا بیٹا بیٹھوجی بھی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جس کی وجہ سے اُنھیں بھی ناکارہ بنائے رکھا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر انھوں نے ڈاکے ڈالنے شروع کردیے۔

تکوجی ہولکر کی وفات کے بعد ہولکر خاندان کی وراثت کے اہم مسئلے پر دولت راؤ سندھیا اور پیشوا باجی راؤ کی دخل اندازی سے جو حالات پیدا ہوئے وہ رفتہ رفتہ دشمنی کی حدیں پار کرگئے۔ تکوجی کی وفات کے وقت ان کے سبھی فرزند جنوبی علاقے میں تھے اور

خاندانی وراثت کے موضوع پر پیشوا سے ملاقات کے منتظر تھے۔ اسی دوران کاشی راؤ نے ایک بے وقوفی بھرا راستہ اپنایا۔ انھوں نے وراثت کے موضوع پر دولت راؤ سندھیا کو پانچ لاکھ روپے دینے کا وعدہ کرکے اس کی حمایت اپنے حق میں حاصل کر لی۔

(ہولکر شاہی بیا اتیہاس چیں ساگھنیں۔ جلد ۲ صفحہ ۸)

سندھیا نے ہولکر خاندان کو تباہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اس لیے اُس نے پیشوا سے مل کر کاشی راؤ ہولکر کو ریاست کا وارث اعلان کروا دیا۔ کاشی راؤ اب پیشوا کی پناہ میں آگیا۔ اس ماحول میں تکوجی کے تینوں بیٹے نہ صرف سندھیا کے بلکہ پیشوا کے خلاف بھی کھڑے ہو گئے۔

ملہار راؤ دویم کا قتل

دولت راؤ سندھیا نے پیشوا کی حمایت حاصل کرنے کے بعد ہولکر خاندان کے وجود تک کو دفن کرنے کی ایک اسکیم بنائی۔ پرانی روایتوں کے مطابق شمالی ہندوستان کی لوٹ میں دونوں (سندھیا و ہولکر) خاندان ہی حصے دار تھے۔ مہادجی سندھیا نے اس روایت کو ختم کر دیا تھا جس کی وجہ سے تکوجی اور اہلیا بائی سندھیا سے ناراض تھے اور انصاف کے لیے ہمیشہ پیشوا کے طالب ہوا کرتے تھے۔

لیکن پونا میں واقع پیشوا کا دربار ہولکر خاندان کو لگاتار نظرانداز کرتا رہا۔ تکوجی نے ایک خط میں پیشوا سے درخواست بھی کی تھی کہ میں نے بھی مراٹھا ریاست کی اتنی ہی خدمت کی ہے جتنی مہادجی نے۔ جب مہادجی شمال میں اپنی سرحدوں کی توسیع کر رہے تھے اُس وقت میں جنوب میں مقیم ہو کر آپ کی حکمرانی کو اپنی وفاداریوں سے سینچ رہا تھا۔ شمال میں میری غیر حاضری میں سندھیا تنہا فائدے حاصل کرتا رہا اور جے پور و میواڑ میں داخل ہو کر میرے مفادات کو مٹی کرتا رہا۔

(چندر چڑ دفتر (آپٹے) جلد۔ ۲ خط کا شمار نمبر۔ ۳)

اس کے باوجود پیشوا اس موضوع پر خاموش رہا۔ سندھیا کا مشیر خاص اُس کا خسر

شراجی راؤ گھاٹگے تھا جو بہت ہی مکروہ ذہن اور سازشی شخص تھا۔ اس نے ملہار راؤ کے قتل کی سازش تخلیق کی۔ ملہار راؤ نہایت ہی بلند حوصلہ اور بہادر انسان تھا۔ سازش کے زمانہ میں مہادجی سندھیا کی تین عدد بیویاں ادھر اُدھر فرار ہوتی رہتی تھیں۔ دولت راؤ سندھیا ان کا بھتیجا تھا اور وراثت میں شہہ نشین ہوا مگر ان تینوں بیوہ عورتوں کو گزارے کی رقم بھی دینے سے گریز کرتا تھا۔ ملہار راؤ نے مہادجی کی تینوں بیواؤں کی حمایت کردی۔

(سردیسائی۔ مراٹھوں کا نوین اتہاس، جلد۔۳ صفحہ۔ ۳۵۲)

اس کے علاوہ ملہار راؤ نے نالائق پیشوا کو ہٹا کر لائق شخص کو پیشوا بنانے کے اپنے خیال کو مشتہر کرنا شروع کردیا۔ اس دوران ملہار کو اس خیال کی مخالفت اور دشمنوں کی سازش کا احساس بھی ہوا۔ ۴ ستمبر ۱۷۹۶ء کی شب کو ملہار راؤ ہتھیاروں سے سج دھج کر دشمنوں کا منتظر بھی رہا۔ (پونا رے پتر و یوہار۔ جلد۔۶ صفحہ ۴۵)

تمام شب انتظار بغیر کسی حادثے کے گذر گئی۔ لیکن علی الصبح جیسے ہی وہ سونے گیا سندھیا کے بھیجے گئے قاتلوں نے اچانک اُس کے خیمے پر حملہ کردیا اور بھالے سے اُس کے سینے میں کئی سوراخ کردیے گئے۔ ملہار راؤ وہیں فوراً مرگیا۔ اس حملے میں ملہار کے ـــــــ پندرہ دوسرے وفادار دوست بھی ہلاک ہوئے اور بہیں جاں نثار مجروح ہوئے۔

(واقعہ ہولکر، بھوانی شنکر کی ڈائری، صفحہ ۲۲۔۲۱)

ملہار راؤ کی دونوں بیویاں جی جی بائی اور جمنا بائی قید کرلی گئیں۔ جی جی بائی اُس وقت حاملہ تھیں۔ قید خانے میں کچھ دنوں کے بعد انھوں نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا جس کا نام کھانڈے راؤ رکھا گیا۔ یہ سارے حادثے پونا میں ہوئے اور پیشوا خاموش تماشائی بنا رہا۔ اس سازش کی نظامت شری راؤ گھاٹگے کررہا تھا۔ کاشی راؤ برائے نام شامل تھا اس لیے کہ پیشوا سندھیا کی پناہ میں تھا۔ لیکن اس موقع پر اُس کے دونوں بھائیوں جسونت راؤ اور بیٹھو جی نے خود کے حوصلے بلند رکھے۔

جسونت راؤ کا فرار ہو جانا

ملہار راؤ کے قتل کے بعد جسونت راؤ کسی طور خیمہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے، دشمنوں نے اُن کی بیوی اور بیٹی کو قید کر لیا۔

(واقعہ ہولکر بھوانی شنکر کی ڈائری صفحہ ۲۲)

بڑی مصیبتوں کے بعد جسونت راؤ ناگپور کے راجہ رگھوجی بھوسلے کی پناہ میں پہنچے لیکن جلد ہی سندھیا اور پیشوا کے اشارے پر اُنھیں قید کر لیا گیا۔

(ہولکر شاہی چیا اتہاس چیں سادھیں۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۰)

گرفتاری کے بعد اُنھیں چھ مہینے تک قید خانے میں رہنا پڑا۔ لیکن ۹ اپریل ۱۷۹۸ء کو جسونت راؤ کسی طور قید خانے سے فرار ہونے میں پھر کامیاب ہوئے تاپتی اور نرمدا ندیوں کے جنگلی علاقوں میں خاک چھانتے ہوئے اُن کی ملاقات بھوانی شنکر نامی ایک شخص سے ہوئی۔ جسونت کو ایک وفادار خادم اور مشیر ملا جس نے بعد میں خوشی اور غم کے وقت اُس کا ساتھ دیا۔ جنگل سے نکلنے کے بعد دونوں کی مشترکہ کوششوں سے ایک فوج کا وجود بنا اور دونوں اُس فوج کی مدد سے شمالی خان دیش میں لوٹ مار کرنے لگے۔

(مالکم۔ اے میائر آف سینٹرل انڈیا جلد۔۱ صفحہ ۱۹۸)

جسونت راؤ میں خود اعتمادی اور جوانمردی کی کمی نہیں تھی۔ وہ بڑے بڑے خواب دیکھا کرتے تھے اور اب ان کا مقصد بھا روایتی دشمنوں سے انتقام لینا اور اپنے بھائی کی مقید بیوی اور بیٹی کو آزاد کرانا۔ جسونت راؤ کو تعجب خیز کامیابیاں ملیں۔ خان دیش اور مالوہ کو اپنی کارکردگی کا علاقہ بنانے کے بعد وہ بڑوانی، دھرم پوری اور دھار کے راستے اپنے بھائی کاشی راؤ کی ریاستی سرحد پر واقع دیپال پور نامی جگہ پر جا پہنچے سندھیا اور پیشوا پونا میں بیٹھے بیٹھے ان کے لیے دشواریاں کھڑی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے دھار کے حکمراں کو متنبہ کر دیا کہ وہ جسونت راؤ کو پناہ نہ دے۔ لیکن اس وقت تک راؤ نے خوب دولت جمع کر لی تھی اور سیکڑوں سوار نوکر رکھ لیے تھے۔

انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے راؤ آخر کار مالوہ میں سندھیا کے صوبوں کو آزادانہ طور پر لوٹنے لگے اور کاشی راؤ سے کھانڈے راؤ کو چھین لینے کے لیے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔

کھانڈے راؤ ملہار راؤ کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس لیے جسونت راؤ نے اعلان کر دیا کہ کھانڈے راؤ ہی ہولکر خاندان کے صحیح وارث قرار دیے گئے ہیں اور خود کو کھانڈے راؤ کا سرپرست مشہور کر دیا۔ یہاں تک کہ شاہی مہر کی جگہ انھوں نے کھانڈے راؤ کے نام کا استعمال بھی شروع کر دیا۔

جسونت راؤ کا یہ قدم اتنا شاندار قدم ثابت ہوا کہ ان کی فوجی کارروائیاں بامقصد ثابت ہوئیں۔ اس حکمت عملی سے ہولکر خاندان کے قدیم خادم اور مقلدین جسونت راؤ کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اثر قبول کرنے کے بعد کئی بہادر اور جرائم فطرت کے لوگ بھی ان کی ملازمت میں آ گئے جن میں جمال خاں، باری حسین اور مہربان سنگھ وغیرہ کے نام مخصوص طور پر آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

اپنی فوجی طاقت کے بھروسے پر جسونت راؤ نے اپنے خاص رقیب دولت راؤ سندھیا کے ریاستی علاقے میں حملہ اور لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس میں انھیں ہمیشہ کامیابی ملی جس سے خوش ہو کر وہ اس قدر آگے بڑھے کہ مالوہ کے علاوہ وسط ہندوستان میں وہ ابھری طاقت کی علامت بن گئے۔

بہ قول بھوانی شنکر جس طرف جسونت راؤ کی فوج رخ کرتی فتح اس کے قدم چومنے کو خود بہ خود آگے آتی۔

جسونت راؤ نے کھانڈے راؤ کو سامنے رکھ کر اس کے نام پر عوامی حمایت حاصل کر لی اور تب — اپنے آبائی صوبے پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جنگل کے لٹیرے قبیلے پنڈاری اور گراسیا اب تک اس کے پاس سمٹ آئے تھے۔ جن تنخواہدار افغان سپاہیوں کو دوسرے راجاؤں نے نکال دیا تھا وہ بھی جسونت کی فوج میں آکر شامل ہو گئے جس میں پٹھان بہادر امیر خاں تھے جو میدانِ سیاست اور میدانِ جنگ میں ایک قابلِ فخر

سپہ سالار تھے۔

خان دیش میں جسونت راؤ کے پہلے معاونین کھرلا کے جھجار نائک اور سیکھلا کے گوردھن نائیک بھیل سردار اور ان کے راجپوت مالک کرانی کا داہنا ہاتھ تھے اس نے چھ سو عرب اور سندھی تنخواہ دار نوکر اور ہزاروں تیر انداز بھیل ان کے جھنڈے کے نیچے جمع کر رکھے تھے اسی طرح طاقت حاصل کرنے کے بعد اس نے اس صوبہ میں کاشی راؤ کے کئی گاؤں کو اتنی کامیابی کے ساتھ تاخت تاراج کیا کہ ناگپور کے قید خانے سے فرار ہونے کے تین ماہ بعد ہی فتح گڑھ کی برطانوی ریجمینٹ کی توجہ اس کی کارکردگی پر مرکوز ہوگئی۔ اس کے فوراً بعد ہی دھار کے راجہ آنند راؤ پنوار نے اس کو اپنے یہاں ملازمت دیدی۔ پنوار کے مرحوم والد کا وزیر اس کی ریاست پر نگاہ رکھتا تھا اس لیے وہ پنوار کے خلاف بغاوت کر رہا تھا۔ حالانکہ وزیر کو نکال بھگانے میں پنوار نے کامیابی حاصل کرلی لیکن ہولکر کو روپے دینے کے وعدے سے مکر گیا۔

دریائے نرمدا کے شمال میں مالوہ کی ریاست جسونت راؤ کے نام سے خوف زدہ ہو رہی تھی۔ انھوں نے دیپال پور سندھیا کے اندرونی پرگنوں کو تاخت و تاراج کیا اور انھیں کامیابیوں کو حاصل کرنے میں دشواریاں نہیں ہو رہی تھیں۔ بھوانی شنکر کی تحریر ہے۔ "جسونت کی فراخ دلی کا ذکر دور دراز تک جب پھیل گیا تو لوگ اس کا فائدہ اٹھانے بھی آنے لگے۔ ضلع بھوپال سے امیر خاں نے بھوانی شنکر کو خط لکھا اور گذارش کی کہ انھیں جسونت راؤ کی فوج میں شامل کرلیا جائے اور فوج کی سجاوٹ کے لیے پانچ ہزار روپے کا عطیہ منظور کیا جائے۔ گذارش کی منظوری کے بعد وہ ہولکر کی پناہ میں آگئے جس کے بعد جسونت راؤ کی فوج میں دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیدل کی طاقت ہوگئی۔ حالانکہ جسونت راؤ کی ایک آنکھ پر گولی لگنے کی وجہ سے وہ ایک آنکھ سے معذور ہو گئے لیکن ان کے اخلاق و اطوار اور ان کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

سب سے پہلے جسونت راؤ کا مقابلہ کاشی راؤ کی فوج سے کترا وت کے نزدیک ہوا۔ فرانسیسی سپہ سالار ڈوڈریس کو جسونت راؤ نے بری طرح شکست دی۔ اس فتح کے بعد وہ

مہیشور پہنچے اور اپنی تاجپوشی کروائی۔ اُن کا بھائی کاشی راؤ ابھی بھی اپنی ریاست میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ پونا میں دولت راؤ سندھیا اور باجی راؤ کی مہربانیوں پر زندہ تھا لیکن وہیں سے جسونت راؤ کو دھمکی بھرے خطوط بھیجتا رہا لیکن اس کی داخلی جنگ بند نہیں ہوئی۔ کاشی راؤ کے سپہ سالار ڈوڈرلیس نے دوبارہ اپنی طاقت جمع کی اور چولی نامی علاقے میں اُس نے جسونت کو شکست دینے میں کامیابی حاصل کر لی۔

غالباً جسونت راؤ کی یہ پہلی شکست دی جس نے اُن کو مزید حوصلہ مند بنایا کیونکہ جلد ہی انھوں نے دوبارہ ہمت کی اور ڈوڈرلیس کو وندھیہ (ہماچل) کی ٹیڑھی میڑھی خطرناک پہاڑیوں میں شکست فاش دی اور ایک فاتح کے طور پر اندور میں داخل ہوئے اب اُن کے حالات بہت مضبوط اور مستحکم ہو چکے تھے۔ جسے محسوس کرتے ہی اُنھوں نے راجپوتانہ اور مالوہ کے سندھیا اثرات والے علاقوں پر قبضہ کرنے کا ایک سلسلہ چلایا اور سندھیا کی ریاست پر بھی حملہ کر دیا۔

لکوا دادا شمالی ہندوستان میں مہادجی کی بیواؤں کا لیڈر بن گیا تھا۔ اپریل ۱۷۹۹ء میں اُس نے جسونت راؤ سے عرض کیا کہ وہ بھی اس میں شامل ہو جائے۔ پھر اُس نے انھیں دولت راؤ سندھیا کے دارالسلطنت پر حملے کے لیے اکسایا۔ اُس وقت چونکہ کوئی محافظ دستہ نہیں تھا اس لیے ہولکر نے شہر کو اپنے حصار میں لے لیا اور شہریوں کو کھنڈنی دینے کے لیے مجبور کیا۔ جون میں جسونت راؤ نے بالا راؤ انگلے کو اُس کی فوج کے ساتھ سوا لاکھ روپے ماہانہ پر اپنی پناہ میں ملازم تقرر کر لیا۔ اس کے بعد جسونت نے کوٹہ صوبہ پر ٹیکس لگایا اور ساگر صوبہ کو تاخت تاراج کر ڈالا۔

ولیم گارڈنر ایک اعلیٰ خاندان اسکاچ تھا جس نے کمپنی کی ملازمت کو خیرباد کہہ کر حیدرآباد میں نوکری کر لی تھی۔ ہاڑا ریاست کے خاتمے کے بعد اُس نے جسونت راؤ کی خدمت قبول کر لی۔ ولیم کو ایک بریگیڈ کھڑی کرنے کے لیے اندور روانہ کر دیا گیا۔ حالانکہ ابھی اُس کی ڈیڑھ بٹالین فوج ہی کھڑی ہو پائی تھی کہ اُسے مہیشور جا کر سندھیوں کی فوج سے مقابلہ کرنا پڑا۔ گارڈنر کو شکست ہوئی اور وہ خود قید کر لیا گیا لکوا دادا جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا

کیا گیا ہے مہادجی کی بیویوں کی حمایت میں کھڑا ہو چکا تھا دوبارہ ان کا ساتھ چھوڑ کر دولت راؤ سندھیا کے ساتھ آملا تھا اور میواڑ میں اُس نے لوگوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا ــــ جسونت راؤ نے اس وقت ڈوڈریس کو اپنی پرانا، ٹونک اور رامپورہ کی جاگیروں کو واپس چھین لینے کے لیے راجپوتانے میں تعینات کر دیا تھا۔ ان میں سے ٹونک اور رامپورہ کانتی راؤ کے کارکن کرپال سنگھ کے قبضے میں تھے۔ وہ ڈوڈریس کا حکم نہیں مانتا تھا لیکن لکوانے رامپورہ چھین کر ۱۳ مارچ ۱۸۰۰ء کو ڈوڈریس کے حوالے کر دیا ــــــــ

اسی دوران دولت راؤ سندھیا کے استحصال اور عذاب سے بچتی ہوئی دونوں بیوہ عورتیں ہولکر کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا کہ وہ انھیں ان کے خاندانی دارالسلطنت اُجین پہنچائے جانے کا انتظام کر دے۔

ادھر سندھیا کے جنرل پیرون نے تہیہ کر لیا تھا کہ ہولکر کی جاگیریں ٹونک اور رامپورہ واپس پرانے مالک مہاراج جے پور کو دے دی جائیں

اس آبائی دولت کے نقصان سے ہولکر سندھیا مخالف ہو گئے اور انھوں نے بیوہ عورتوں کو بلا کر ایک لاکھ روپے نقد اور ایک لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کیا جس کے عوض میں ان کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا کہ جسونت مہادجی کے شمالی صوبہ کو حاصل کرنے کے لیے ان کی مدد کریں گے اور وہ خود انھیں فوجی اخراجات کے لیے چار لاکھ روپے دیں گی۔ آخرش وہ جسونت کے ساتھ اُجین گئیں مگر مہادجی کی یادوں کے ساتھ مقبول ہونے کے باوجود انھیں نہ تو چندہ ملا نہ کسی قسم کا کوئی قرض نہ کوئی امداد ملی۔

امباجی انگلے نے اس درمیان ہولکر کو پانچ لاکھ روپے کا لالچ دیا تو ہولکر نے اپنے سپہ سالار ملیومیٹ کی قیادت میں ایک بٹالین ان کی رہائش کے نزدیک تعینات کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملیومیٹ نے حملہ کر کے ان کی ساری دولت چھین لی۔ اور دونوں عورتوں کو جان بچا کر فرار کا راستہ اختیار کرنا پڑا اس بداخلاقی کے لیے عوام سے جسونت کو بہت

بد دعائیں دیں۔

۱۲ر نومبر ۱۸۰۰ء کو اُجین سے نکلنے کے بعد جسونت راؤ نے سندھیا کے علاقوں میں مخصوص طور پر بھیسوندا اور مندسور ضلعوں کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ دولت راؤ نے مالوہ اور خاندیش میں ہولکر کے علاقوں سے خوب دولت بٹوری۔ یہ شاید اُس کا انتقام تھا۔ دولت راؤ نے معاہدہ کے لیے خبر بھیجی تو جسونت راؤ نے ایک شرط رکھی کہ اُس کے بھتیجے کھانڈے راؤ کو اُس کے سپرد کیا جائے اور وہ سارے علاقے اُسے واپس دیے جائیں جو سندھیا کے قبضے میں ہیں۔ لیکن بات آگے نہیں بڑھی۔ جسونت کی حرکتوں پر لگام سخت کرنے کے لیے آخر پیشوا راؤ نے دولت راؤ کو ہدایت کی کہ وہ کاشی راؤ کو ساتھ لے کر مالوہ کی طرف کوچ کرے۔

سندھیا نے پیشوا سے سرمائے کا مطالبہ کیا اور ۴۵ لاکھ روپے حاصل کرنے کے بعد پونا سے چلا گیا۔ سندھیا کے کوچ کی تاریخ ۵ر دسمبر ۱۷۹۹ء ہے۔

مالوہ کی جنگ

سندھیا چلا تو اُس کی چال بہت سُست تھی۔ وہ رقص وسرود کی محفل سجاتا، خیمے درخیمے پڑاؤ ڈالتا۔ پتنگ اُڑاتا آخر کار ۱۳ر جولائی ۱۸۰۱ء کو نرمدا کے ساحل پر بڑیاں کے قریب پہنچا۔ اس کی احمقانہ تاخیر کی وجہ سے مالوہ میں اس کی فوجی طاقت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔

اس کے علاوہ سندھیا نے اپنے سخت ترین دشمن کا سامنا کرنے میں کم نظری کا ثبوت بھی دیا۔ اس نے فوجی ٹکڑیوں کو الگ الگ حصّوں میں روانہ کیا اور ایک حصّے کو دوسرے حصّے سے خاصا دور رکھا۔ جسونت نے اپنے دشمن کی اس احمقانہ حکمت عملی اور جنگی لائحۂ عمل کا پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ان کی ہدایت پر فوج نے الگ الگ حصّوں پر الگ الگ حملہ کیا اور سب کو شکست فاش دی۔

۱۸۰۱ء کے موسم گرما میں جسونت راؤ اور دولت راؤ سندھیا کے بیچ جنگ کا ایک

سلسلہ شروع ہوا تھا۔

پہلی جنگ اندور نیماور کے وسط میں بنوری نامی جگہ پر ۵ ۲ر جون ۱۸۰۱ء کو ہوئی۔ اس جنگ میں سندھیا کے سپہ سالار مکین ٹابر کی زبردست شکست ہوئی اور ہولکر کو جنگی سامانوں کی شکل میں دو سو گھوڑے، چار سو بندوقیں، نیز سات سو چھوٹی توپیں حاصل ہوئیں۔

اس موقع پر سندھیا کے کچھ فوجی افسران بھی قید کر لیے گئے۔ ۴ر جولائی ۱۸۰۱ء کو سندھیا کے فرانسیسی سپہ سالار براؤننگ نے ہولکر کی فوج کا ستواس تک تعاقب کیا۔ لیکن اس شکست سے ہولکر کو تکلیف کا کوئی احساس بھی نہیں ہوا کیونکہ انھوں نے اپنا ہدف اُجین کو بنایا اور پورے شہر کو ــــ چاروں طرف سے اپنی فوج کے حصار میں لے کر سندھیا کے سپہ سالار جارج ہیسنگ کو شکست دے کر جنگ میں نقصان کا معاوضہ شہر سے ۵ الاکھ روپیہ وصول کر لیا۔

اُجین پر جسونت راؤ کا حملہ اور کامیابی سندھیا کے لیے کھلا چیلنج تھی۔ جلد ہی سندھیا کا مشیر سرجو راے گھاٹگے جنوب سے مالوہ پہنچا اور اجین کا انتقام اندور پر حملہ کر کے لیا۔ جسونت راؤ کو جب گھاٹگے کی نیت کا علم ہوا تو انھوں نے تیزی سے اجین خالی کر دیا اور اندور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہولکر کو ان دونوں تک پہنچنے میں بہت سی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اندور پہنچ کر انھوں نے روایتی اور غلیمی طرز سے چھاپہ ماری شروع کر دی۔ یہ بھی جنگ تھی لیکن اُس کے لیے تیار کیا گیا لائحہ عمل بالکل الگ تھا۔ کیونکہ سندھیا کی فوج یوروپی سپہ سالاروں کی تربیت یافتہ تھی اور اُس کی قیادت باؤننگ جیسا سپہ سالار کر رہا تھا۔

ـــ توپیں خراب ہو گئیں ــــ فوج کا کمانڈر ہلیس ـــ تنہا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ ناچار اور مجبور ہو کر آخر کار جسونت کو کنتل گڑھ کے قلع میں پناہ لینی پڑی۔ اس وقت اُن کے ہمراہ شیام راؤ، مہادک، فتح سنگ مانے، جیواجی لیشونت، ہرناتھ سنگھ اور امیر خاں جیسے سپہ سالار بدستور اُن کے نمک خوار تھے۔

ہولکر خاندان کا سرکاری ملازم اور پانی پت کی جنگ کا تجربہ کار اور جنگجو برا شد دداجی بھی ان کے ساتھ آکر شامل ہوگیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شری راؤ گھاٹگے نے اندور پر اختیار کر لیا اور محافظوں کی کمی کے باعث کمزور شہر کو جی بھر کر تاخت و تاراج کیا۔ حالانکہ شہری جنگی نقصان کے معاوضے کے طور پر ۱۵ لاکھ روپے دینے کو تیار تھے لیکن اس نے ہزارہا انسانوں کو قتل کر دیا اور غارت گری و زنا بالجبر کے ذریعے تباہ کاریاں شروع کر دیں۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد فاتح شہر سے جب جا چکے تو ہولکر کے مقلدین نے دوبارہ اُس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۰۱ء میں جون سے اکتوبر تک ہولکر جنگ کرتے رہے نرمدا اور اجین کا تمام علاقہ بیابان میں تبدیل ہوگیا۔ نرمدا کی مہم میں انھیں ایک فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی، لیکن بہترین قیادت کے لیے بیشک انھیں بے پناہ مقبولیت ملی۔ جسونت راؤ ان دنوں بدقسمتی کے تھپیڑوں میں زندگی گذار رہے تھے۔ تین سال کا مفرور خانہ بدوش اس وقت ہولکر خاندان کا معمار اور سندھیا و باجی راؤ کے لئے آدم خور آندھی بن گیا تھا۔

اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ خود پسند تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے اس کے شعور میں اشتعال پیدا ہو جاتا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ پیدائشی بہادر تھا۔

بیٹھوجی ہولکر کا قتل

جسونت راؤ اپنی شکست اور ناکامیوں سے مایوس ہو کر بیٹھنے والا شخص نہیں تھا۔ اس نے جلد ہی اپنے چاہنے والوں کو منظم کر کے راجپوتانہ کے علاقوں میں رہزنی شروع کر دی اور صرف ایک سال کے عرصے میں ہی ——— اندور آزاد کروا لیا۔ اس کے بعد فوراً مہیشور پہنچ کر ——— اپنے بھائی کاشی راؤ سے ملاقات کی۔ حالانکہ کاشی راؤ کو سندھیا اور پیشوا سے کوئی امید نہیں تھی۔ اس لیے اس نے بھائی کی مدد کرنا منظور کر لیا اور جسونت کے ساتھ جنوب کی طرف کوچ کے لیے تیار ہوگیا لیکن دل ہی دل میں وہ جسونت سے

خوفزدہ بھی تھا۔اس لیے ۳۱ مئی ۱۸۰۲ء کو وہ جسونت راؤ کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گیا اور سیندوا کے قلعے میں خود کو محصور کر لیا۔

جسونت کی ہر کامیابی باجی راؤ کے غصّے کی آگ میں گھی کا کام کرتی تھی۔اُس وقت جسونت کے بھائی بٹھوجی ہولکر نے باجی راؤ کے سوتیلے (گود لیے ہوئے) بھائی امرت راؤ کے حق میں ایک تحریک کی قیادت کی تھی۔ اس کے علاوہ بٹھوجی نے سارے مہاراشٹر میں عذاب اور قتل و غارت گری کی دھوم مچادی۔ ہر طرف رہزنی اور آگ زنی کے واقعات رونما ہونے لگے۔خاندیش اور کرشنا کے بیچ کا سارا صوبہ بدنظمی اور بدامنی کی جیتی جاگتی تصویر بن گیا۔

باجی راؤ نے اپنے خلاف چل رہی مہم سے گھبرا کر بالوجی کنجر اور باپو گوکھلے کو بٹھوجی ہولکر کی مخالفت میں بھیجا۔تھوڑی سی جدّوجہد کے بعد باپوجی گوکھلے بٹھوجی کو قید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ایک عام قیدی کی طرح زنجیروں میں جکڑ کر بٹھوجی کو پیشوا کے سامنے حاضر کیا گیا۔

بعد ازاں بٹھوجی کے لیے ایسی سزا تجویز کی گئی جو جسونت کے لیے بھی عبرت ناک ہو۔ ۱۶ اپریل ۱۸۰۱ء کو بٹھوجی کے جسم پر کوڑے برسائے گئے اور اُس کے بعد ہاتھی کے پیر سے باندھ کر پورے جابرانہ طریقے سے پیشوا کے دیوانِ عام میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

بالوجی کنجر اور دیگر چاپلوس درباریوں نے اس منظر کو بڑی دلچسپی سے نظر نواز کیا۔جسونت راؤ کو جب یہ خبر ملی تو اس نے ان تمام لوگوں کو سزا دینے کی قسم کھائی جو ان حالات کے ذمّہ دار تھے۔

دونوں بھائیوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے پیشوا نے ہولکر خاندان کی تمام جاگیریں ضبط کرنے کا حکم دیدیا۔ اس وقت جسونت نے دوہری حکمتِ عملی سے کام لیا اور ایک طرف تو اُس نے اپنی طاقت منظم کی اور دوسری طرف پیشوا سے انصاف کا مطالبہ کرتا رہا۔ اپنے سبھی خطوط میں اُس نے پیشوا کے لیے عقیدت اور احترام کا اظہار کیا تھا۔ لیکن پیشوا نے ضبطی کے حکم کی تعمیل کے لیے گھوڑ ونیت گوڑ والے کی قیادت میں ایک فوج کو

روانہ کیا، جسے جسونت راؤ نے کھسر کُسُمبا نامی علاقائی میدان میں بہ آسانی شکست فاش دی۔ اس کے بعد جسونت راؤ نے پیشوا کے سامنے اپنے تین مطالبے پیش کیے۔ پہلا یہ کہ دولت راؤ سندھیا نے کھانڈے راؤ کو قید کر رکھا ہے اُسے آزاد کر دیا جائے اور اُسے ہولکر ریاست کا باضابطہ مالک اور جسونت راؤ کو اس کا سرپرست تسلیم کرتے ہوئے ریاست کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا جائے۔

دوسرا بھارت ورش کے کسی بھی حصّے میں جو ضلع، گاؤں یا صوبہ ہولکر خاندان کے قبضے میں تھے وہ دوبارہ اُس کی دست رس میں دیدیا جائے اور پیشوا سے ہونے والی تمام آمدنی برابر برابر دونوں میں تقسیم کر دی جائے۔ تیسری شرط یہ تھی کہ دولت راؤ کاشی راؤ کی کوئی مدد نہ کرے۔

جسونت راؤ کا جنوب کی طرف کوچ کرنا

ہولکر کی مقبولیت خاندان کے محافظ کے طور پر بڑھ رہی تھی۔ ۱۸۰۲ء میں جسونت خان دلیش پہنچا اور تھلیسر میں اس نے اپنا خیمہ لگایا۔ جہاں سے اُس نے پیشوا سے مطالبہ کیا کہ کھانڈے راؤ ہولکر اور اس کی ماں کو سندھیا سے آزاد کرا کر اُس کے سپرد کر دیا جائے لیکن پیشوا نے انصاف کرنے کے بجائے انھیں اور سخت پہرے میں قید کر دیا۔

پیشوا کی اس حرکت سے ناراض جسونت جنوب کی طرف آگے بڑھا لیکن پیشوا نے اس کی تمام دولت ضبط کرنے کا حکم دیدیا اور جسونت کا سامنا کرنے کے لیے اپنی فوج کو منظم کرنے لگا۔ دولت راؤ سندھیا سداشو کی قیادت میں ایک لشکرِ جرار بھیجا جس کی وجہ سے جسونت راؤ باجی راؤ سے اور زیادہ ناراض ہو گیا۔

بارامتی کی جنگ اور پیشوا فوج کی شکست

جسونت راؤ کے سپہ سالار فتح سنگھ مانے نے بابا پرندرے کی قیادت میں

۸ر اکتوبر ۱۸۰۲ء کو باجی راؤ کی فوج کو بارامتی علاقے میں شکست دی پھر جب جسونت راؤ یہاں پہنچا تو اُس نے پیشوا کو خط لکھا کہ "سندھیا اور میری نااتفاقی کا پرامن حل ہی آپ کے شایانِ شان ہے اور بے کار کی باتوں میں وقت برباد کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ اگر آپ نے اس میں پہل قدمی نہیں کی تو میں پھر جنگ کروں گا۔ آپ کو میرا مفید مشورہ ہے آپ دور دور رہیں۔ میں صرف سندھیا سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سندھیا کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بن گئے ہیں۔ انگریز دروازوں پر کھڑے ہیں۔ آپ مالک کا فرض پورا کریں اور ہمیں خادم کا فرض پورا کرنے دیں۔" یہ خط پیشوا کے پاس ۲۳ر اکتوبر ۱۸۰۲ء کو پہنچ گیا تھا لیکن اُس نے اس خط پر کوئی توجہ نہیں دی۔

ہڑپسر میں جنگ اور باجی راؤ کی شکست (۲۳ر اکتوبر ۱۸۰۲ء)

باجی راؤ کی مدد کے لیے آئی سندھیا کی فوج نے دھور پڑی بنواڑی اور ہڑپسر میں اپنا خیمہ لگا کر عین دیوالی کے روز جسونت راؤ کی فوج پر گولی باری شروع کر دی۔ جواب میں جسونت راؤ کی فوج نے بہادرانہ مقابلہ کیا اور آخر کار سندھیا کی فوج کو شکست ہوئی۔ سندھیا کا سپہ سالار بھاسکر اس جنگ میں مارا گیا۔ جسونت راؤ کی یہ فتح اس کی زندگی کی سب سے بڑی اور قابلِ ذکر کامیابی مانی گئی۔ لیکن جسونت کی فتح کا افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ مہاراشٹر میں جو خانہ جنگی ۹۸-۱۷۹۷ء سے شروع ہوئی تھی وہ ان پانچ سالوں میں ۱۸۰۲ء میں اختتام پذیر ہوئی۔

پیشوا باجی راؤ کی پونا سے فراری

ہڑپسر کی جنگ کے بعد باجی راؤ کو خود کے قید ہو جانے کا خدشہ پیدا ہوا۔ وہ پونا سے فرار ہو گیا۔ آدھی رات میں ویرواڑی کی طرف وہ خاموشی سے چلا گیا۔ جہاں سے اُس نے بمبئی کے گورنر جنرل کو خط لکھا جو وسین کے معاہدے کی بنیاد بنا۔

۱۶ر دسمبر ۱۸۰۲ء کو پیشوا بسئی (وسین) پہنچا۔ جہاں سے اُس نے بمبئی کے گورنر جنرل ڈنکن

کو خود کشی امداد کے لیے خطوط لکھنا شروع کیا۔

پونا میں تبدیلیٔ حکومت

بھِنسوا کے پونا سے مفرور ہونے کے بعد ہولکر نے ان سبھی قیدیوں کو آزاد کر دیا جنھیں سیاسی اختلافات کی بنا پر قید خانے کے اندھیروں میں غرق کر دیا گیا تھا۔ بعد ازاں اُس نے بھنسوا باجی راؤ کے بھائی امرت راؤ کو پونا بلوایا۔ امرت راؤ کو رگھوناتھ راؤ نے گود لیا تھا جب اس کو اولاد ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ بعد میں اُسے باجی راؤ اور جمنا جی دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بھنسوا کی جگہ پر ایک طاقتور فیڈریشن کی تشکیل کی گئی جس کی قیادت ہولکر نے کی تھی۔ حکومت چلانے کے لیے جو کمیٹی مقرر کی گئی اس میں جسونت ہولکر، امرت راؤ، بھونسلے اور بٹھور دھن راؤ مخصوص ممبر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی کے بعد جسونت راؤ ونایک راؤ کو بھنسوا بنوانے میں کامیاب ہوا۔ جسونت راؤ نے دولت راؤ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے خط و کتابت کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا لیکن اُس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

اس وقت جسونت راؤ کی اقتصادی حالت بھی قدرے خراب ہوتی جا رہی تھی۔ جب انھیں باجی راؤ کے ذریعے انگریزوں سے معاہدے کی خبر ملی تو انھوں نے بھرپور مخالفت کی لیکن بازی باجی راؤ کے ہاتھوں میں ہی رہی۔ آخر کار ۳۱ر دسمبر ۱۸۰۲ء کو اس نے لسبی یا ولسین کا مقبول ترین معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ کی رو سے باجی راؤ نے ہتھیار بند انگریزوں کی سلطانی قبول کر لی اور بھنسوا انگریزوں پر منحصر ہو گیا۔ اس کی آزادی سلب ہو گئی۔ انگریزوں کا مغل سامراج پر بھی قبضہ ہو گیا جو بہ ظاہر معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن اس ابتدا کے بعد رفتہ رفتہ مراٹھا صوبوں پر انگریزوں کا شکنجہ کستا چلا گیا۔

اس معاہدے کے پس منظر میں باجی راؤ کا خوف تھا کیونکہ وہ یہ تصور کرتا تھا کہ ہولکر اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیے اُسے ضرور مار ڈالے گا جس سے محفوظ زندگی گذارنے کے لیے اُس نے معاہدہ کر لیا تھا۔

پونا میں بدنظمی اور جسونت کا پونا کو خیر باد کہنا

پونا میں جب ویسین معاہدہ کی بات پہنچی تو جسونت اور امرت راؤ نے مراٹھا فیڈریشن کو سب سے زیادہ طاقتور تنظیم کی شکل میں ابھارنے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن جسونت کی باضابطہ آمدنی نہیں تھی اس لیے اس نے نئے ٹیکس لگا کر دولت جمع کرنے کی اسکیم بنائی۔ ہولکر کی سپاہ نے جبراً دولت وصول کی۔ ان کے سپاہیوں سے سونا، چاندی، زیورات، ساز و سامان وغیرہ مسلسل چار مہینے تک چھینتے، لوٹتے رہے جس سے ہولکر کو پچاس لاکھ روپے کی وصولیابی ہوئی، جب کہ اس کو تقریباً ایک کروڑ کی ضرورت تھی۔

جسونت راؤ کی مال و دولت کی جبراً وصولیابی کے لمبے سلسلے سے پونا میں بدامنی کا ماحول تیار ہو گیا۔ اسی دوران پنڈاریوں نے بھی آ کر شہر میں تاخت و تاراجی کی آزمائشیں شروع کر دیں۔ جسونت راؤ ان تمام حالات پر قابو کرنے میں ناکام ثابت ہوا۔ ۲۵ فروری ۱۸۰۳ء کو عاجز آ کر اس نے پونا کو خیر باد کہا۔

امرت راؤ بھی پونا سے فرار ہو گیا اور اس طرح باجی راؤ کے بھاگ جانے کے بعد نئی حکومت صرف چار مہینے رہی۔ بھیتوا باجی راؤ ۱۳ مئی ۱۸۰۳ء کو پونا پہنچا۔ جنرل آرتھر ویلیجلی نے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ باجی راؤ صرف شراب نوشی، نہانے دھونے، پوجا پاٹھ اور باقی وقتوں میں عیش پرستی میں مصروف ہو گیا۔

وہ صرف شراب نوشی کی محفلیں منعقد کرتا تھا اور خوبصورت رقاصاؤں سے لاونیاں سنتا رہتا تھا۔ اس کے بعد انگریزوں نے سندھیا اور بھونسلے کو واقعتاً جنگ کے ذریعے نیست و نابود کر دیا۔ انگریزوں نے لیک کی قیادت میں ۱۸۰۳ء میں دہلی پر اختیار کر لیا۔

تراسی سالہ ضعیف اور بے یار و مددگار بادشاہ شاہ عالم کو انگریزی دسترس میں لے لیا گیا۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری ڈاکٹر آکٹرلونی پر چھوڑی گئی۔ اس کے بعد بھرت پور کے جاٹ راجہ سے بھی معاہدہ ہو گیا۔ ۷ راکتوبر ۱۸۰۳ء کو آگرہ انگریزوں کی فتح کا نشان بنا۔ اس سے قبل لسواڑی کی جنگ میں سندھیا کو شکست ہوئی تھی۔ گجرات، بندیل کھنڈ اور

اڑلیہ پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اگست ۱۸۰۳ء سے نومبر ۱۸۰۳ء تک انگریزوں اور اور مراٹھوں کی جنگ اتنی تیزی اور شدت سے لڑی گئی تھی کہ ہولکر اور سندھیا کو سانس لینے تک کی فرصت نہیں ملی تھی۔

۲۷ فروری ۱۸۰۴ء کو برہان پور معاہدہ ہوا جس کے بعد ویلیجلی نے جودھپور، جے پور، الور، بوندی کے راجپوت راجاؤں اور بھرت پور کے جاٹ راجہ سے الگ الگ معاہدہ کر کے انھیں مراٹھوں کے خلاف انگریزوں کا ہمنوا بنا لیا۔

انگریزوں کے خلاف جسونت کی تنظیمی کوشش

انگریز جب سندھیا سے جنگ کر رہے تھے اُسی وقت جسونت راؤ نے اپنی فوج کی طاقت میں توسیع کا کارنامہ انجام دیا۔ ۱۸۰۳ء میں اورنگ آباد سے چوتھ وصول کی گئی۔ اسی وقت مالوہ میں اجین پر حملہ ہوا اور رگھوجی بھونسلے کو ناگپور میں ہی دعوت بھیجی گئی کہ وہ انگریزوں کے خلاف مذہبی جنگ کرنے میں جسونت کی امداد فرمائیں۔ جسونت نے انگریزوں کے خلاف ایک تنظیم کی تشکیل کے لیے جے پور، جودھپور، اودے پور کے راجاؤں مچھری کے راجا، بیگم سمان، روہیلہ حکمراں غلام محمد اور دیگر حکمراں راؤ سنگھ، لگا سنگھ، گروپال سنگھ اور رنجیت سنگھ کے پاس قاصد بھیجے۔

انگریز جنرل لیک نے ۲۹ جنوری ۱۸۰۴ء کے دن ہولکر کو ایک خط لکھ کر متنبہ کیا کہ انگریز دوستوں کی مخالفت میں اُس کے بیجا اقدام برداشت نہیں کیے جائیں گے۔ اس پر جسونت راؤ نے دو کاپیاں لیک کے پاس بھیجیں جن میں درجِ ذیل مطالبے کیے گئے تھے۔

۱۔ ہندوستانی حکمرانوں پر ہولکر کو چوتھ وصولی کے اختیارات جس میں انگریزوں کی دخل اندازی ممنوع قرار دی جائے۔

۲۔ اُس کے اختیارات میں جو صوبے ہیں انگریز انھیں تسلیم کریں۔

۳۔ دوآب اور بندیلکھنڈ کے جن پرگنوں پر ان کے خاندان کا اختیار تھا وہ آ ے

واپس دے دیے جائیں۔

۴۔ وہ انگریزوں کے ساتھ دوستی کے لیے انھیں شرائط پر تیار تھا جن کے بارے میں اس نے سندھیا سے پہلے ہی ذکر کیا ہے۔

لیک کی بداخلاقی سے عاجز ہو کر جسونت راؤ نے فروری ۱۸۰۴ء میں مندرجۂ ذیل خط لکھا جس میں اُس نے لیک کو چیلنج کیا تھا:

"جنگ کی صورت میں حالانکہ میں میدانِ جنگ میں برطانوی توپ خانوں کا سامنا نہیں کر سکتا، باوجود اس کے سینکڑوں کوس کا راستہ پامال کر دوں گا۔ میں وہ علاقے لوٹ لوں گا اور نذرِ آتش کر دوں گا۔ اور دورانِ جنگ میں اپنی افواج کے حملوں سے لاکھوں انسانوں کو خون کے آنسو رلا دوں گا۔

میری افواج کے حملے سمندر کی طرح تباہیاں پھیلاتے ہیں:"

اس چیلنج کے بعد جسونت راؤ زیارت کے بہانے اجمیر اور پشکر پہنچا۔ جہاں دونوں شہروں کو لوٹ کر اُس نے دولت جمع کی۔ یہ زمانہ ۱۸۰۴ء کا تھا۔ اس سے قبل ۳ فروری ۱۸۰۴ء کو اُس نے سندھیا سے نرم لہجے میں گزارش کی کہ وہ انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر اُس کی حمایت کرے۔ اجمیر کے بعد اُس نے جے پور کو لُوٹا۔ اس وقت تک انگریزوں اور جے پور میں معاہدہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کا جے پور کا لُوٹنا بہت عجیب اور جنونی سے بھرا ہوا لگا۔ اس کے بعد جسونت نے اپنے تین انگریز افسروں وکٹر، ڈائی اور رئین کو قتل کروا ڈالا کیونکہ انھوں نے غدّاری کی تھی۔

انگریز سپہ سالار مرے اور مانسن کی قیادت میں ناکام حملہ ◘

گجرات سے کرنل مرے کو جسونت کے خلاف مالوہ میں حملہ آور ہونے اور کرنل مانسن کو راجستھان میں بوندی اور لاکھیری کی شاہراہوں پر اختیار حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا تاکہ جے پور سے واپسی پر جسونت کو شکست دی جا سکے۔ ایسی امید تھی کہ دونوں کے اشتراک سے مالوہ کے جسونت کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

لیکن مرے جنگ سے قبل ہی افواج کی طاقت میں کمی کا ذکر کرتا ہوا گجرات واپس ہوگیا جبکہ 'مانسن' نے چمبل کی وادیوں میں ہولکر کے قلعہ ہنگلاج گڑھ پر اپنا قبضہ کرلیا۔

مانسن کی شکست

جسونت راؤنے اپنے اسّی ہزار اسپ سواروں کی فوج کے ساتھ مانسن پر حملہ کردیا اور اسے مکندرا درّے پر بری طرح شکست دی۔ مانسن نے قدم پیچھے ہٹایا اور باقی سپاہ کے ساتھ فرار ہوا تو ۲۴ اگست کو دریائے بناس پر آ کے دوبارہ حملے کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مانسن نے دوبارہ راہ فرار اختیار کی لیکن واپسی کے دوران کشل گڑھ میں اسے ہولکر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آخر کار بینڈن ندی کے ساحلی علاقے سے بچتا ہوا وہ ۱۸۰۴ء میں آگرہ پہنچا۔ ان مقابلوں میں انگریزوں کو کئی بٹالین اور چھ عدد کمپنیوں سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔

دہلی پر ہولکر کا حملہ

مانسن پر فتح یاب ہونے کے بعد ہولکر کے حوصلے بلند ہوئے تو اُس نے شمالی ہندوستان کا رُخ کیا وہ اتنا خوش تھا کہ اس نے پہلے متھرا پر قبضہ کیا پھر اُس کی خواہش ہوئی کہ کیوں نہ حملہ کرکے دہلی پر اختیار حاصل کرلیا جائے! کچھ دن قبل ہرنام سنگھ نامی ایک سپہ سالار نے ۸ اکتوبر کو اچانک دہلی پر حملہ کردیا تھا لیکن آکٹرلونی اور برن کی مشترکہ افواج نے اُسے نیست و نابود کردیا اس کے بعد انگریزوں نے ڈینگ کے نزدیک ہرنام سنگھ کو دوبارہ شکست فاش دی۔ عاجز آکر ہولکر نے جمنا ندی کو پار کرکے اودھ کو تاخت و تاراج کرنے کی خواہش کے تحت دوآبہ میں داخل لیا لیکن ۷ ار نومبر ۱۸۰۴ء کو فرخ آباد میں ہولکر کو لیک نے روک لیا۔ فرخ آباد کی شکست کے بعد ہولکر بھرت پور کے راجہ رنجیت سنگھ کے پاس جنگی ساز و سامان اور نقد امداد حاصل کرنے کی غرض سے پہنچا۔

بھرت پور کا محاصرہ

بھرت پور کے جاٹ راجہ رنجیت سنگھ نے ڈیگ کا علاقہ جسونت راؤ کو پناہ گزیں کیمپ کی شکل میں دے دیا اور اپنے دیوان رائے سنگھ اور فرزند لکھشمن سمیت ایک لشکر جرار کو ہولکر کی مدد کے لیے بھیجا۔ اس پر انگریز جنرل لیک نے ار دسمبر ۱۸۰۴ء کو ڈیگ کا قلعہ گھیر لیا اور جاٹوں اور مراٹھوں کو شکست دینے کے بعد ۲۳ دسمبر کو لیک نے مذکورہ قلعہ پر اپنا اختیار کر لیا۔

اس شکست کے بعد ہولکر نے اپنی باقی بچی فوج کے ساتھ بھرت پور میں پناہ لی۔ یہاں جاٹ راجہ رنجیت سنگھ نے اس کی مدد فرمائی تھی۔ رنجیت سنگھ قلعہ کے اندر سے اور ہولکر باہر سے انگریزوں کو مار بھگانے میں مصروف رہے۔ یہ محاصرہ تین مہینے، جنوری ۱۸۰۵ء سے ۱۰ار اپریل ۱۸۰۵ء تک چلتا رہا۔

رنجیت سنگھ اور ہولکر نے آپسی اتفاق سے بھرت پور پر قبضے کے لیے کیے گئے انگریزوں کے کئی حملے ناکام بنائے۔ انگریزوں کی بھاری توپیں بے کار ثابت ہوئیں۔ کیونکہ توپ خانوں کی طاقت کے باوجود انگریزوں کی ۳۲۰۳ سپاہ اور ۱۰۳ یورپی افسران موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

اپنی کوششوں میں ناکامیوں کے بعد لیک نے میرٹھ کی فوج بھی بھرت پور بلوائی لیکن انگریزی ریجیمنٹ نے جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس وقت ہندوستانیوں کی دو ریجیمنٹ کو حکم دیا گیا کہ وہ ہولکر کی افواج کو واپس قلعہ میں جانے کو مجبور کر دیں۔ ہندوستانی سپاہیوں میں قومیت کے جذبہ کی کمی پائی جاتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے ہم وطن شہریوں کے خلاف انگریزوں کی حمایت کی۔ لیکن اس کے باوجود بھرت پور کی فوج کی بہادری اور قلعہ کی مضبوط دیواروں کا ذکر افسانہ بن گیا۔ یہ واقعہ تک مقبول ہوا۔

مورخ و مصنف تھارن ٹن رقم طراز ہے کہ:

"جس وقت ۱۸۰۵ء میں انگریزی فوجیں بھرت پور قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھیں

اُس وقت کمپنی کے کچھ ہندوستانی سپاہیوں نے کہا تھا کہ ہم لوگوں کو شہر کے اوپر پیتامبر پہنے، شنکھ اور دھنش، بانسری اور گدا لیے گوپال یعنی کرشن صاف دکھائی دے رہے تھے۔"

موجودہ عہد میں امیر خاں کا کردار ۞

امیر خاں جو اُس وقت میر خاں کے نام سے زیادہ مقبول تھے اس وقت ہولکر کے سپہ سالار تھے حالانکہ مورخ انھیں ہولکر کا پنڈاری سردار تسلیم کیا کرتے تھے۔ لیکن ایک بار انگریزوں کی ہولکر کے ساتھ جنگ میں اپنی ابتدائی شکست کے دور میں جنرل ولیسلی نے ۲ مارچ ۱۸۰۵ء کو پونا سے میجر ولیم کو لکھا۔

"مرسر امیر خاں کے ساتھ معاہدہ کر رہا ہے اور اگر اس نے امیر خاں کو ہولکر سے توڑ لیا تو ہولکر کا خاتمہ یقینی ممکن ہے۔"

لیکن جسونت راؤ کی ابتدائی احتیاط کی وجہ سے ایک امیر خاں کو چھوڑ کر جسونت راؤ کے خلاف اس طرح کی سازشوں میں انگریزوں کو نمایاں کامیابی کبھی نہیں ملی۔

امیر خاں ایک حد تک عجیب کھیل کھیلتے رہے۔ کیونکہ سب سے پہلے کرنل لیک نے کرنل ڈان کی قیادت میں ایک فوج بھیج کر ۱۶ مئی ۱۸۰۴ء کو ٹونک اور رامپورہ کا قلعہ اپنے اختیار میں کر لیا تھا۔ مورخ سندر لال رقم طراز ہیں کہ ممکنہ طور پر اس قلعے پر آسان فتح یابی میں امیر خاں کا بڑا ہاتھ تھا۔ کیونکہ بعد میں یہی ٹونک کی ریاست انگریزوں نے امیر خاں کو عطا کر دی تھی۔ بھرت پور کے محاصرے کے وقت ہولکر کی فوجیں قلعہ کے باہر تھیں اور یہ فوج امیر خاں کی نگرانی میں جنگ کے لیے آمادہ تھی۔ اس فوج نے انگریزوں کی فوج کو تباہ کر رکھا تھا اور ان کے پاس رسد پہنچانا ناممکن تھا۔ اس وقت کچھ مورخین کے مطابق امیر خاں انگریز افواج کا خاتمہ کر سکتے تھے لیکن انگریزوں کی خوش قسمتی سے امیر خاں سرمایہ پسند نکلے۔ ۵ مارچ کو گورنر جنرل نے لیک کو لکھا کہ: "اگر امیر خاں ہولکر کو چھوڑ کر انگریز سرکار کی حمایت میں آجائیں تو انھیں جاگیریں دینے کا وعدہ کر لیا جائے۔" جنرل لیک نے گورنر جنرل

کو لکھا کہ "بے شک امیر خاں کے اصحاب کو ذمہ داریاں سونپنے کا وعدہ کرنا چاہیئے۔ امیر خاں کے مطالبات بہت زیادہ تھے وہ تینتیس لاکھ ابتدا میں اور اتنی ہی جاگیر کا مطالبہ رکھتے ہیں تاکہ دس ہزار سواروں کا گزارا ہو سکے"۔

جنرل اسمتھ جس کی معرفت سودا ہوا امیر خاں کو شکست دینے کے لیے کمپنی کی طرف سے بھیجا گیا۔ افضل گڑھ میں امیر خاں اور اسمتھ میں دکھاوے کی جنگ ہوئی۔ فتح جنرل اسمتھ کے حصے میں رہی اور امیر خاں ۲۰ مارچ ۱۸۰۵ء کو واپس بھرت پور ہولکر سے آملے

بھرت پور کا معاہدہ ۱۰ اپریل ۱۸۰۵ء ۞

انگریزوں نے جب حکمت عملی کا سہارا لیا بھرت پور کے راجہ نے کامیابی کے باوجود یہ ذہن تیار کر لیا کہ وہ انگریزوں کے سامنے زیادہ دن تک ٹک نہیں سکتا حالانکہ بھرت پور کی دیواروں نے انگریزوں کا غرور ختم کر دیا تھا پھر بھی شمالی ہندوستان میں ہولکر کے بلند حوصلہ اور قابل ذکر حملوں سے سندھیا بھی متاثر ہوا تھا۔ وجہ تھی کہ انگریز اس کے قلعے واپس نہیں کر رہے تھے۔ جبکہ بغیر کسی خون خرابے کے اُس کے خادم اور ملازموں نے قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اسی لیے وہ برہان پور سے فوج لے کر سبل گڑھ پہنچا تاکہ انگریزوں کے خلاف ایک نئی تنظیم کھڑی کر سکے۔ یہیں جسونت راؤ کی اپنی ساٹھ ہزار پیادوں اور سواروں پر مشتمل لشکر جرار کے ساتھ شامل ہو گیا لیکن آخر تک "مراٹھا سنگھ" نہیں بن سکا۔

دوستوں کی تلاش میں جسونت راؤ کا پنجاب کا سفر ۞

سبل گڑھ کے ناکام جلسے کے بعد سندھیا کو چھوڑ کر جسونت راؤ نئے دوستوں کی تلاش میں شمالی علاقے کی طرف بڑھا۔ وہ اجمیر بھی گیا اور جودھپور بھی۔ لیکن ناکام رہا۔ واپسی میں وہ دہلی ہوتا ہوا پنجاب کے پٹیالہ تک پہنچا۔ کیونکہ اسے سکھ اور افغانوں سے کمک کی امید تھی جو بعد میں ٹوٹی اور وہ ناکام رہا۔ رنجیت سنگھ نے بھی اس کی مدد کرنے سے انکار

کر دیا۔ افغان حکمرانوں نے بھی اُس کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں کی۔ اسی درمیان جنرل لیک بھی تعاقب کرتا ہوا پنجاب میں دریائے ویاس تک پہنچ گیا۔ ایسے حالات میں ہولکر کو انگریزوں کے ساتھ جد وجہد کا خیال بھی ترک کر دینا پڑا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جسونت راؤ کوئی پرلے درجے کا بے وقوف نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شخصی طاقت جتنی بھی کیوں نہ ہو منظم طاقت کا مقابلہ شخصی طاقت سے ممکن نہیں ہے۔ جنرل لیک نے بھی دیکھ لیا تھا کہ رنجیت سنگھ اور پٹیالہ کے راجہ اور اس ملک کے دیگر سردار ہولکر کے ساتھ شامل ہو جائیں گے تو ایک نئی آگ بھڑک اٹھے گی جسے بجھانا ممکن نہ ہو سکے گا اور اگر ہوا تو بہت مشکل ہو گا۔

اس لیے اُس نے ایک ایسے چہار سمتی ذرائع کی تلاش شروع کر دی جسے ہولکر کے خیمے میں بھیجا جائے اور صلح کی بات شروع کی جائے۔ جنرل لیک کی امیدیں اور ہولکر کا خوف بے معنی نہیں تھے۔ کابل کا بادشاہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی دھمکی انگریزوں کو دے چکا تھا۔ رنجیت سنگھ اور پنجاب کے دیگر راجہ برائے نام صحیح لیکن واقعتاً کابل کی سلطانی میں تھے۔ اس وقت رنجیت سنگھ انگریزوں کے اشاروں پر کام کیا کرتے تھے اس لیے انھوں نے کوئی مدد نہیں فرمائی۔

رنجیت سنگھ چولہ بدل کر برطانوی خیمے کے ملاحظہ کو گئے اور انھوں نے لارڈ لیک اور مالکم سے معاہدہ کرنا منظور کر لیا۔

راجپور گھاٹ کا معاہدہ ۲۴ دسمبر ۱۸۰۵ء

مجبور ہو کر جسونت راؤ ہولکر کو بھی لارڈ کارنوالس کی شرائط پر مبنی ایک معاہدہ ۱۸۰۵ء میں کرنا پڑا جس کے مطابق ہولکر نے چمبل ندی کے شمالی مغربی صوبوں اور بندیل کھنڈ پر اپنے اختیارات سے بازی دعوی لکھ دیا۔ اُس نے نرمدا کے جنوب میں واقع سبھی صوبے دیے۔ ہولکر کو بوندی کی پہاڑیوں کے علاقے اور ٹونک و رامپورہ ملے۔ اس معاہدے کے بعد اتنا ضرور ہوا کہ انگریزوں اور ہولکر کے بیچ چل رہی جنگ ختم ہو گئی اور نتیجتاً انگریزوں نے

راجستھان کے راجاؤں کو دی جا رہی سرپرستی بھی واپس لے لی۔

جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو لارڈ لیک نے جسونت راؤ سے مطالبہ کیا کہ اس معاہدہ پر امیر خاں کے دستخط بھی ہونے چاہئیں، امیر خاں کو یہ منظور نہ تھا۔ اس لیے جسونت راؤ نے امیر خاں کی خوشامدیں کیں اور کہا کہ مجھے اس وقت ایک کروڑ بیس لاکھ ملا ہے جس میں سے میں تمہیں نصف دولت دیدوں گا۔ فی الحال ۳۰ لاکھ کے گاؤں دے رہا ہوں باقی جنوبی علاقے اور گاؤں حاصل کرنے کے بعد دیدوں گا۔ بڑی مشکلوں سے اس شرط پر امیر خاں راضی ہوئے۔ انھوں نے اپنا نمائندہ بھیج کر جسونت راؤ سے گاؤں کا کھاتا خسرہ آمدنی وخرچ کا حساب کتاب منگوایا۔ پھر جسونت راؤ نے نواب کی خواہش کے مطابق گور نر جنرل سے ٹونک رامپورہ، مالوے سے سرونج اور بڑا وامیواڑ سے نیماہیڑا، کھینچی واڑ سے چھبڑا امیر خاں کو اخراجات کے بدلے لکھ دیے۔

لیکن راجستھان ضلع گزیٹیرس کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے کہ" ۱۸۰۶ء میں ہولکر کی فوج میں سنجیدہ بغاوت بھڑک اٹھی۔ مسلم مخالفین کو خاموش کرنے کے لیے امیر خاں کی تقرری کی گئی"۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع کا فائدہ اُٹھا کر امیر خاں نے ہولکر کو دستاویزات معاہدے کے مطابق اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے متحرک کیا۔ حالانکہ جسونت راؤ نے ٹال مٹول کا راستہ اپنایا تھا لیکن انھوں نے بھی حالات سے مجبور ہو کر سرونج (جو ۱۷۹۸ء میں دیا گیا تھا) کے علاوہ بڑاوا اور ٹونک ضلع کا اختیار بھی منتقل کر دیا۔ جس میں کوٹہ سے ٹیکس کی وصولی کے حقوق بھی شامل تھے۔ اسی طرح نیماہیڑا ۱۸۰۹ء میں اور چھبڑا ۱۸۱۶ء میں ٹونک میں شامل کر لیے گئے

دوسری مراٹھا جنگ کا نتیجہ

جنگ کی ابتدا میں جسونت راؤ کی اغلاط افسوسناک رہیں کیونکہ جسونت راؤ انگریزوں کے اشارے کی کٹھ پتلی بن کر ان کی امداد نہیں کرتا تو پیشوا پر سب سڈی کا معاہدہ بوجھ نہیں بن پاتا۔ لیکن جسونت راؤ جب یہ محسوس کرنے لگا کہ انگریز صرف اس سے

اپنا کام نکال رہے ہیں اور اندر ہی اندر اس کی جڑیں کمزور کر رہے ہیں تو اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ سبل گڑھ میں سندھیا سے معاہدہ انگریز پرست کارکن کمل نین کی وجہ سے نہیں ہوا جو ملازم تو سندھیا کا تھا لیکن رشوت انگریزوں سے لیا کرتا تھا۔ پھر بھی اس جنگ کے اختتام پر جسونت راؤ اور بھرت پور کے راجہ کا اخلاقی رویہ معقول ثابت ہوا اور ہندوستان کے مستقبل کے لیے فائدہ مند رہا۔

جسونت راؤ کا کردار

جسونت راؤ ہولکر کے کردار سے متعلق گرانٹ ڈف رقمطراز ہے کہ :

"جسونت راؤ ہولکر کے کردار کی خاص اچھائی وہ شجاعت اور کارکردگی جنگ و سیاست تھی جو دیگر ہم وطنوں کی طرح اس میں فتح کے وقت تو قدرے زیادہ ہوتی لیکن مشکل ترین اوقات میں شکست و ریخت کے باوجود اس میں یہ جوہر قائم رہتے۔ اس کے علاوہ وہ عام مراٹھوں کے مقابلے میں زیادہ تعلیم یافتہ تھا۔ فارسی اور مراٹھی دونوں زبانیں لکھ سکتا تھا اور سمجھ سکتا تھا۔ اخلاق میں وہ بردبار تھا اُس کا قد چھوٹا تھا لیکن جسم فولاد کی طرح سخت اور پھرتیلا۔ حالانکہ اُس کا رنگ سانولا تھا اور اچانک کسی بندوق کی گولی سے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی پھر بھی اس کا چہرہ دیکھنے میں قبول صورت تھا۔ اس کے چہرے سے اس کی بہادرانہ فطرت، اس کی حوصلہ مندی اور اس کے مزاج کی نرمی نمایاں ہوتی تھیں۔"

اپنی لگاتار جدّوجہد بہادری اور زورِ بازو سے جسونت راؤ نے اونچائیاں حاصل کیں اور حکومت پر قابض ہوا۔ مراٹھا ریاست کو انگریزوں سے آزاد کروانا اور انگریزوں سے مقابلہ کرنا اس کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا جس کے لیے اُس نے قربانیاں دی تھیں لیکن حالات ایسے تھے کہ اس کے دوستوں، مددگاروں نے اُس کا ساتھ نہ دیا۔ ورنہ مراٹھا تاریخ میں وہ پہلا شخص تھا جو شخصِ اوّل کی حیثیت رکھتا تھا اور آخری بہادر جنگجو جس سے انگریز تھرّاتے تھے۔

امیر خاں کا ابتدائی زمانہ

ایک پرانا قصہ ہے کہ خداوند کریم نے آدمیوں پر حکومت کرنے کے لیے ملکِ طالوت کو پیدا کیا۔ وہ بہشتی تھا اور اس نے حضرت داؤد کی مدد سے جالوت نامی ایک جابر کافر کو ہلاک کیا تھا جو کفار کا سردار اور لشکر یہود کا سپہ سالار تھا۔ اُس کے دو بیٹے تھے برہیان اور ارمیاآن۔ ارمیان کے یہاں افغان نامی لڑکا پیدا ہوا اور برہیان نے اپنے بیٹے کا نام آصف رکھا۔ گذرتے وقت کے ساتھ آصف حکومت اسرائیل کا وزیر مقرر ہوا اور افغان جو افغانیہ نام سے مقبول ہو رہا تھا لشکر کا سپہ سالار مقرر ہوا۔ قصہ میں آگے بیان ہے کہ افغان کی آئندہ نسلوں نے اسلحوں کی خرید و فروخت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا جن میں سب سے زیادہ مقبول اور بہادر نسل عبدالرشید تھا۔ تاریخ میں کئی جگہ اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ عبدالرشید نے ہی اپنا لقب ”پٹھان“ رکھا اور تبھی سے پٹھانوں اور افغانوں کی نسل تاریخ کے اوراق پر درج ہونے لگی۔

انھیں پٹھانوں کی نسل میں ایک طالب خاں عرف طالع خاں ولد کالے خاں سالارزئی بونروال دہلی کے بادشاہ محمد شاہ کے دورِ حکومت میں ہندوستان آئے اور نواب علی محمد خاں کے یہاں نوکر ہوئے یہی نواب علی محمد خاں نواب رام پور کے اجداد تھے۔

طالب خاں افغانستان کے بونروال ضلع میں گاؤں جوہڑ سے آکر یہاں کیٹھار ضلع مراد آباد جو اُس زمانہ میں پرگنہ روہیلکھنڈ کی ایک بڑی تحصیل تھا آباد ہو گئے مراد آباد تحصیل میں گاؤں اکھولی آباد کے موضع مجاہد پور میں برسوں طالب خاں کی رہائش رہی اور بعد میں ترینہ سرائے

اُن کی آرائش گاہ بنا۔

جب سلطان محمد شاہ نے نواب علی محمد پر حملہ کیا تو طالب خاں بھی دوسرے افغانوں کے ساتھ فرار ہو گئے اور ترینہ سرائے کے قریب آ بسے۔ نواب علی محمد کی وفات کے بعد طالب خاں کا بھی انتقال ہو گیا۔ طالب کے فرزند محمد حیات خاں نواب علی محمد کے سپہ سالار دوندے خاں کی ملازمت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے لیکن جلد ہی دوندے خاں کی بھی موت ہو گئی۔ محمد حیات خاں نے ملازمت ترک کر کے کچھ زمین حاصل کی اور وہاں اناج کی پیداوار بڑھانے میں مشغول ہو گئے۔

محمد حیات خاں کو تاریخ میں ایک صوفی بزرگ اور ایماندار کسان کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ ذی شعور اور باکمال شخصیت کے ساتھ ایک رحم دل عالم دین کی حیثیت سے عوام الناس میں اپنی علیحدہ شناخت رکھتے تھے۔ ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۸ء میں محمد حیات خاں کے گھر میں مرادوں کے چراغ روشن ہوئے، شہنائیاں بجیں اور مساکین کو عمدہ کھانے کھلائے گئے کیوں کہ سات برس کی نیک دُعاؤں کے صلے میں محمد حیات خاں کو خدائے کریم نے ایک بیٹا عطا کیا تھا جس کا نام امیر خاں رکھا گیا۔ امیر خاں کا شجرۂ نسب یوں ہے ؎

سالار خاں
└─ موہی خاں
└─ عوسی خاں
└─ یوسف خاں
└─ الٰہ داد خاں
└─ فتح خاں
└─ سید علی خاں
└─ بھولا خاں
└─ کالے خاں
└─ طالب خاں
└─ صوفی محمد حیات خاں
└─ نواب امیر خاں

امیر خاں : ایک باکمال سپہ سالار ؒ

امیر خاں زمانۂ کمسنی سے ہی ذہین اور بہادر ہونے کے علاوہ سیاسی شعور کے مالک رہے۔ سات سال کی عمر کے بعد انھیں بچّوں کے ساتھ کھیلتے نہیں دیکھا گیا کھیل بھی وہ کھیلتے تو بادشاہ اور وزیر کے کھیل میں خود بادشاہ بننا پسند کرتے۔ ورنہ کھیل چھوڑ کر چلے جاتے۔ جو دوست بہت عزیز ہوتا وہی کھیل میں ان کا وزیر ہوتا اور دوسرے بچے سپاہ۔ اپنے والد سے روزانہ کچھ رقم جیب خرچ کے طور پر پاتے اور اسی کھیل میں غریب عوام یا سپاہ کے حوالے کر دیتے جو رقم کسی کو کھیل کھیل میں دیدیتے واپس نہیں لیتے۔

ان کے اس جذبہ سے ان کے والدین اکثر پریشان ہو جایا کرتے تھے، والدہ اور دوسرے اقربا انھیں اس کے لیے سرزنش کرتے کہ اگر اسی طرح کھیل کھیل روپئے بانٹتا رہا تو ایک دن گھر خالی ہو جائے گا۔ لیکن والد محمد حیات خاں کو جب معلوم ہوتا تو جواب طلبی کے بعد بیٹے کی حوصلہ افزائی کرتے جس کی وجہ سے ان کی رحم دلی کا جذبہ پروان چڑھتا رہا۔

ایک دن کا قصہ ہے ایک صوفی بزرگ جو ان کے والد محمد حیات خاں کے دوستوں میں اونچا مقام رکھتے تھے امیر خاں سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "بچّے کیا تو زندگی کے حسین خوابوں کا شربت پیے گا ؟" شربت کا نام سن کر امیر خاں نے ہاں کر دی۔ فقیر نے ایک پیالہ لیا اس میں کچھ شربت رنگ کی کوئی چیز ڈالی اور جوٹھا کر کے بچّے کو پینے کے لیے دی۔ امیر خاں نے شربت کا پیالہ لیا لیکن ہونٹوں سے لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی تلخ سی چیز ہے۔ انھوں نے برجستہ کہا یہ تو شراب ہے اور زمین پر پھینک دی۔ حالانکہ اس حرکت پر فقیر ناراض ہوئے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن جب وہ ذی شعور ہوئے تو یہ حادثہ یاد کرتے اور افسوس کرتے۔

اسی طرح امیر خاں نے بچپن کی نادانیوں کا زمانہ طے کیا اور جوانی کے جوش اور ولولے کے زمانہ میں قدم رکھا۔ بادشاہ بننے کا خواب آنکھوں میں ہمیشہ ٹھاٹھیں مارتا رہتا۔ ایک دن والدین کو بغیر اطلاع دیے گھر سے قسمت آزمانے نکلے اور لکھنؤ پہنچ کر غلام قادر سے ملے۔ غلام قادر نے انھیں اپنی فوج میں شامل کر لیا اور میرٹھ بھیج دیا۔ لیکن اس کامیابی سے سکون نہ ملا۔ غور کیا

تو سمجھ میں آیا کہ والدین کی اجازت کے بغیر فرار ہو کر کامیابی کبھی نہیں مل سکتی۔ فوراً میرٹھ چھوڑا اور واپس گھر آ گئے۔

بیس سال کی عمر میں ان کی جسمانی طاقت اور ان کے چہرے کی چمک بھیڑ سے ہمیشہ انھیں الگ شناخت دیتی رہی۔ قد میانہ تھا لیکن آج کے مقابل بہت معقول۔ جو بھی دیکھتا انھیں دوست بنانے کی کوشش کرتا۔ چوڑا سینہ اور گٹھے ہوئے بازو ان کی بہادری کی علامت بن رہے تھے۔ ایک دن والد اور والدہ سے اجازت ملی تو تلاش معاش میں باضابطہ گھر سے نکل پڑے۔

ابتدا میں امیر خاں کے ساتھ ان کے کچھ دوست اور احباب تھے جن کی تعداد تقریباً چالیس تھی ان تمام افراد نے امیر خاں کے علم و ہنر، بردباری، جواں مردی، طاقت اور سیاسی بصیرت کو سمجھتے اور تسلیم کرتے ہوئے انھیں اپنا امیر قافلہ قبول کر لیا تھا۔ ان میں ان کے بچپن کے وہ احباب بھی شامل تھے جو جانتے تھے کہ امیر خاں بادشاہ بننا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ سنبھل سے متھرا تک کا سفر امیر خاں کی زندگی میں پہلا اجتماعی سفر تھا جس کی رہنمائی انھوں نے خود کی یہی سفر دراصل ان کی سیاسی زندگی کی ابتدا تھی یہ ۱۷۹۸ء کا زمانہ تھا۔

متھرا میں سفر ختم ہونے کے بعد امیر خاں نے اپنے تمام دوستوں کے ساتھ ڈنگو اینے کی رہنمائی میں ملازمت قبول کر لی۔ ڈنگو اینے سندھیا کے لیے ایک لشکر جرار بنا رہا تھا اور متھرا میں اس نے تقرری کے لیے ایک خاص خیمہ نصب کیا تھا۔ پہلے تو ڈنگو اینے نے امیر خاں کو کم عمر جان کر اپنی فوج میں شامل کرنے سے انکار کر دیا اور امیر خاں کے دوسرے احباب فوج میں شامل کر لیے گئے۔ لیکن احباب کی سفارش پر انھیں بھی ملازمت مل گئی۔ پر سکون نہ ملا۔ اس لیے دو دن کے بعد مایوس امیر خاں دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور دہلی کے بعد مالوہ پہنچے۔ مالوا میں انھیں نجف قلی خاں کی چھوٹی سی حکومت میں ملازمت ملی۔ بعد میں کچھ تجربہ حاصل کرنے کے بعد اسمٰعیل خاں کے ساتھ موضع پالن پور ضلع گجرات پہنچے اور وہاں رقم وصولی کرتے رہے۔ یہیں ان کی ملاقات رسالدار یوسف خاں سے ہوئی اور امیر خاں نے انھیں دوست بنا کر انھیں کے ساتھ جودھپور کے مہاراج وجے سنگھ کی حکومت کا رُخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسالدار یوسف خاں جو واقعتاً ضعیف العمر تھے نوجوان امیر خاں سے بہت متاثر تھے اور اپنی دختر اُن کی

زوجیت میں دینا چاہتے تھے لیکن امیر خاں کو ابھی شادی کا خیال تک نہیں تھا۔ وہ پہلے کچھ بننا چاہتے تھے اس لیے یوسف خاں کا ساتھ چھوڑا اور ایڈر چلے آئے۔ ایڈر میں دو ماہ رہے اور پھر بڑودہ کا رُخ کیا جو ان دنوں وڈوودرہ پکارا جاتا ہے۔

اب تک امیر خاں کے ساتھ تقریباً تین چار سو افراد اُن کی رہنمائی میں چلتے تھے۔ تمام افراد کے ساتھ امیر خاں نے بڑودہ میں گائیکواڑ کے یہاں ملازمت کرلی۔ لیکن یہ ملازمت بھی زیادہ دن تک نہ رہی اور امیر خاں ..... سکون کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے سورت پہنچے جہاں گائیکواڑ کے سرکاری پنڈت سے ان کی ملاقات ہوئی۔ پنڈت سورت میں چوتھ کی وصولی کیا کرتا تھا۔ سورت پہنچنے تک امیر خاں سے کئی ہمنوا رسد اور راہ کے خرچ کی کمی کے باعث ..... جدا ہوگئے تھے۔ لیکن زیادہ تر وفادار امیر خاں کے ساتھ تھے جو کئی ہفتوں تک فاقہ کشی کی مصیبت جھیل کر سورت پہنچے تھے۔ امیر خاں کو اپنے ہمنواؤں کا اتنا خیال تھا کہ راستے میں رسد کی خریدگی کے لیے انھوں نے اپنا پیارا گھوڑا تک بیچ دیا۔

پنڈت انگریزوں کے ظلم و تشدد سے پریشان تھا کیوں کہ وہ اس کی چوتھ وصولی میں رخنہ ڈالتے تھے۔ امیر خاں نے اُن کی مدد کی اور پنڈت باضابطہ چوتھ وصولی کرنے لگے۔ وہاں سے امیر خاں نے کوکن کی طرف کوچ کیا۔ جہاں پہنچتے پہنچتے ان کے ساتھ صرف ۵۰ افراد رہ گئے تھے۔ ان تمام لوگوں کو کوکن میں پنڈت نارو شنکر نے اپنی فوج میں تقرری دیدی اور اپنے ہمراہ مالوہ لے آیا۔ مالوہ میں جب امیر خاں پنڈت نارو شنکر کی ملازمت میں تھے اُسی دوران اُن کے چھوٹے بھائی کریم الدین خاں بھی ان کے قافلے میں آملے۔ ایک سال تک مستقل مالوہ میں رہنے کے بعد امیر خاں اپنے ہمنواؤں کے ساتھ بھوپال چلے آئے۔ بھوپال میں اُن دنوں چھتے خاں کی ۱۷۹۴ء میں موت کے فوراً بعد مختلف گروہ اپنی فوجی طاقت بڑھانے میں مشغول تھے۔ ۱۷۹۴ء سے ۱۷۹۶ء کے دوران دو سالوں میں کئی گروہ بھوپال پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے آپس میں جنگ کرنے لگے تھے۔ اس عرصہ میں امیر خاں نے جاگیردار حیات محمد کی ملازمت قبول کرلی۔ حیات محمد بھوپال حکومت کے وارثین میں اپنا الگ اور اہم مقام رکھتے تھے یہیں امیر خاں کی ملاقات جوش محمد، فیاض اللہ خاں اور مرید محمد وغیرہ دوسرے امیروں سے ہوئی جو سو دو سو افراد

کی رہنمائی میں اپنی شوکت کے مغرور سردار مانے جاتے تھے۔ اسی شہر میں امیر خاں نے کئی ایسے کارنامے کیے جس سے انھیں شہرت ملی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مراٹھوں نے ہوشنگ آباد قلعہ کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اور نواب غوث محمد خاں نے امیر خاں کو اپنے ہمنواؤں کے ساتھ اپنی ملازمت میں رکھ لیا تھا۔ نواب غوث کو جب مراٹھوں کے حملے کی خبر ملی تو انھوں نے قلعے کو بچانے کے لیے امیر خاں کو بھیجا۔ امیر خاں نے اپنے تین سو سپاہ کے ساتھ مراٹھوں سے جنگ کی اور انھیں مار بھگایا۔ لیکن قلعدار پہلے ہی مراٹھوں کی غلامی قبول کر چکا تھا۔ امیر خاں وہاں سے سرونج آگئے اور سردار لکھشمن راؤ کے پاس امیدواری کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد امیر خاں کی بہادری سے خوش ہو کر سردار بال راؤ نے انھیں اپنے مفاد میں تقرری دی۔ لیکن دونوں سردار تنخواہ دینے میں بے ایمان نکلے۔ امیر خاں نے دونوں کو ان کے دربار میں خنجر کی نوک پر اتی اور اپنے ہمنواؤں کی تنخواہ وصول کی اور مایوس ہو کر واپس بھوپال آگئے۔ اتفاق سے انھیں فوراً ہی بھوپال کے نواب مرید محمد خاں کے یہاں ملازمت مل گئی۔ لیکن مرید خاں بھی اقتصادی طور پر کمزور ثابت ہوئے اس لیے امیر خاں نے بھوپال کو دوبارہ چھوڑنے کا ارادہ کیا اور واپس سرونج آگئے۔

انھیں دنوں دولت راؤ سندھیا نے راجہ جے سنگھ اور دُرجن سال کی حکومت ضبط کر لی اور ان دونوں کو رگھوگڑھ شجاولپور سے نکال دیا۔ مجبور ہو کر ان مایوس حکمرانوں نے تاراجی شروع کر دی۔ ادھر مایوس امیر خاں نے بھی تاراجی کا راستہ اپنایا اور ان دونوں کے ساتھ ہو گئے انھوں نے سرونج کا علاقہ چھوڑ دیا۔ سندھیا اور ہولکر نے ان تینوں کی تاراجی روکنے کی بہت کوشش کی۔ یہاں تک کہ لکھشمن راؤ کو ایک لشکر جرار اور کچھ توپ خانہ دے کر مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ راجہ درجن سال اور جے سنگھ مقابلے کے لیے تیار نہ ہوئے لیکن امیر خاں اپنے چند ہمنواؤں کے ساتھ میدان جنگ میں آگئے اور بہادری کے ساتھ فتحیاب ہوئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے لکھشمن راؤ سے توپ خانہ اور دوسرے جنگی ساز و سامان تک چھین لے اور نوبت یہاں تک پہنچی لکھشمن راؤ کو قتل کر دیا اور جو لوگ سندھیا اور ہولکر کے وفادار تھے شکست کھا کر فرار ہو گئے امیر خاں سرونج پہنچے جہاں دُرجن سال اور جے سنگھ کے ساتھ دوبارہ انھوں نے تثلیث قائم کر لی۔

شکست کھانے کے بعد سندھیا نے انتقامی جذبہ کے تحت دوبارہ ایک لشکر تیار کیا اور سردار بالاراؤ کی قیادت میں اُسے امیر خاں کی تثلیث سے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ جے سنگھ اور سندھیا اس مرتبہ بھی جنگل میں جا چھپے لیکن امیر خاں نے پیٹھ نہ دکھائی۔ بالاراؤ اس مقابلہ سے قبل سے ہی امیر خاں کا لوہا مانتا تھا۔ اس لیے اُس نے جنگ کرنے کے بجائے ایک معاہدہ کر لیا اور دس ہزار روپے نقد تاوان دے کر لکشمن راؤ کا توپ خانہ واپس لے لیا۔ توپ خانہ واپس لینے کے بعد بالاراؤ درجن سال اور جے سنگھ کی تلاش میں چندیری کے جنگل کی طرف جا نکلا۔ اس وقت تک جے سنگھ دونوں چچا بھتیجوں نے دس ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج بنالی تھی۔ بالاراؤ کے کوچ کے بعد امیر خاں نے مصیبت میں مبتلا اپنے دوستوں کی امداد کے لیے چندیری کا رُخ کیا۔ وہاں تثلیث مکمل ہوتے ہی جے سنگھ، دُرجن سال اور امیر خاں رگھو گڑھ کی طرف جا نکلے لیکن وہاں سندھیا کی ایک بہت بڑی فوج سے مقابلہ ٹھہرا اور امیر خاں کی تثلیث کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ راجہ دُرجن سال نے شکست کے لیے جے سنگھ کو ذمہ دار ٹھہرایا اور علیحدگی اختیار کر لی لیکن امیر خاں نے جے سنگھ کا ساتھ دیا اور دونوں میں معاہدہ ہو گیا کہ یہاں کے بعد جس حکومت پر بھی قبضہ ہو گا جے سنگھ اور امیر خاں اُس میں سے آدھے آدھے کے حقدار ہوں گے۔

رگھو گڑھ کی شکست کے بعد امیر خاں اور جے سنگھ کو کافی عرصہ تک چین اور سکون کی گھڑیاں نصیب نہ ہوئیں کیونکہ سندھیا کی افواج چار حصّوں میں منقسم ہو کر دونوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ لیکن دونوں سندھیا کی افواج کو فریب دینے میں کامیاب ہوتے رہے۔ اس عرصہ میں خود امیر خاں پورے اٹھارہ دن تک گھوڑے کی پیٹھ ہی پر سوار رہے۔ اسی دوران دُرجن سال بھی دوبارہ اپنے دوستوں سے آملا اور تثلیث پھر قائم ہو گئی۔ آخر کار امیر خاں کی چالوں سے بالاراؤ تنگ آ گیا۔ وہ منقسم افواج کا سپہ سالار تھا۔ مہینوں کی بھاگ دوڑ کے بعد عاجز ہو کر بالاراؤ نے جے سنگھ سے معاہدہ کر لیا اور آدھی حکومت اُس کے سپرد کر دی۔ جے سنگھ کو اپنی آدھی حکومت کی واپسی پر بہت بڑی خوشی ہوئی مگر اس نے وعدے کے مطابق حاصل حکومت کا نصف حصّہ امیر خاں کو دینے سے انکار کر دیا۔

اس مقام پر درجن سال جے سنگھ کا دوست بن گیا اور دونوں نے امیر خاں کے قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن امیر خاں نے جب اپنی تثلیث کے دو مہروں کی نیت خراب دیکھی تو وہ خاموشی سے شجاولپور کی طرف روانہ ہو گئے اُس وقت شجاولپور پر بالا راؤ قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن وہاں کے قلعہ دار نے اُسے وعدوں کے فریب میں اُلجھا رکھا تھا اور بات آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ امیر خاں نے وقت کی نزاکت کا فائدہ اٹھایا اور قلعہ دار سے دس ہزار روپے نقد کے معاوضے پر بالا راؤ سے مقابلے کو تیار ہو گئے بالا راؤ نے ۔۔۔ ایک پنڈت کی رہنمائی میں چھوٹی سی فوج بھیجی جسے امیر خاں نے پہلے ہی دور میں شکست فاش دی۔ بعد ازاں خود بالا راؤ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ مقابل ہوا اور توپ خانہ کے ساتھ شجاولپور کے میدان میں آ کھڑا ہوا۔ حالانکہ اُسے امیر خاں نے اپنی فوج میں شامل کرنے کی ایک نادان کوشش بھی کی لیکن بالا راؤ نے شجاولپور کے حکمران اور پیشوا کے فرمانبردار سے رشتہ قائم کیا اور علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد امیر خاں کو اپنی حکومت میں ملازمت دے دی۔

اُن دنوں بھوپال بہت بکھر چکا تھا۔ مرید محمد خاں، غوث محمد خاں اور وزیر محمد خاں آپس میں مقابلہ آرائی کر رہے تھے۔ مرید محمد خاں نے خود کو بے یار و مددگار جان کر بالا راؤ کو دعوت بھیجی کہ وہ آئے اور قلعہ پر قبضہ کر لے۔ بالا راؤ نے موقع غنیمت جانا اور کلب علی کے ہمراہ وہاں پہنچا اور اس نے مرید محمد خاں کی مدد سے فتح گڑھ کے ایک قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ بعد میں مرید محمد خاں بالا راؤ کی پناہ میں رہنے لگے۔ مرید کی اس حرکت کے بعد غوث محمد خاں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور قلعہ امیر خاں کے حوالے کر دیا۔ بالا راؤ کو محسوس ہوا کہ وہ جیتی ہوئی بازی ہار رہا ہے اس لیے اس نے قلعے میں امیر خاں کو رسد بھیجنے سے انکار کر دیا۔ بھوک پیاس سے تپتے ہوئے امیر خاں نے اپنے ہمنواؤں کی پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لیے شہر بھوپال پر گولہ باری شروع کر دی تب کہیں غوث محمد اور شہریوں نے قلعہ میں کھانا بھیجا۔ اس کے بعد سالوں یہی سلسلہ چلتا رہا۔ امیر خاں کو جب بھی رسد کی ضرورت ہوتی شہر پر ایک گولہ داغ دیا جاتا اور رسد آ جاتی۔ وزیر محمد خاں نے بعد کے دنوں میں امیر خاں کو لالچ دے کر قلعہ چھوڑنے کے لیے بھی کہا لیکن ناکام رہے اور آخر کار انھوں نے بالا راؤ کو [illegible] ہزار روپے کے عوض بیچ دیا۔

بالا راؤ نے اس سودے کے بعد امیر خاں کو بلوا لیا۔ امیر خاں پہلے ہی دن اُس کے سامنے حاضر ہوئے لیکن انھوں نے بالا راؤ کی ملازمت سے سبکدوشی اختیار کر لی اور ملازمت کے لیے بھوپال کا رخ کیا۔

نواب بھوپال کے لیے امیر خاں نے مراٹھوں سے کئی مقابلے کیے اور کامیاب بھی ہوئے۔ اس وقت امیر خاں دس ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج کے مالک اور سربراہ تھے۔ جس کا خرچ پورا کرنا کسی چھوٹی ریاست کے لیے ناممکن تھا۔ لہٰذا امیر خاں نے بھوپال کے شہریوں سے جزیہ وصول کیا اور اپنی افواج کو جو دو دو ہزار کی ٹکڑیوں میں منقسم تھی تنخواہیں دیں اور نواب کی ملازمت چھوڑ دی۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ مرید محمد خاں کی موت کے بعد بالا راؤ انگیلیا کا تعلق وہاں سے منقطع ہو گیا تھا اور امیر خاں نے فتح گڑھ سے اپنا رشتہ توڑ لیا تھا۔ اس لیے امیر خاں نے تقریباً تین مہینے کے عرصے تک وزیر محمد خاں کے یہاں ملازمت کی کوششیں کیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

تکوجی ہولکر کی موت کے بعد جواندور کے راجہ تھے اور اہلیا بائی کے وارث قرار پائے ان کے بیٹوں میں بنی نہیں۔ تینوں میں راج گدی پر قبضہ کے سلسلے میں تضاد ہو گیا۔ تکوجی کا بڑا بیٹا کاشی راؤ نا تجربہ کار، کمزور اور بے یار و مددگار تھا۔ اس لیے تیسرے بیٹے جسونت راؤ جو کسی تیسری بیوی سے پیدا ہوا تھا حالات کا فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔ کاشی راؤ اُس وقت دولت راؤ سندھیا کی قید میں تھا اور اُس سے چھوٹے ملہار راؤ کا قتل ہو چکا تھا۔ جسونت کے سگے چھوٹے بھائی یعنی چوتھے بیٹے بٹھوجی کنور کو پونا میں سلطنت کے رکھوالے پیشوا نے ہاتھی کے پیروں تلے کچل کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اُس وقت جسونت راؤ ناگپور کے راجہ رگھوجی بھونسلے کی پناہ میں امداد کی غرض سے حاضر ہوا لیکن رگھوجی نے اُسے قید کروا کر تہہ خانے میں ڈلوا دیا اور جسونت کی تمام جائداد و دولت پر رگھوجی کے چہیتے بھائی اپوجی بھونسلے نے قبضہ کر لیا۔ بعد میں جسونت راؤ نے کئی مرتبہ قید سے بھاگنے کی ناکام کوشش کی لیکن رگھوجی کے قید خانے کی بڑی دھوم تھی کہ وہاں سے پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔

لیکن بہت جلد شاہ محمد اور بھوانی شنکر نامی دو اشخاص ، جو آپس میں گہرے دوست تھے اپنی جان کی بازی لگا کر جسونت راؤ کو رگھوجی کی قید سے آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

آگے چل کر بھی اور اس حادثے سے قبل بھی بھوانی شنکر جسونت راؤ کا وزیر اعظم، سرپرست، حکمت عملی کا ماہر اور کاروباری نیز جنگ میں اُس کا حقیقی وفادار دوست اور مددگار تھا۔ ناگپور جیل سے بھاگ کر جسونت راؤ خان دلیش پہنچا جہاں اُس نے اپنے استاد کی دعائیں حاصل کیں اور فوراً مالوہ کے لیے کوچ کر گیا۔ دھار میں اُس کی دوستی وہاں کے راجہ آنند راؤ سے ہوگئی اور جسونت راؤ اُس کا مہمان ہوگیا۔ اسی عرصہ میں رنگا راؤ نے آنند راؤ پر حملہ کر دیا جسونت راؤ نے دوستی کا فرض ادا کیا اور رنگا راؤ کو واپس بھیجنے میں کامیاب ہوا۔

دولت راؤ سندھیا جسونت راؤ ہولکر کا ہم عصر تھا اور مقبول ترین بہادر سپہ سالار مہاد جی سندھیا کا وارث تھا۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کند ذہن اور جاہل ہے، کمزور لاپروا ہے، قابل اعتبار فاضل خدمت گاروں کی شناخت کرنے سے قاصر ہے اور عیاش ہے۔ لیکن اُس کا قبضہ ہولکر کے صوبوں پر برابر قائم رہا۔ ایک دن اُس نے آنند راؤ کو خط بھیجا کہ جسونت راؤ کو گرفتار کر کے ہولکر حکومت کے حوالے کر دیا اُسے اپنی حکومت سے باہر نکال دو۔ آنند راؤ نے ایسا ہی کیا اور جسونت راؤ کو حکومت سے باہر چلے جانے کو کہا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دولت راؤ سندھیا نے اندور میں اپنے ہمنوا اور ہم پیالہ لیکن جسونت راؤ کے بڑے بھائی کاشی راؤ کو اندور کی حکومت کا شاہ بنا رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کاشی راؤ جیسے حکمراں کے مقابلے جسونت راؤ جیسا دانشور اور جنگجو شخص تخت نشین ہو۔ تاکہ ہولکر کی حکومت پر سندھیا کی ملکیت قائم رہے۔ ورنہ جسونت راؤ تخت نشین ہوا تو دولت راؤ کی حکومت کے لیے ایک خطرہ بن جائے گا۔

جسونت راؤ بھی موقع کی تلاش میں ادھر اُدھر تاراج کرتا رہا اور اپنے لیے دولت اسلحہ افواج جمع کرتا رہا اور ایک دن سارنگ پور پہنچ کر سندھیا کے لیے ایک مستقل دردِ سر بن گیا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ سارنگ پور کے شہریوں نے جسونت کی رہنمائی قبول کر لی اور اس کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ وزیر حسین، سید سعید الدین اور مردان علی جیسے سردار بھی اپنی اپنی چھوٹی فوجی ٹکڑیوں کے ساتھ جسونت راؤ کے وفادار ہوگئے۔

یہیں سے تاریخ نے کروٹ لی۔ ایک نیا دور شروع ہوا جسونت راؤ نے اپنی زندگی کی

اہم ترین جد و جہد کی ابتدا کی ۔ وزیر حسین نے جسونت کو مشورہ دیا کہ اگر وہ واقعتاً فتح یاب ہونا چاہتا ہے تو سردار امیر خاں کو اپنا دوست اور ہمدم بنالے، اُن کی مدد حاصل کرے اور جو بھی جنگ کرے وہ امیر خاں کے مشورے سے کرے کیونکہ پورے علاقے میں امیر خاں جیسی میدانِ جنگ کی حکمتِ عملی کا ماہر کوئی دوسرا نہیں ہے۔

جسونت راؤ ہولکر نے مشورہ کو گرانقدر تسلیم کیا اور قاصد بھیج کر امیر خاں کو دوستی کے لیے مدعو کیا۔ ۱۸۰۰ء میں امیر خاں نے جسونت راؤ ہولکر کے لیے وفاداری کا حلف لیا۔ یہ بھی قابلِ غور امر ہے کہ جسونت راؤ ہولکر اور امیر خاں وقت کے عظیم جنگجو اور بہادر سپہ سالار تھے۔ لہٰذا دونوں نے آپسی اتفاق سے پورے ہندوستان میں سیکڑوں حکومتوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔

دونوں ایک دوسرے کے لیے سچے وفادار ثابت ہوئے۔ پہلے جسونت راؤ کو شجاولپور کے عامل سے سات سو روپے ماہوار خرچ ملا کرتا تھا۔ لیکن جب امیر خاں سے اُس کی دوستی ہوگئی تو یہی رقم سات ہزار ہوگئی۔

اسی طرح دونوں جاگیرداروں اور صوبائی حکمرانوں سے چوتھ وصولتے رہے اور اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرتے رہے۔

امیر خاں نے ایک مرتبہ آگرہ سفر کے دوران اپنی جمع پونجی غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دی۔ جب یہ بات ہولکر کو پتہ چلی تو وہ سخت ناراض ہوا اور اُس نے امیر خاں سے جواب طلب کیا کہ وہ جسونت راؤ ہولکر سے کیے گئے وعدے کے مطابق ساتھ نہ رہ کر کیا فقیری اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ امیر خاں نے جواب دیا کہ سخاوت اُن کی عادت ہے۔ وہ اسے نہیں چھوڑ سکتے وفاداری اُن کا ایمان ہے اور سپاہ گری اُن کا پیشہ تو وعدے کے مطابق وہ جسونت راؤ کی مدد ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ امیر خاں کا جواب سُن کر ہولکر کو اطمینان ہوا اور خوش ہو کر انھوں نے آپس میں ایک معاہدہ کر لیا جس میں درج تھا کہ امیر خاں ہمیشہ جسونت راؤ کی مدد کرتے رہیں گے اور ہولکر انہیں بدلے میں تاراجی، وصولی اور تاوانِ جنگ میں حاصل دولت کا آدھا حصہ دیتے رہیں گے۔

اس معاہدہ کے فوراً بعد امیر خاں اور ہولکر دریائے نرمدا کے ساحل پر آباد شہر ہنڈیا کے راجہ کے حضور میں پہنچے۔ پہلے چال کی یہ کی کہ امیر خاں نے اپنے بھائی کریم الدین کو دریا کے پار بھیج دیا تاکہ سندھیا کی فوج میں خوف کا ماحول بن سکے اور ادھر امیر اور ہولکر کی فوج نے دریا پار کر لیا۔ دشمن دونوں طرف سے امیر خاں کے حصار میں تھا وہ میدان چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ امیر خاں کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے جسونت راؤ اور امیر خاں کی یہ پہلی لیکن بہت بڑی فتح تھی۔ دونوں نے شہر ہنڈیا کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور امید سے کہیں زیادہ دولت اور افواج کے مالک بن بیٹھے۔

امیر خاں نے ہولکر کو خزانہ دکھاتے ہوئے کہا " دیکھو جسونت راؤ ہم نے غریبوں کی مدد کی تھی اور آج خدا نے ہمیں اس سے دس گنا زیادہ دولت دے دی"۔ ہولکر اس جملے سے بہت متاثر ہوئے۔

ہنڈیا پر تسلط قائم کرنے کے بعد دونوں کھنڈوا پہنچے اور وہاں چوتھ وصولی کے بعد فوراً دھار کی طرف روانہ ہوئے جہاں ڈوڈریس اپنی دو بٹالین کے ساتھ موجود تھا۔ ڈوڈریس کاشی راؤ کا سپہ سالار تھا اور طاقت ور جنگجو مانا جاتا تھا۔ امیر نامہ میں درج ہے کہ ڈوڈریس سے خوفزدہ ہو کر جسونت راؤ نے جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہ ڈوڈریس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن امیر خاں نے اپنی تھوڑی سی سپاہ کے ہمراہ ڈوڈریس کی فوج کا مقابلہ کیا۔ دشمن کی فوج سے توپ کا ایک گولہ امیر خاں کی فوجی ٹکری پر آگرنے سے اس کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب امیر خاں کے پاس کل سترہ عدد سوار باقی رہے تھے۔ امیر خاں نے حوصلہ بلند رکھا اور انھیں سترہ سواروں کے ساتھ ڈوڈریس کی فوج پر ٹوٹ پڑے یہ اتفاق تھا یا کہ خدائی طاقت تھی جس سے ڈوڈریس کی فوج بہت پیچھے جا پڑی یہاں تک کہ امیر خاں کے نو عدد سوار اس حملے میں خود جاں بحق ہوئے۔ آٹھ سواروں کے ساتھ امیر خاں نے قلعے کے دروازے پر پوری ایک ہزار سواروں کی پلٹن کا مقابلہ کیا۔ تب تک امیر خاں کے فرار ہمنوا واپس آگئے جس کی وجہ سے ان کی فوجی طاقت ہزاروں کی ہو گئی۔ اب کامیابی امیر خاں کے سامنے تھی۔ موقع غنیمت جان کر ہولکر بھی ان کی مدد کو آگیا۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ڈوڈریس مع اپنی پلٹن کے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ حادثہ ۱۷۹۸ء کے دسمبر کا ہے۔

جنگ سے ڈوڈریس فرار ہوکر اندور پہنچا اور مہیشور پر امیر خاں کا قبضہ ہو گیا۔ امیر خاں نے جسونت راؤ کو مہیشور کے تخت پر بٹھایا اور خود محافظ حکومت کا عہدہ سنبھالا۔ حالانکہ ہولکر نے ایک ہی تخت پر دونوں دوستوں کی نشست کی تجویز رکھی تھی لیکن امیر خاں نے صاف انکار کر دیا کہ ایک تخت پر دو شخص کبھی نہیں بیٹھ سکتے ویسے بھی اس تخت کے مالک آپ ہیں میں تو آپ کا سپاہی ہوں اور آئندہ بھی رہوں گا۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد ایک دن نشانہ بازی کرتے ہوئے جسونت راؤ ہولکر کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ جب زخم اچھا ہوا تو جشن منایا گیا اور اسی موقع پر ہولکر نے امیر خاں کو نواب کے خطاب سے سرفراز کیا اور ان کے خرچ کے لیے سرونج کی جاگیر عطا کر دی

حالانکہ امیر خاں ظاہری طور پر جسونت راؤ کے ملازم تھے لیکن ہولکر نے ان کے ساتھ کبھی مالک اور نوکر کا امتیاز نہیں رکھا۔ آپس میں ان کا اخلاق دوستانہ تھا۔ یہاں تک کہ امیر خاں کسی بھی کام کو انجام دینے کے لیے آزاد رہے جسے چاہتے فوج میں رکھ لیتے اور جسے چاہتے نکال دیتے۔ کبھی کبھی امیر خاں کو تکلیف اور مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ کیونکہ جب فوج کو دینے کے لیے تنخواہ کی رقم کا انتظام نہ ہوتا تو ـــــ تاراجی کرنی پڑتی۔ پھر بھی جب ضرورت پوری نہ ہوتی تو فوجی افراد اُنھیں پریشان کر دیتے۔ ایک مرتبہ تو تنخواہ نہ ملنے پر اُسی فوج نے جو اُن کے اشارے پر جان دیا کرتی تھی امیر خاں کو توپ کے منہ سے باندھ کر گھنٹوں دھوپ میں کھڑا رکھا۔ حالاں کہ ایسا کرنے کی صلاح خود امیر خاں نے دی تھی تاکہ فوج کا اُن کے حق میں غصہ ختم ہو جائے۔ اس کے باوجود فوج نے ہمیشہ امیر خاں کی وفاداری کی اور اُن کے اشارہ پر اپنی جان دینے سے بھی باز نہیں آئی۔ فوج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ہولکر نے امیر خاں کو کئی گاؤں اور جاگیریں دی تھیں۔

لیکن خرچ زیادہ ہونے کی وجہ سے امیر خاں کی یہ فوج راجستھان، مالوہ، بندیل کھنڈ کے علاقوں میں تاراجی کرنے پر مجبور ہوتی۔ وقت کے ساتھ تاراجی کا سلسلہ بڑھتا رہا اور امیر خاں کے ٹولے میں پینتالیس ہزار افراد شامل ہو گئے۔ اس ٹولے کے پاس ۱۸۰۶ء میں ۱۱۵ عدد توپیں تھیں اور یہ ٹولہ شمال جنوب کے ہندوستانی علاقے کی سب سے بڑی فوج

مانا جاتا تھا۔

مہیشور کی راج گدی چھوڑنے کے بعد ہی ڈوڈرلیس نے اندور میں جنگ کی تیاریاں پوری کیں اور پھر مارچ ۱۷۹۹ء میں چھ بڑی بٹالین اور اسپ سواروں کے ساتھ مہیشور سے صرف چھ میل شمال میں جنیلی نامی ایک علاقے کی طرف آدھمکا۔ وہاں جنگ ہوئی جس میں سپہ سالار ڈوڈرلیس کی فوج نے جسونت کا رسالہ کاٹ ڈالا۔ فرانسیسی سالار کی ناگا پلٹن نے جسونت راؤ کی فوج کو آخر کار وادیوں میں جا گرایا۔

جسونت راؤ خوب لڑا۔ لیکن اُس کے ہمنوا اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس لیے اُسے پیچھے ہٹنا پڑا اور اُس کی یہ پہلی شکست ایک جہدِ مسلسل کا آغاز بن گئی۔ کیونکہ اس جنگ کے بعد اُس کی زیادہ تر فوجیں دھرم پوری کی طرف فرار ہو گئے۔ جو مہیشور سے ۱۵ میل کے فاصلے پر مغربی علاقے کا ایک خوش حال گاؤں تھا اور دریائے نرمدا کے ساحل پر آباد تھا۔ اسی گاؤں میں جسونت راؤ، امیر خاں اور بھوانی شنکر وغیرہ بھی آگئے۔ جنگ سے فرار ہوتے ہوئے جسونت راؤ نے اہلیہ بائی کے زیورات اور نقد فنڈ پر قبضہ کر لیا تھا جسے وہ ساتھ لے گیا تھا۔ اپنی فتح کے بعد ڈوڈرلیس نے شاہی خزانہ اور قیمتی ساز و سامان پر قبضہ کر لیا اور ان شہریوں پر جو جسونت کے حامی تھے ناقابلِ برداشت جزیہ عاید کر دیا۔ اُدھر جسونت راؤ دھرم پوری سے دُرجن پور چلا گیا۔ وہاں سے اُس نے فوج کی ایک ٹکڑی بھیجی جس نے پوری کامیابی کے ساتھ ڈوڈرلیس کا مقابلہ کیا اور اُس کی رہائش گاہ سے اُس کا تمام سامان لوٹ لیا۔ یہ وہی سامان تھے جو وہ پہلے اندور چھوڑ گیا تھا۔ آخر کار جسونت راؤ نے فوج میں نئی تقرری کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کیا اور مہیشور سے اندور جانے والی دونوں وادیوں جام گھاٹ اور سمروٹ گھاٹ کے علاقے میں اپنی فوجی چوکیاں قائم کر دیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ڈوڈرلیس کے پاس رسد پہنچنا بند ہو گئی۔ بھوک اور غریبی سے عاجز آ کر ڈوڈرلیس نے کاشی راؤ کی حمایت واپس لے لی اور جسونت راؤ کی سلطانی قبول کر لی۔ یہاں تک کہ اس نے جسونت راؤ کو ہولکر حکومت کا قانونی مالک تسلیم کر لیا۔ ۱۷۹۹ء تک دھار میں جسونت راؤ کا کوئی دشمن باقی نہیں بچا تھا۔

ادھر امیر خاں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ڈوڈریس کو شکستِ فاش سے دو چار نہیں کردیتے تب تک نہ تو سر پر پگڑی باندھیں گے اور نہ داڑھی بنوائیں گے لیکن جب ڈوڈریس نے خود کو ہولکر کے سپرد کر دیا تو ہولکر نے امیر خاں سے کہا کہ جب ڈوڈریس ان سے ملاقات کے لیے آئے اُسی وقت اُس کا قتل کر دیا جائے۔ لیکن امیر خاں نے جواب دیا جو میری حفاظت میں آئے گا قتل کرنا میرے اصول میں شامل نہیں۔ یہ سراسر غداری ہوگی اور غداری مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرتی ہے۔ یہاں تک کہ امیر خاں ڈوڈریس کے استقبال کے لیے خود گئے اور اُسے توپوں کی سلامی دینے کے بعد پگڑی بدل کر وقار اور جاہ و جلال میں بھائی تسلیم کر لیا۔

اس واقعے کے بعد امیر خاں نے ہولکر سے ملک کے دوسرے علاقوں میں گشت کی اجازت لے لی کیونکہ اُن کا اپنی فوج کا خرچ چلانا ناممکن اور پریشان کن ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن یہ وعدہ کیا کہ جب بھی ہولکر کو امیر خاں اور ان کے افواج کی ضرورت ہوگی دونوں آپس میں مل جائیں گے۔ لہٰذا امیر خاں اپنی فوج کے ہمراہ سرونج واپس آ گئے سرونج میں ہی راؤ ہمت رائے امیر خاں سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ ہمت رائے کو امیر خاں نے سرونج کا مالگذار بنایا تھا۔ آپسی ملاقات کے بعد امیر خاں نے کوچ کیا اور پہلی ملاقات میں ہی ملہار گڑھ کے حاکم سے خراج وصول کیا۔ وہاں سے ساگر پہنچے۔ جہاں امبا جی سے ان کی جنگ ہوئی۔ امبا جی شکست کھا کر قلعے میں جا چھپے اور ناگپور کے راجہ رگھوجی سے مدد طلب کی۔ رگھوجی نے فوراً ایک بڑی فوج کو روانہ کیا۔ تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے نواب امیر خاں کی فوج نے بغاوت کا ارادہ کر لیا تھا۔ کچھ سپاہیوں کے ہمراہ نواب نے اپنی فوج کے افراد سے جنگ کرنے سے متعلق مشورہ طلب کیا لیکن کوئی جنگ میں ان کا ساتھ دینے کو تیار نہ ہوا۔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امیر خاں نے فوراً جسونت راؤ ہولکر کو خط روانہ کیا جس میں لکھا گیا تھا کہ اگر وہ مدد کرنے کو تیار ہوں تو ناگپور کے راجہ رگھوجی سے پرانا انتقام لیا جا سکتا ہے کیونکہ رگھوجی کی فوجی طاقت اور جنگی لائحہ عمل کو انھوں نے پرکھ لیا ہے لیکن ہولکر نے اس خط کا جواب تک نہیں دیا۔

امیر خاں مایوس ہو کر سرونج واپس آ گئے۔ ساگر کی تاراجی میں اتنا مالِ غنیمت

ہاتھ آگیا تھا کہ تمام فوجی افراد اپنا اپنا معقول حصہ لے کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ امیرخاں کے پاس صرف بارہ ہزار افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی فوج بچ گئی ۷۵ فیصد فوجی امیرخاں کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

کچھ عرصہ بعد امیرخاں نے سرونج سے جھانسی کی طرف کوچ کیا اور وہاں پہنچ کر انھوں نے وہاں کے حکمراں بالاراؤ انگلیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے دوستی قائم کرلی۔ لہٰذا جھانسی سے بغیر خراج وصول کیے ہی وہ آگے کی طرف چلے۔ لیکن نئی سرائے پہنچ کر انھوں نے خراج کی وصولی کی اور واپس سرونج آگئے۔ کچھ عرصہ بعد روپیوں کی ضرورت نے شدّت اختیار کی تو شجاولپور کا حصار کیا اور جب فوج شہر کے اندر داخل ہوگئی تو امیرخاں کے بھائی کریم الدین خاں کو کسی نے گولی ماردی جس سے ان کی موت ہوگئی۔ امیرخاں کو اس کا بہت غم ہوا لیکن انھوں نے حوصلہ بلند رکھا اور کریم الدین کے عہدہ پر ان کے بیٹے اور اپنے بھتیجے صالح محمد کی تقرری کردی۔

یہی زمانہ تھا جب جسونت راؤ ہولکر نے شادی رچائی۔ امیرخاں نے اپنی طرف سے ہمّت رائے کو شادی میں شرکت کے لیے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر ہمت رائے کو معلوم ہوا کہ کوتوال نے ہولکر کو امیرخاں کی طرف سے بدگمان کر رکھا ہے۔ ہولکر نے دھوکہ سے قتل کرنے کی نیت کی اور امیرخاں کو اندور بلوایا۔ دکھاوے کی دوستانہ ملاقات ہوئی۔ لیکن خفیہ طور پر امیرخاں کو کئی حملوں کا سامنا کرنا پڑا موقع پاکر امیرخاں نے ایک دن ہولکر کو گریبان سے پکڑلیا اور اپنا خنجر دیتے ہوئے بولے اگر تم مجھے ختم کرنا چاہتے ہو تو میرے خنجر سے کرو اور اپنی ضرورت پوری کرو۔ امیرخاں کے اس برتاؤ سے ہولکر شرمندہ ہوا اور آئندہ دوستی اور آپسی اخلاق کے لیے پابند اور وفادار رہنے کے لیے اُس نے حلف برداری بھی کی۔ اس حادثے کے بعد دونوں کا دل ایک دوسرے کے لیے صاف ہوگیا۔ یہ ۱۸۰۲ء کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد دولت راؤ سندھیا نے جورس صاحب اور بلونت راؤ بوکڑھا کو دس ہزار پنڈاریوں کے ساتھ ہولکر کو شکست دینے کے لیے بھیجا اور خود بھی جنوبی علاقے کی طرف ایک لشکرِ جرّار لے کر روانہ ہوا۔ لیکن دریائے نرمدا کے ساحل پر ہولکر نے بوکڑھا کو روکنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد جب مدد کے لیے امیرخاں کو طلب کیا۔ امیرخاں آئے تو وہ ہولکر سے ملاقات

کے بجائے سیدھے ہوکر ھاسے مقابل ہوئے ہو کڑھا گھنٹے دو گھنٹے کی جنگ کے بعد بھاگ کھڑا ہوا۔ امیر خاں نے اُجین تک اُس کا تعاقب کیا۔ اُجین کے راستے میں ہی ہولکر اور امیر خاں ایک جگہ مل گئے۔ دونوں کے حوصلے بلند ہوئے اور آگے بڑھ کر دونوں نے اُجین پر قبضہ کرلیا۔ وہاں اپنا تسلّط قائم کرنے کے بعد دونوں اُجین سے نکل کر آگے چلے۔

سندھیا دولت راؤ کو اس شکست فاش سے بہت صدمہ پہنچا۔ اس نے ہمّت کی اور دوبارہ ایک لشکر ترتیب دے کر شرنیراؤ گھاٹگے، برادن رنگ اور سداشو وغیرہ جاں باز سرداروں کی قیادت میں مقابلہ کے لیے بھیجا۔ امیر خاں اور ہولکر کو خبر ملی تو دونوں واپس آئے۔ ہولکر بیس ہزار فوج کے ساتھ اجین کی حفاظت کے لیے اجین میں ہی رک گیا اور امیر خاں نے ہولکر کی دس ہزار فوج اور اپنی اکیس ہزار فوج کی کمان سنبھالی۔ لیکن امیر خاں کامیاب نہ ہوئے اور دونوں نے اُجین چھوڑ کر دوبارہ اندور واپسی کا ارادہ کیا۔ اس مرتبہ دشمن بھی ان کا تعاقب کرتا ہوا اندور تک آگیا۔ اس لیے دونوں وہاں سے بھی فرار ہوگئے۔ امیر خاں نے ایک نئی حکمتِ عملی کے تحت ہولکر کو چاندور ناسک کی ۔۔۔ طرف روانہ کیا اور خود خاندیش کی طرف چل پڑے یہ ۱۸۰۳ء کا زمانہ تھا۔

خاندیش تک پہنچنے کے راستے میں امیر خاں نے نارائن گڑھ کا قلعہ فتح کیا اور وہاں کا توپ خانہ لے کر آگے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ راستے میں دولت راؤ سندھیا کے سردار سداشو کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ تب تک خبر پاکر ہولکر بھی ان کی مدد کے لیے آپہنچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سداشو کو مع لشکر کے میدان چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔

یہاں کے بعد ہولکر اور امیر خاں کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے۔ دونوں نے مل کر پونا پر حملہ کرنے کی نیت سے کوچ کیا۔ پونا سے پانچ میل قبل پڑاؤ ڈالا اور ہولکر نے پونا کے پیشوا باجی راؤ کو خط لکھا کہ آپ مجھ میں اور دولت راؤ سندھیا میں مصالحت کرادیں۔ آپ کی نظر میں ہم ایک دوسرے کے برابر ہوں گے۔ اور امن کے لیے ضروری ہے کہ آپ کی پہل پر مجھ میں اور سندھیا میں اتفاق اور دوستی قائم ہوجائے۔ پیشوا نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جواب نہ پاکر ہولکر اور امیر خاں آگے بڑھے۔ اُدھر پیشوا ایک لاکھ فوج لے کر میدانِ جنگ میں مقابلہ کے لیے آ کھڑا ہوا۔ اور ایک طویل عرصہ تک یہ جنگ چلتی رہی جس کے

نتیجہ میں پیشوا کی شکست ہوئی اور پونا پر امیر خاں اور ہولکر کا قبضہ ہو گیا۔

پیشوا پونا سے بھاگ گیا۔ اُس نے مغربی گھاٹوں کی طرف پناہ اختیار کی۔ پونا پر امیر خاں اور ہولکر کا قبضہ مسلط تھا۔ ہولکر نے پونا سے پیشوا کو پھر خط لکھا کہ تم اپنی حکومت واپس لے لو اور ہماری دوستی سندھیا سے کرا دو۔ پیشوا نے پھر کوئی جواب نہیں دیا اور شرط رکھی کہ اگر امیر خاں اس کی حفاظت کا ذمّہ لیں تو وہ پونا آسکتا ہے۔ امیر خاں نے ہولکر کی نیت بھانپ لی اور خط کی پشت پر جواباً لکھا کہ یہ آپ کا گھریلو معاملہ ہے اس لیے میں اس میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔ پیشوا بھی امیر خاں کا جملہ سمجھ گیا اور مغربی گھاٹوں کے علاقے سے مانڈا کے قلعے میں جا چھپا۔ اُدھر ہولکر نے باجی راؤ کی جگہ اُس کے سوتیلے بھائی امرت راؤ کو پیشوا بنا دیا اور اُس سے دو کروڑ کا ملک اور ایک کروڑ روپیہ نقد کا سلسلہ ٹھہرایا۔

لیکن امرت راؤ نے کہا کہ جب تک باجی راؤ زندہ ہے میں اپنے آپ کو مکمل طور پر پیشوا تسلیم نہیں کر سکتا۔ عاجز آکر ہولکر نے امیر خاں کو بھیجا کہ وہ باجی راؤ کا کام تمام کر دیں مانڈے کے قلعے میں باجی راؤ کے خاندان کے دوسرے افراد بھی موجود تھے۔ امیر خاں نے انھیں لکھا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو پونا کی حکومت پر دوبارہ تسلّط دلا دوں گا اور ہولکر سے معاہدہ بھی کرا دوں گا۔ لیکن باجی راؤ نے انگریزوں کی سرپرستی قبول کر لی اور انگریزوں کی مدد سے ایک فوج لے کر پونا کی طرف واپس ہوا۔

اُدھر امیر خاں نے باجی راؤ کے اہلِ خاندان کو ساتھ لے جا کر پونا کے محل میں محفوظ کیا اور امرت راؤ سے نقد وصولی کی ذمّہ داری نبھانے میں لگ گئے بڑی مشکل سے وہ تین کروڑ کی جگہ صرف پچاس لاکھ روپیہ وصول کر سکے عین اُسی وقت انھیں خبر ملی کہ باجی راؤ اصلی کے ساتھ جو انگریزوں کا ایک جانباز سپہ سالار تھا پونا پر حملہ کرنے والا ہے۔ ادھر دوست راؤ سندھیا اور رگھوجی بھونسلے مالوہ سے پونا کی طرف ایک لشکر جرار لے کر آ گئے ہولکر نے جب محسوس کیا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گیا ہے تو جتنی دولت آسانی سے دستیاب ہو سکی لے کر ۱۸۰۳ء میں اورنگ آباد کی طرف چلا گیا۔

لیکن اس سے پہلے ایک دلچسپ حادثہ یہ ہوا کہ امیر خاں منگل ہیڑے کی طرف سے

جنگ کر رہے تھے کہ راستے میں انھیں واسلی کی بائیس پلٹنوں سے مقابلہ ٹھہرا جبکہ ٹھیک پشت پر نظام کی فوج آ رہی تھی۔ ابھی جنگ کا فیصلہ باقی تھا کہ رگھوجی بھونسلے اور دولت راؤ کے حملے سے خوف زدہ ہو کر جسونت راؤ ہولکر نے امیر خاں کو اپنی مدد کے لیے بلوا بھیجا۔ امیر خاں اورنگ آباد پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ ہولکر نے مقامی حکمراں سے ۱۰ لاکھ کا معاملہ طے کیا ہے۔ امیر خاں کو ہولکر نے اس میں سے چار لاکھ روپے کا نذرانہ دیا۔ جس میں سے ایک لاکھ روپے نقد تھے اور تین لاکھ روپے عوام سے وصول کرنے کی شرط رکھی گئی۔ امیر خاں نے جب رقم وصولی کی مہم چلائی تو نواب کی ماں نے زیورات اور کچھ نقد روپیہ بھیج کر باقی رقم کے لیے کچھ مہلت طلب کی۔ امیر خاں نے زیورات واپس کر دیے اور باقی رقم معاف کرنے کا رقعہ لکھ دیا جس سے اورنگ آباد کے نواب نظام علی خاں کی بیگم اور خود نواب بھی بہت متاثر ہوئے۔

بعد ازاں نواب نظام علی خاں نے واسلی سے کہا کہ آپ ہولکر کی فکر نہ کریں اور اگر امیر خاں کو اپنی طرف شامل کر لیں تو ہر طرف آپ کی فتح کے ڈنکے بج اٹھیں گے۔ واسلی نے نواب کا مشورہ قبول کر لیا اور پہلی بار انگریزوں نے امیر خاں کے پاس دوستی کا پیغام بھیجا۔ امیر خاں نے صلح کی شرط رکھی کہ انگریز وہیں ٹھہر جائیں جہاں تک آ چکے ہیں ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ امیر خاں نے واسلی سے خوف زدہ ہو کر صلح کر لی ہے۔ انگریز سپہ سالار نے شرط قبول کر لی۔ آخرش بات چیت شروع ہوئی۔ واسلی کی طرف سے ایک انگریز ساٹھ لاکھ کی ہنڈیاں لے کر آیا۔ ایک کروڑ کے ملک کا عطیہ دینے کا وعدہ کیا، اور ساتھ ہی نظام علی خاں کی طرف سے بھی ۱۸ لاکھ کا ملک دینے کی بات ٹھہری۔ امیر خاں نے ساری باتیں بہ غور سنیں ہنڈیاں حاصل کر لیں اور جواب میں کہا کہ وہ اپنا فیصلہ ہولکر کے مشورہ کے بعد بتائیں گے۔

اس امر میں امیر خاں اور جسونت راؤ ہولکر کی جب ملاقات ہوئی تو ہولکر نے امیر خاں کو بتایا کہ یہ انگریزوں کی چال ہے اور ——— انگریزوں سے معاہدہ کرنے کے لیے منع کر دیا۔ پھر امیر خاں نے ہولکر کو جب ساٹھ لاکھ کی ہنڈیاں دکھائیں تو ہولکر پھر ملائم ہو گیا اور اس امور پر دوبارہ غور کرنے کے لیے کہنے لگا۔ لیکن امیر خاں نے ہولکر کے سامنے ہنڈیاں رکھتے ہوئے کہا یہ تو ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اگر دوست کو ناراض کر کے اس سے بھی

بڑی دولت ملے تو بھی میں انکار کر دوں گا۔ ہولکر اس بات پر امیر خاں سے مزید متاثر ہوا۔

سندھیا باجی راؤ کا دوست تھا لیکن اُسے انگریزوں سے سخت دشمنی تھی۔ باجی راؤ جب انگریزوں کی پناہ میں زندگی گذارنے لگا تو اُسے اس بات کا بہت صدمہ ہوا۔ وہ اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور اُس نے انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کے لیے ہولکر اور امیر خاں سے صلح اختیار کر لی۔ اس طرح انگریزوں کے خلاف دولت راؤ سندھیا، رگھوجی بھونسلے، جسونت راؤ اور امیر خاں متحد ہوئے۔

ادھر واسلی صاحب حیدر آباد نظام کے ساتھ جنوب میں حملہ آور تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے دولت راؤ سندھیا اور رگھوجی بھونسلے کو چھوڑ گیا۔ شمال کی طرف سے جنرل میک کا حملہ روکنے کی غرض سے امیر خاں اور ہولکر روانہ ہوئے۔ اُدھر آپسی نا اتفاقی کی وجہ سے سندھیا اور بھونسلے نے الگ الگ انگریزوں سے جنگ کی اور شکست سے دوچار ہوئے۔ آخرش دونوں نے انگریزوں سے صلح کر لی۔

ہولکر اور امیر خاں نے جب سندھیا اور بھونسلے کو معاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تو دونوں دو الگ الگ سمتوں میں چلے گئے۔ ہولکر راجپوتانے کی طرف کوچ کر گیا اور امیر خاں انگریزوں کو عاجز کرنے کے ارادہ سے بندیل کھنڈ کی طرف روانہ ہوئے ہولکر کا راجپوتانے پر پورا دبدبہ تھا۔ وہ وہاں سے چوتھ وصول کیا کرتا تھا۔ یہ بات انگریزوں کو بہت ناگوار گزر رہی تھی۔ اس لیے جنرل مالیسن اور کولین ہولکر پر حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ میں کولین مارا گیا اور مالیسن فرار ہو گیا۔ حالانکہ ہولکر نے مالیسن کا متھرا تک تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا ہولکر اُسے زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے اُسے مارنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور فرخ آباد پر اُس نے حملہ کر دیا۔ یہاں ۱۸۰۵ء میں جسونت راؤ ہولکر کو ڈیگ کی اس جنگ میں شکست فاش ملی جس کی وجہ سے اُسے بھرت پور قلعہ میں پناہ لینی پڑی۔

کافی عرصہ تک ہولکر بھرت پور کے راجہ کا مہمان رہا۔ وہیں سے اُس نے اپنا قاصد بھیج کر

مدد کے لیے امیر خاں کو بلوایا۔ امیر خاں اس وقت بھیل قبیلے کو حصار میں لیے ہوئے تھے جب انھیں ہولکر کے قاصد نے خبر دی۔ امیر خاں نے فوراً ماٹڈل اور ساگر کے راجاؤں سے نذرانہ وصول کیا اور بھرت پور کے لیے چل پڑے۔

جب امیر خاں وہاں پہنچے جنرل لیک نے بھرت پور کو اپنی فوج کے حصار میں قید کر رکھا تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ امیر خاں بھرت پور اپنے دوست ہولکر کی مدد کے لیے پہنچنے ہی والے ہیں تو اُس نے موٹھے صاحب ناظم کو جو بندیل کھنڈ کا مال گزار تھا امیر خاں کی خدمت میں بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ ویجلی صاحب نے جتنی حکومت اور شہر کا عطیہ دینے کا وعدہ کیا ہے اس میں جنرل لیک کی طرف سے تیرہ[۱۳] لاکھ کی آمدنی والی ایک اور حکومت کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ آپ بھرت پور کی تاراجی سے باز رہیے۔ جواب میں امیر خاں نے قاصد موٹھے صاحب ناظم کو کہا کہ بھرت پور کا تو ہمارا اپنا علاقہ ہے اس میں سے وہ تقسیم اور عطیہ دینے والے کون ہوتے ہیں؟۔

بعد ازاں امیر خاں نے اپنے توپ خانہ اور خاندان کے افراد کو مختار الدولہ محمد شاہ کی حفاظت میں رکھا اور خود گوالیار کی طرف چلے گئے۔ ابھی وہ گوالیار سے کچھ دور ہی تھے کہ اُن کی آمد کی خبر سن کر انگریزوں کی چار پلٹنیں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں ۔ نواب امیر خاں پہلے تو کچھ دن گوالیار میں مہمان رہے پھر دھول پور کے لیے روانہ ہوئے۔ دھول پور پہنچنے پر امیر خاں کو جنرل لیک کا ایک اور قاصد محمد خاں آفریدی ملا۔ جس کے ذریعے لیک نے ۱۸ لاکھ روپے سالانہ آمدنی والی حکومت عطیہ دینے کی تجویز بھیجی تھی۔ لیکن امیر خاں نے صلح سے صاف انکار کر دیا۔

فتح پور سیکری کے نزدیک جسونت راؤ ہولکر نے نواب امیر خاں کا خیر مقدم کیا اور ایک لاکھ روپے کا نذرانہ ادا کیا۔ یہ رقم امیر خاں نے اپنی فوج میں تقسیم کر دی۔ امیر خاں نے پہلے باہر کے معاملات سنبھالے اور انگریز سپاہ کو حیران و پریشان کرنے کی سازش رچی۔ ان کا خیال تھا کہ جو امداد اور رسد کرنل میری کے ہمراہ انگریزوں کو پہنچتی ہے اُسے بھرت پور تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ انگریز بھرت پور پر اُس وقت تقریباً قابض ہو چکے تھے لیکن راجہ رنجیت سنگھ نے ایک نیک مشورہ یہ دیا کہ ایک سردار کو بھرت پور میں رہنا چاہیے اور دوسرے کو دشمن انگریز کے علاقوں میں جا کر تاراجی کرنی چاہیے تاکہ دشمن دونوں طرف پریشان ہو سکے۔ جسونت راؤ

انگریزوں کے علاقے میں جانے کو تیار نہ ہوا کیونکہ فرخ آباد کی جنگ اور ڈینگ میں شکست ہونے کے بعد وہ خود اعتمادی کھو چکا تھا۔ پھر جیسے ہی امیر خاں روانہ ہوئے جنرل اسمتھ نے اپنے سواروں اور توپ خانہ کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ لیکن امیر خاں تیز قدم بڑھتے ہوئے مہاول گھاٹ سے خراج وصول کرتے گوکل پہنچے وہاں سے وہ کمورہ، جلال پور، پربت گڑھ ہوتے ہوئے قمرالدین نگر پہنچے اور ایک دن آرام کرنے کے بعد وہ دوبارہ تیز قدم امروڈھا اور امروہہ کے راستے مرادآباد پہنچے جہاں کچھ انگریز سپاہی اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ دو دن تک امیر خاں اُن سے جنگ کرتے رہے اتنے میں ہی جنرل اسمتھ بھی آن پہنچا۔ جنرل کی آمد پر امیر خاں اپنی فوج کے ساتھ پہاڑوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے جنرل نے بھی اُن کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ آخر کار افضل گڑھ کے پاس جنگ ہوئی لیکن یہ جنگ امیر خاں ہار گئے

کچھ دن آرام کرنے کے لیے انھوں نے رام پور میں پناہ لی اور باہوش ہوتے ہوئے تاحیات انگریزوں کو سکون نہ دینے کی قسم کھائی۔ رام پور سے وہ کاشی پور اور کوٹ ہوتے ہوئے دھام پور پہنچے۔ یہاں کے رئیسوں سے خراج وصول کیا اور پھر نگینہ ہوتے ہوئے ناظم آباد اور وہاں سے بھرت پور واپس آ گئے۔ انگریز افواج انھیں ڈھونڈنے کے لیے اِدھر اُدھر پریشان حال پھرتی رہیں اور امیر خاں اُن کے آگے ہوا کے کسی جھونکے کی طرح کبھی نظر آتے کبھی یک دم غائب ہوتے رہے۔ ایک مقابلہ مرادآباد میں کانٹے کا ہوا بھی لیکن نقصان دونوں فریقوں کا ہوا تھا۔

امیر خاں جب سنبھل آئے تو اُن کی ملاقات تقریباً سبھی امیروں اور رئیسوں سے ہوئی انھوں نے سب کو انعامات دیے اور صبحِ صادق کے وقت چندوسی چلے گئے۔ وہاں سے بریلی کے مفتیٔ اعظم کو خط تحریر کیا کہ بریلی سے واپسی پر ملاقات کریں گے لہٰذا انتظار کیا جائے۔ یہ بات کسی طرح جنرل اسکاٹ کو پتہ چلی تو وہ راستے میں آ کھڑا ہوا۔

لیکن واپسی کے وقت نواب کو بھی خبر مل گئی کہ جنرل اسکاٹ راستے میں مقابلہ آرائی کا منتظر ہے تو وہ واپس سنبھل آ گئے۔ وہاں سے علی پور اور امروہہ ہوتے ہوئے ابھی آگے کا رُخ ہی کیا تھا کہ جنرل مالیسین نے ایک زبردست فوج کے ہمراہ حملہ کر دیا لیکن چوں کہ

پہلے ہی وہ امیر خاں سے ایک جنگ ہار چکا تھا اس لیے خوفزدہ ہو کر لڑ تا رہا اور خود اعتمادی کی کمی کی وجہ سے یہ جنگ بھی ہار گیا۔

امروہہ کے بعد امیر خاں نے چاند پور کا رُخ کیا اور وہیں عید کی نماز پڑھی۔ واپس امروہہ آئے اور وہاں سے پھر واپسی ہوئی بھرت پور۔ راستے میں جگہ جگہ انگریز فوجوں نے پریشان کیا، لیکن وہ فریب دیتے ہوئے راستہ بدل بدل کر بھرت پور پہنچ ہی گئے۔ بھرت پور میں اس وقت راجہ انگریزوں کے تسلط اور ان کی سرپرستی میں تھا اور اس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کر رکھا تھا۔ حالات ناساز گار تھے اس لیے امیر خاں کے مشورہ سے ہولکر نے بھی بھرت پور چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ دونوں نے وہاں سے کوچ کے بعد دولت راؤ سندھیا سے دوستی کر لی اور تینوں نے قسم کھائی کہ انگریزوں کو ہندوستان سے بھگائے بنا چین اور سکون سے نہیں بیٹھیں گے۔

معاہدہ کے بعد دولت راؤ اور امیر خاں میواڑ کے علاقے مانڈل گڑھ آ گئے اور جسونت راؤ ہولکر شاہ پور میں جا رہا۔ ہولکر اور سندھیا انگریزوں کی مخالفت میں ضرور متحد ہوئے تھے لیکن آپس میں ان کے دل ایک دوسرے کے لیے صاف نہ تھے۔ اندر ہی اندر دونوں ایک دوسرے کے لیے نفرت کا جذبہ رکھتے تھے۔

بہر حال پنجاب کے راجہ رنجیت سنگھ نے امیر خاں کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ آپ اور ہولکر پنجاب میں مہمان ہو جائیں۔ دونوں فوراً پٹیالہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے میں خبر ملی کہ جنرل لیک ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ کرنال کے قریب آ گیا ہے۔ لٰہذا ہولکر اور امیر خاں لاہور جانے والے راستے کی طرف مڑ گئے تاکہ رنجیت سنگھ کو اپنے ہمراہ لے کر پیچھے سے لیک پر حملہ کیا جائے۔ رنجیت سنگھ نے دونوں کا استقبال کیا اور پورے ڈھائی مہینے تک اپنا مہمان رکھا۔ جنرل لیک کرنال سے راستہ بدل کر پٹیالہ آیا اور اُس نے رنجیت سنگھ کی گواہی میں امیر خاں اور جسونت راؤ ہولکر کی خدمت میں الگ الگ معاہدہ کی تجویزیں بھیجیں۔ امیر خاں نے کسی بھی معاہدہ کے امکان سے ہی انکار کر دیا مگر ہولکر نے معاہدہ کر لیا۔ اصل بات چھپا کر ہولکر نے امیر خاں سے کہا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ شاید ہماری مدد نہ کر پائیں۔

ایسے ماحول میں ہم کابل جا کر بھی کیا کر سکتے ہیں؟ کیونکہ کاغذی طور پر لاہور کے سکھ راجہ رنجیت سنگھ امیر کابل کے ماتحت تھے۔

امیر خاں نے جواب دیا کہ موجودہ حالت میں پندرہ[15] لاکھ روپے کا انتظام ہے اور مزید رقم کے لیے شاہ سے امداد لینے جاتا ہوں۔ اگر وہ نہیں بھی ساتھ آتے ہیں تو بھی ان سے امداد کی رقم لے کر ہی آؤں گا۔ اور واپسی کے بعد دہلی و لکھنؤ سے بھرپور رقم وصولی کی مہم چلائی جائے گی۔ جس کے بعد انگریزوں کا مقابلہ کیا جائے گا۔ ہولکر نے شبہ ظاہر کیا کہ اگر کابل میں کام نہ بنا تو کیا ہوگا؟ امیر خاں نے اپنا حتمی فیصلہ سنایا۔ ''اگر کام نہ بنا تو اپنے آبائی وطن جا کر انگریزوں کے خلاف جنگ ضرور کروں گا اور انشاء اللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔''

حقیقت یہ تھی کہ جسونت راؤ ہولکر نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا تو امیر خاں کو انگریزوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے روکنا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ خود تو یہ چاہتا تھا کہ امیر خاں بھی انگریزوں سے صلح کر لیں۔ لیکن امیر خاں تیار نہ ہوئے۔ موقع دیکھ کر ہولکر نے الیاس صد بھیجا کہ وہ امیر خاں کے پاس محفوظ پندرہ لاکھ کے زیورات لے کر آئے۔ امیر خاں کو ہولکر نے خبر بھیجی کہ جب تک یہ رقم محفوظ کر لو اور رقم کا انتظام ہوتے ہی کابل کی طرف کوچ کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ لیکن زیورات لے کر ہولکر سیدھے انگریزوں کے خیمے میں گیا اور وہاں جنرل لیک سے معاہدہ کی بات طے کرنے کے بعد اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔

جب یہ بات امیر خاں کو معلوم ہوئی تو انھیں ہولکر کی بے وفائی پر بہت رنج ہوا۔ آخر کار وہ اکیلے ہی کچھ تھوڑی سی فوجی ٹکڑی کے ساتھ کابل کے لیے روانہ ہوئے لیکن یہ روانگی ایک حکمت عملی کے تحت تھی کیونکہ لاہور سے ۱۵ میل کے فاصلے پر انھوں نے اپنا خیمہ نصب کیا اور وہیں قیام پذیر ہوئے۔

جنرل لیک نے جب امیر خاں کی کابل روانگی کے بارے میں سنا تو فوراً جنرل میٹکاف کو ہولکر کے پاس روانہ کیا کہ بغیر امیر خاں کے وہ ہولکر سے کسی بھی طرح کا معاہدہ نہیں کر سکتا کیونکہ تنہا امیر خاں کی تو قیمت ہے لیکن تنہا ہولکر کی کوئی قیمت نہیں۔ اس لیے اس معاہدہ

پر امیر خاں کی مہر اور ان کے دستخط بہت ضروری ہیں۔

ہولکر نے پہلے انگریزوں کو سمجھایا لیکن جب وہ نہیں مانے تو ہولکر نے لین دین کا معاملہ اپنے حق میں طے کر کے امیر خاں سے دوبارہ بات چیت کے لیے لاہور کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں اُسے معلوم ہو گیا کہ امیر خاں نے کہاں خیمہ لگایا ہے۔ وہاں پہنچ کر اُس نے امیر خاں کو آخر کار معاہدہ کے لیے راضی کر لیا۔

حالانکہ امیر خاں کو یہ سب قبول نہیں تھا۔ اس لیے جسونت راؤ کو ان کی خاصی خوشامد کرنی پڑی۔ یہاں تک کہا کہ اسے اس وقت ایک کروڑ بیس لاکھ ملے ہیں۔ اس میں سے وہ آدھا امیر خاں کو دیدے گا۔ اس وقت فوری طور پر ۳۰ لاکھ کے گاؤں دیتا ہوں باقی جنوب کے دکھشنا اور دوسرے گاؤں پر فتح کر کے جلد ہی حوالے کر دوں گا۔

امیر خاں بہت مشکل سے راضی بہ رضا ہوئے۔ انھیں بھی ہولکر پر اب یقین نہیں رہا تھا۔ انھوں نے ہرکارہ بھیج کر جسونت راؤ سے گاؤں کا خسرہ کھاتہ تک منگوا لیا۔ بعد ازاں ——— معاہدہ میں جسونت راؤ نے نواب کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے گورنر جنرل سے ٹونک، علی گڑھ، مالوہ سے سرد نج اور پڑاوا میواڑ سے نمباہیڑا، کھینچی واڑے چھپرا کا علاقہ لے کر نواب امیر خاں کے نام کر دیا۔ اور ساتھ ساتھ جے پور اور کوٹہ سے خراج کی وصولی کے حقوق بھی لکھ دیے۔

اس وقت امیر خاں کی رہائش میں کافی تبدیلی ہوئی۔ ان کے حالات بھی کافی حد تک درست ہو گئے تھے۔ لہٰذا انھوں نے محمد ایاز خاں کی دختر نیک اختر سے سنہ ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء میں ضلع اجمیر میں عقد کر لیا۔ سنہ ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء میں اس بیوی کے بطن سے ایک فرزند ارجمند پیدا ہوا جس کا نام نواب نے وزیر محمد خاں رکھا۔ تب تک امیر خاں کی طاقت میں بہت اضافہ ہو چکا تھا اور ان کے جاہ جلال کی طوطی بولتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد امیر خاں کو جے پور کے راجہ سوائی جگت سنگھ نے جودھپور کے راجہ مان سنگھ سے جنگ کرنے کی غرض سے اپنی مدد کے لیے بلوا بھیجا۔

نوٹ: یہ پورا باب نواب کے نائب منشی بساون لال کی مرتب کردہ زبان فارسی کی

مشہور کتاب "امیر نامہ" سے ماخوذ ہے۔ امیر نامہ کی طباعت نہیں ہو سکی ہے۔ لیکن اس کا مسودۂ اوّل جو ہاتھ سے لکھا ہوا ہے موجود ہے۔ ان میں سے ایک کاپی زیرِ نظر کتاب کے مصنف ہنومان سنگھل کے والد محترم سورگیہ ماسٹر رامنواس اگروال کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ زیرِ نظر مقالہ "امیر نامہ" کے انگریزی ترجمہ سے ماخوذ کیا گیا ہے جو ایچ بی پرینپ نے

"THE MEMOIRS OF THE PATHAN SOLDER OF FORTUNE. THE NAWAB AMEERUDDAULA MOHD AMEER KHAN OF SIRONJ, TONK, RAMPURA, NIMBAHERAH AND OTHER PLACE IN HINDUSTAN"

نام سے "امیر نامہ" کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ امیر نامہ ۱۸۲۷ء میں نواب امیر خاں نے اپنی یادوں کے سہارے بیٹھ کر تحریر کروایا تھا۔ اس وقت ان کے زمانے کے کئی جنگجو اور راجہ، صوبیدار، جاگیردار، دوست اور دشمن موت کے منہ میں جا چکے تھے۔ اس لیے اس کتاب پر ریسرچ کے امکانات باقی ہیں۔ (مصنف)

کرشنا پی گئی زہر کا پیالہ

۱۷۹۲ء میں راجستھان کی سیاست میں ایک اور تاریخی تبدیلی رونما ہوئی۔ پورا راجستھانی علاقہ مہادجی سندھیا کی سرپرستی اور سلطانی میں آگیا تھا۔ میواڑ میں امباجی انگلے حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھے اور مراٹھا سپہ سالار لکوا دادا صوبہ کے دوسرے حصوں سے جزیہ وصولی کے لیے تعینات کیے گئے تھے۔ راجپوت راجاؤں کی حالت اس وقت بہت خراب تھی۔ ۱۲ ر فروری ۱۷۹۴ء کو مہادجی سندھیا کی پونا میں موت ہوگئی۔ بعدازاں ان کا بھتیجا دولت راؤ سندھیا تخت نشین ہوا۔ دولت راؤ کے لیے عام خیال ہے کہ وہ جیچلی ذہنیت کا بدکردار شخص تھا۔ جبکہ کئی مورخین نے اُسے اعلیٰ درجہ کا سپہ سالار ذہین اور دوررس شعور کا مالک قرار دیا ہے۔ جسونت راؤ ہولکر اس کا ہم عصر تھا یہ بات گذشتہ اوراق پر بھی لکھی جاچکی ہے۔ یہاں کی سیاست میں تبدیلیاں ایک زمانے کی طرح راج ماتا اہلیا بائی کی ۱۴ راگست ۱۷۹۵ء کو ہوئی موت کے بعد نازل ہوئیں۔ جب ماں کی موت کے بعد مہادجی سندھیا کی بیواؤں اور دولت راؤ سندھیا کے بیچ تفریق کے پودے پھلنے پھولنے لگے۔ جسونت راؤ ہولکر بہادر اور بلند حوصلہ مرد تھا۔ اُس نے بیوہ عورتوں کی طرفداری کی اور نتیجتاً دولت راؤ کو بیوہ مہارانیوں سے معاہدہ کرنا پڑا۔

راجستھان میں اس وقت میواڑ کے حکمراں مہارانا بھیم سنگھ تھے۔ وہ کمزور اور کند ذہن حکمراں مقبول تھے۔ راج کماری کرشنا انھیں کی دختر اور حسن و جمال میں شہرت کی ملکہ تھی۔

جے پور کی گدی پر مہاراجہ جگت سنگھ (۱۸۱۸ - ۱۸۰۳ء) قائم مقام حکمراں تھے اور جودھ پور بھیم سنگھ کے اشارے پر سرنگوں تھا۔ جودھپور کے موجودہ شاہ راجہ وجے سنگھ اپنے نگراں اور دوست گلاب رائے کے مشورہ سے اپنے ایک دوسرے پوتے مان سنگھ کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے جبکہ جودھ پور میں باغی سرداروں کا لیڈر ٹھاکر سوائی سنگھ جو صوبہ کے پردھان عہدہ پر قائم تھا جس کے دادا پوکرن ٹھاکر "چمپاوت" دیوی سنگھ کو باغی تیور اختیار کرنے کے جرم میں تاحیات قید بامشقت کی سزا دی گئی تھی اور سوائی سنگھ کے

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

— والد سبل سنگھ بھی بغاوت کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے اوہ چاہتا تھا کہ مہاراجہ وجے سنگھ کے بعد ان کے سورگیہ بیٹے بھوم سنگھ کا فرزند بھیم سنگھ تخت نشین ہو۔ جبکہ گلاب رائے پاسوان، وجے سنگھ کے پانچویں فرزند گمان سنگھ کے بیٹے مان سنگھ کو مارواڑ کے تخت پر بٹھانا چاہتی تھیں۔ جسے انھوں نے اپنے گود لیے ہوئے سوتیلے بیٹے کی حیثیت سے پروان چڑھایا تھا۔

مہاراجہ نے ۱۷۹۲ء میں مان سنگھ کو اپنا وارث قرار دیا۔ لیکن سرداروں نے بغاوت کردی جس کی وجہ سے وراثت کے معاملے میں آگے کی کارروائی مکمل نہ ہوسکی۔ مان سنگھ کو اسکے باوجود ان کی جاگیر جالور تک پوری حفاظت کے ساتھ پہنچا دیا گیا۔[1]

اسی دوران ٹھاکر سوائی سنگھ کی مدد سے بھیم سنگھ نے جودھ پور شہر اور قلعہ پر قبضہ کرلیا اور اُدھر گلاب رائے کو دھوکے سے قتل کردیا گیا۔ دوسرے امرا نے سوائی سنگھ کو سمجھایا کہ مہاراجہ کی زندگی میں ہی بھیم سنگھ کا قلعے پر قبضہ انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ لہٰذا اس امر میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت بھیم سنگھ کو وارث قرار دیا گیا۔ خرچ کے لیے اُسے سیوانا کی جاگیر دی گئی۔ ۱۷۹۳ء میں مہاراجہ وجے سنگھ کی موت ہوگئی۔ ۲۰ جولائی ۱۷۹۳ء

---

[1] حقیقت بھی نمبر: ۱۷، صفحہ ۳۲ - ۳۳۔ مہاراجہ وجے سنگھ نے گلاب رائے کو جالور کا پٹہ ۱۷۹۱ء میں دیا تھا۔ پد مجا شرما: جودھپور میں مہاراجہ مان سنگھ کا دورِ حکومت صفحہ ۔ ۴۱

کو بھیم سنگھ مارواڑ کے تخت پر بیٹھ گیا۔[۱]

بھیم سنگھ کے مہاراجہ بنتے ہی مان سنگھ جالور چلا گیا۔ وہاں اس نے کئی گاؤں کو لوٹا اور خود مختار حکمراں کے طور پر کام کرنے لگا اور خود ہی راج راجیشور مہاراجہ دھیراج کا لقب استعمال کرنا شروع کر دیا۔[۲]

مہاراجہ بھیم سنگھ نے گدی نشینی کے بعد اپنے تمام دشمنوں کو جڑ سے ختم کر دیا اور مان سنگھ کے لیے بھی ایک فوج کو جالور کی طرف روانہ کیا۔ اس فوج نے شہر جالور پر قبضہ کرنے کے بعد گڑھ پر حصار قائم کر لیا۔[۳]

مہارانا بھیم سنگھ کے تخت نشین ہوتے ہی میواڑ کے حکمراں بھیم سنگھ جی نے اپنی بیٹی کرشنا کی شادی خانہ آبادی ۱۷۹۹ء میں ان کے ساتھ طے کر دی۔ لیکن شادی سے قبل ہی ۱۹ اکتوبر ۱۸۰۳ء کو جودھ پور نریش بھیم سنگھ کی موت ہو گئی۔[۴]

مہاراجہ بھیم سنگھ کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اس لیے ۵ نومبر ۱۸۰۳ء کو مان سنگھ ہی تخت نشین ہوا۔ سوائی سنگھ، مان سنگھ کو مہاراجہ بنانے کی وجہ سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے مان سنگھ کے داخل ہونے سے قبل ہی بھیم سنگھ کی دو حاملہ رانیوں ویرا اور جی اور تنور جی کو قلعے کے باہر کر کے چوپاسنی کے مندر میں محفوظ کروا دیا۔ آخر کار بات چیت کے بعد یہ طے ہوا کہ رانیوں کو بیٹا پیدا ہوا تو وہ جودھ پور حکومت کا وارث قرار پائے گا اور اگر بیٹی پیدا ہوئی تو اس کی شادی جے پور یا اودے پور جیسے گھرانے میں کرا دی جائے گی۔ بعد ازاں رانیوں کو تلہٹی کے محل میں محفوظ کر دیا گیا۔[۵]

۱۔ حقیقت کا بہی نمبر: ۱۷ صفحہ ۲۱۰-۲۰۰۔ رٹیو بھاگ۔ ایک صفحہ ۱۰۱-۹۰؛ پدمجا شرما صفحہ۔ ۷-۶۔

۲۔ ویرونود: صفحہ: ۴-۱۵۷۔ مان سنگھ کا رانا بھیم سنگھ کو بھیجا گیا خط۔

۳۔ ڈاکٹر پی ویاس؛ صفحہ ۲۳-۲۲؛ پدمجا؛ صفحہ ۱۲-۹

۴۔ مالکم؛ میمائرس آف سنٹرل انڈیا جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ ۵۔ مارواڑ کی کھیات: جلد ۳ صفحہ ۴۲، ویرونود: ۸۶۰

کچھ عرصہ بعد دیراورجی (بھیم سنگھ کی بیوہ) کو بیٹا پیدا ہوا جس کا نام دھوکل سنگھ رکھا گیا۔ سوائی سنگھ اور اس کے مقلدین نے برائے تحفظ نومود بچے کو اس کے ننھیال سیٹھڑی روانہ کردیا۔ مان سنگھ سے اَن بن کی وجہ سے سوائی سنگھ بھی اپنے پانچ سو سواروں کے ساتھ اپنی جاگیر پوکرن کی طرف روانہ ہوا اور دھوکل سنگھ کے حق میں ماحول تیار کرنے لگا۔

(آر پی ویاس : صفحہ ۲۷)

مان سنگھ نے دھوکل سنگھ کی پیدائش کے بعد اُس کی حقیقت کے اعتراف کے لیے تحقیق کروائی۔ ویراورجی نے اپنے بیٹے کے مستقبل کو مدّنظر رکھتے ہوئے بیٹے کی پیدائش سے انکار کردیا۔ مان سنگھ ویراورجی کے جھوٹ سے ٹھنڈا ہوگیا۔لیکن سوائی سنگھ نے فیصلہ کرلیا کہ دھوکل سنگھ کو آخرکار جودھپور کی حکومت دلائی جانی چاہیے۔

گھانے راؤ کا ٹھاکر اُودے پور کے مہاراجہ کا دوست تھا جس کی وجہ سے مہاراجہ بھیم سنگھ جودھپور حکمراں سے ناراض ہوگئے۔ انھوں نے مان سنگھ کی تجویز ٹھکرادی اور اپنی بیٹی کرشنا کی شادی جے پور کے کچھواہا راجا جگت سنگھ کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔مہاراجہ جگت سنگھ نے جودھپور حکمراں مان سنگھ سے انکار کی تحقیق کے بعد رشتہ منظور کرلیا۔

کچھ عرصہ بعد ٹھاکر سوائی سنگھ کی پوتی کی شادی جے پور کے مہاراجہ جگت سنگھ کے ساتھ ہونا طے پائی۔ یہ شادی جے پور میں ہونی تھی کیونکہ سوائی سنگھ کے بھائی شیام سنگھ جے پور میں گیج گڑھ کے جاگیردار تھے اور جے پور میں ان کی اپنی حویلی تھی۔ جیسے ہی جودھپور کے حکمراں مہاراجہ مان سنگھ کو اس شادی کی خبر ملی اُس نے سوائی سنگھ کو خط لکھ کر اس بات کے لیے مجبور کیا کہ وہ جے پور جاکر اپنی پوتی کی شادی نہ کریں کیونکہ ڈولہ روایت سے شادی کرنا راٹھور خاندان کے وقار کی علامت کو نقصان پہنچائے گا۔ اس کے جواب میں ٹھاکر نے لکھا کہ ان کی پوتی کی شادی راٹھوروں کے وقار کے مخالف روایتوں سے نہیں ہورہی ہے کیونکہ جے پور میں ان کی خود کی حویلی ہے اور ان کے بھائی گیج گڑھ کے جاگیردار ہیں لیکن میواڑ کی راج کماری کرشنا جس کی سگائی راجہ بھیم سنگھ کے ساتھ ہوئی تھی اُس کی شادی اب جے پور کے کچھواہا راجہ جگت سنگھ کے ہمراہ ہونے جارہی ہے اس سے راٹھور خاندان کے وقار مجروح ہونگے ہی ہوں گے۔

ٹھاکر سوائی سنگھ کے خط کی وجہ سے مان سنگھ غصّے سے بھر گیا تھا۔ اس لیے اس نے مہاراجہ اودے پور کو کرشنا کماری کی شادی جگت سنگھ کے ہمراہ نہیں کرنے کا مشورہ دیا۔ اُدھر سوائی سنگھ نے مہارانا کو خط لکھا کہ اگر مہاراجہ مان سنگھ کے دباؤ میں آکر وہ اپنی بیٹی کی شادی جگت سنگھ کے ساتھ کرنے سے انکار کریں گے تو اس سے سیسودی خاندان کا وقار دھول میں مل جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ٹھاکر سوائی سنگھ نے کرشنا سے شادی کرنے کے لیے جگت سنگھ کی حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح ٹھاکر سوائی سنگھ نے کرشنا کماری کی شادی کے سوال کو لے کر مان سنگھ کے لیے ایک مصیبت کھڑی کر دی۔

مہاراجہ اودے پور نے مان سنگھ کے خط کو نظرانداز کرتے ہوئے کرشنا کماری کا ٹیکا جے پور کے لیے روانہ کر دیا۔ جس کے ساتھ جے پور کی ایک فوج تھی۔ مان سنگھ کے لیے اس ٹیکے کو روکنا اس کی عزت اور وقار کا سوال بن گیا۔ وہ فوراً میڈتا پہنچا اور بخشی اندرراج کی قیادت میں ایک بڑی فوج ٹیکے کو روکنے کے لیے بھیج دی۔ اس امر میں مان سنگھ نے کوٹہ اور سروہی کے راجاؤں سے بھی مدد طلب کی۔ یہاں تک کہ ہولکر سے بھی امداد کے لیے گذارش کی۔ ٹیکا لے کر ایک قافلہ شاہ پورہ میں راستے کی تکان اتار رہا تھا۔ جگت سنگھ نے مان سنگھ کی اس کارروائی کو اپنی توہین سمجھا اور وہ بھی فوجی تیاریوں میں لگ گیا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جلد ہی جنگ شروع ہو جائے گی۔ لیکن شاہ پورہ کے راجہ نے مصالحتی اقدام اُٹھا کر ٹیکا قافلے کو اُدے پور واپس کر دیا۔ جے پور کے دیوان راجندر بخشی، اندرراج سنگھوی نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد (اگست ۱۸۰۶ء) طے کیا کہ مان سنگھ اور جگت سنگھ دونوں ہی کرشنا سے شادی نہیں کریں گے۔ دونوں راجاؤں میں دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کے لیے یہ طے کیا گیا کہ جگت سنگھ مہاراجہ مان سنگھ کی بیٹی سے اور مان سنگھ جگت سنگھ کی بہن سے شادی کر لیں گے۔ ہولکر مان سنگھ کی مدد کے لیے آگیا تھا لیکن جب دونوں میں معاہدہ ہو گیا تو وہ جنوب کی طرف واپس ہو گیا۔

حالاں کہ جودھپور اور جے پور میں آپسی معاہدہ ہو چکا تھا۔ لیکن وہ ایک دوسرے سے خوش نہیں تھے۔ جگت سنگھ بھی کرشنا کماری سے شادی کے لیے بے چین تھا۔ ٹھاکر سوائی سنگھ بھی اپنے امیدوار دھوکل سنگھ کو جودھپور کا حکمراں بنانے کے لیے محنت کر رہا تھا۔ اس نے جگت سنگھ سے گذارش کی کہ وہ دھوکل سنگھ کی مدد کرے۔ ایسا کرنے سے اُس کے وقار میں چار چاند تو لگیں گے ہی ساتھ ہی وہ بغیر کسی رخنہ کے کرشنا کماری سے شادی بھی کر سکے گا۔ جگت سنگھ دھوکل سنگھ کی مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ ٹھاکر سوائی سنگھ نے بیکانیر کے مہاراجہ صورت سنگھ کو بھی دھوکل سنگھ کی حمایت میں تیار کر لیا۔ دھوکل سنگھ کی مدد کے عوض اتنی گاؤں سمیت پھلودی کا قصبہ بیکانیر کو دینا منظور ہوا۔

ٹھاکر سوائی سنگھ کھینتڑی سے دھوکل سنگھ کو ساتھ لے کر جگت سنگھ کے پاس جے پور پہنچا۔ دھوکل سنگھ کا وقار ثابت کرنے کے لیے جگت سنگھ کے ساتھ ایک ہی تھال میں کھانا کھلوایا۔ جے پور کے دیوان نے دولت راؤ سندھیا اور شرجی راؤ گھاٹگے کو اپنی طرف شامل کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر خاں اور ان کی فوج اپنی کارکردگی کی وجہ سے پورے راجستھان میں مشہور و مقبول ہو چکے تھے۔ یہ گروہ روپیوں کے لیے ہر وقت سب کچھ کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ جو زیادہ رقم دیتا امیر خاں اُس کی حمایت میں ہی جنگ کرتے۔

مان سنگھ اور جگت سنگھ دونوں نے ہی امیر خاں سے رابطہ قائم کیا لیکن کامیابی جگت سنگھ کے ہاتھ لگی۔ دھوکل سنگھ نے مہاراجہ جگت سنگھ کو یقین دلایا کہ موقع آنے پر مارواڑ کے راٹھور سردار بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔

مان سنگھ کو جب جے پور کی فوجی تیاریوں کا پتہ چلا تو وہ بھی جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اپنا خیمہ پربت سر میں لگایا اور بوندی کے علاوہ کشن گڑھ کے حکمرانوں سے مدد طلب کی۔ یہاں تک کہ ہولکر کو مدد کے لیے بلوایا۔ ہولکر فوراً آن پہنچا کیونکہ اُس کی بیویوں نے مان سنگھ کو راکھی باندھی تھی اور کئی سال تک جودھپور میں قیام پذیر رہی تھیں لیکن ہولکر نے فوج کے اخراجات کے لیے ایک موٹی رقم طلب کی جو مان سنگھ فوراً حاصل نہ کر سکا نتیجتاً دس لاکھ کی ہنڈیاں جگت سنگھ سے لے کر ہولکر کوٹہ کی طرف چلا گیا۔

اب جے پور کے نزدیک بہت بڑی فوج جمع ہونے لگی۔ بیکانیر کے مہاراجہ صورت سنگھ، کھیتڑی کے ابھئے سنگھ، سردار امیر خاں، حیدر آباد کے میر مخدوم، واجد خاں، خدا بخش، میر شہاب الدین، میر مردان علی، پوکرن کے ٹھاکر سوائی سنگھ اپنی اپنی افواج کے ساتھ جے پور حکومت کی افواج میں شامل ہونے لگے۔ سوائی سنگھ خود لشکر کی قیادت کر رہا تھا اور دھوکل سنگھ فوج کی ایک ٹکڑی کے ساتھ اُس میں شامل تھا۔

مہاراجہ مان سنگھ پربت سر سے آگے بڑھ کر اپنی فوج کے ساتھ گیگولی گاؤں پہنچا جہاں جے پور اور جودھپور کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ ۱۳ مارچ ۱۸۰۷ء کو جنگ شروع ہوئی۔ منصوبہ بند طریقے سے راٹھور سردار مان سنگھ کی حمایت واپس لے کر سوائی سنگھ سے آملا۔ اس سے مان سنگھ کی طاقت کمزور ہوگئی۔ آخر کار مان سنگھ میدانِ جنگ سے فرار ہوگیا۔ ابتدا میں وہ جالور کی طرف بڑھا لیکن بعد میں میڑتا کے راستے سے جودھپور پہنچ گیا۔ راٹھوروں کی توپیں، گولہ بارود اور خیمے کے علاوہ دوسرے ساز و سامان دشمنوں نے لوٹ لیے۔

جے پور کی افواج نے مارو ٹھ، پربت سر، ڈیڈوانہ، ناگور، میڑتا اور سوجت پر قبضہ کرلیا۔ مان سنگھ نے جودھپور پہنچ کر قلعہ بندی شروع کردی۔ مہاراجہ جگت سنگھ جلد سے میواڑ پہنچ کر راج کماری کرشنا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ٹھاکر سوائی سنگھ نے پہلے دھوکل سنگھ کو جودھپور کے تخت پر بٹھانے کی گزارش کی جسے جگت سنگھ نے قبول کرلیا۔ ۳۰ مارچ ۱۸۰۷ء کو سوائی سنگھ اپنی اور امدادی افواج پر مشتمل ایک لشکر جرّار کے ساتھ جودھپور پہنچا۔ اپریل کے پہلے ہفتے میں جگت سنگھ اور صورت سنگھ بھی جودھپور پہنچ گئے۔ امیر خاں نے حفاظت کے نظریہ سے شہر کے دوسرے اطراف میں اخیراج جی کے تالاب کے پاس اپنا خیمہ نصب کیا۔ جنگ شروع ہوئی اور جودھپور شہر پر لشکر کا قبضہ مسلّط ہوگیا۔ بعد ازاں قلعہ پر گھیرا ڈالا گیا جو ۵ مہینے کے لمبے عرصے تک قائم رہا۔ فتح پول، برانی سر، لکھن پول اور جے پول کے نزدیک گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں جودھپور کی افواج نے بہادری کے نمونے دکھائے۔ رفتہ رفتہ مان سنگھ کی طاقت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ حفاظتی انتظامات کے وسیلے محدود ہوتے جا رہے تھے کیونکہ باہر سے کوئی مدد ملنے کی امید باقی نہ تھی۔ شہر اور مارواڑ کو تاراجی سے

بچانے کے لیے مقصد اندر راج سنگھوی اور منگا رام بھنڈاری کو بھی رہا کیا گیا۔ سب سے پہلے انھوں نے تجویز رکھی کہ کچھ دوسرے پرگنے دھوکل سنگھ کو دے دیے جائیں اور جنگ کے اختتام کا اعلان کر دیا جائے لیکن سوائی سنگھ نے اس شرط کو قبول کرنے سے منع کر دیا۔ اُس نے ۲۲ لاکھ روپے اخراجات کے طلب کیے اور جودھپور قلعہ کو دھوکل سنگھ کو سپرد کرنے کی شرط رکھی اور مان سنگھ کو اس کی پرانی جاگیر جالور چلے جانے کا حکم دیا لیکن یہ بات چیت ناکام رہی۔

اندر راج سنگھوی نے دولت راؤ سندھیا سے رابطہ قائم کیا۔ نتیجتاً امباجی انگلے اور جان بیٹسٹ کی قیادت میں ایک فوج مارواڑ پہنچی۔ لیکن سوائی سنگھ نے میڑتا کے نزدیک دیوریا گاؤں میں ان سے رابطہ قائم کر کے جگت سنگھ کی طرف سے بارہ لاکھ کی تجویز رکھی اور یقین دہانی کرائی کہ دھوکل سنگھ کے گدی نشین ہوتے ہی سات لاکھ روپیہ ادا کیا جائے گا۔ اس لالچ کو قبول کر کے انگلے جگت سنگھ اور سوائی سنگھ کی حمایت میں کھڑا ہو گیا۔

مراٹھوں کی نئی فوج آجانے سے جودھپور کا حصار اور بھی چست کر دیا گیا۔ لیکن کچھ وقت ہی گذرا ہوگا کہ جے پور خیمے میں جگت سنگھ اور امیر خاں میں نااتفاقی ہونے لگی کیوں کہ امیر خاں کو طے شدہ رقم نہیں ملی اور دوسرے یہ کہ انگلے کی آمد سے امیر خاں کے اثرات میں کمی آگئی۔

اندر راج سنگھوی نے ان حالات کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور چار لاکھ روپے سالانہ فوج کے اخراجات اور اچھی جاگیر بہ طور معاوضہ دینے کی شرطیہ تجویز پر امیر خاں کو اپنی حمایت میں کھڑا کر لیا۔ پھر مان سنگھ نے ادھر امباجی انگلے کے دشمن اور امیر خاں کے دوست سرجے گھاٹگے کو بھی اپنی حمایت میں شاملِ افواج کر لیا۔ اندر راج سنگھوی کی راٹھوری فوج، گھاٹگے کی مراٹھی فوج کو ہمراہ لے کر امیر خاں جگت سنگھ کا ساتھ چھوڑ کر پشکر کی طرف کوچ کر گئے پھر اچانک اگست ۱۸۰۷ء میں امیر خاں نے جے پور پر حملہ کر دیا۔ امیر خاں کا تعاقب کرنے کے لیے جگت سنگھ نے اپنے دوست اور سپہ سالار شیولال گپتا کی قیادت میں ایک فوج روانہ کی جس نے ۱۳ اگست کے دن امیر خاں کو شکست سے دوچار کیا۔ لیکن دوبارہ ۱۸ اگست کی جنگ میں امیر خاں نے کچھواہا افواج کو بھاگی کے نزدیک شکستِ فاش دی اور جے پور پر قبضہ کر لیا۔

جے پور پر قبضے کے بعد انھوں نے جھوٹ واڑہ گاؤں کے نزدیک خیمہ لگایا اور ڈھوڈھاؤ

صوبہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت امیر خاں نے اپنی مدد کے لیے محمد خاں اور راجہ بہادر کو جو الپردہ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے آنے کی دعوت دی۔

بھاگی کی جنگ میں جے پور کی شکست کا جودھپور حصار پر اُلٹا حصار پڑا۔ بہت سے راٹھور سردار جو اب تک سوائی سنگھ کے ساتھ تھے دوبارہ مان سنگھ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔

جگت سنگھ فاش شکست کی خبر سن کر جے پور کی طرف واپس چلا گیا۔ واپسی کے وقت راستے میں اسے میڑتا کے نزدیک داتا گاؤں میں راٹھوروں اور امیر خاں کی فوج سے مڈبھیڑ کرنی پڑی۔ اس جنگ میں امیر خاں نے جے پور کی افواج سے وہ سارا مالِ غنیمت چھین لیا جو اُسے گیگولی میں مفت ہاتھ آیا تھا۔ آخر کار جگت سنگھ نے ایک موٹی رقم امیر خاں کو چکائی اور تب ۶ ر اکتوبر ۱۸۰۷ء کو وہ جے پور پہنچا۔

جگت سنگھ کے جانے کے بعد بیکانیر اور شاہ پورہ کے حکمراں بھی اپنے خیمے اکھاڑ کر واپس اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے۔ سوائی سنگھ بھی بے یار و مددگار دھوکل سنگھ کو ساتھ لیے ہوئے ناگور کی طرف چلا گیا۔ ناگور کے علاوہ مارواڑ کے سبھی علاقے میں مان سنگھ کی راج شاہی قایم ہو چکی تھی۔ مہاراجہ مان سنگھ کی اس مصیبت کو ٹالنے میں اندرراج سنگھوی اور سردار امیر خاں نے اہم رول ادا کیا تھا۔ جب وہ فتحیاب ہو کر واپس ہوئے تو مان سنگھ نے ان کا زبردست خیر مقدم کیا۔

۲۴ ر اکتوبر ۱۸۰۷ء کو مہاراجہ مان سنگھ نے بھی امیر خاں کو نواب کا خطاب عطا کیا اور انھیں اپنے ساتھ مسند پر بٹھا کر بھائی کے رتبے سے نوازا۔ چلتے وقت ہند و تہذیب کے مطابق جدائی کی رسم کے مطابق فوجی اخراجات کے لیے ناواں کا پرگنہ دے دیا۔

ناگور پر ابھی تک سوائی سنگھ اور دھوکل سنگھ کا قبضہ تھا۔ ان کے پاس پندرہ[15] ہزار سے زیادہ فوج تھی۔ اور وہ مستقبل قریب میں مان سنگھ کے لیے کبھی بھی مصیبت کی وجہ بن سکتے تھے۔ اس لیے مان سنگھ نے اپنے کٹر دشمن سوائی سنگھ کو ختم کرنے کے لیے امیر خاں سے ایک خفیہ معاہدہ (جنوری ۱۸۰۸ء) میں کیا۔ جس کے مطابق امیر خاں کو چار لاکھ پچاس ہزار روپے ماہانہ فوجی خرچ کے لیے اور اس کے علاوہ ان کی اولادوں کو مزید جاگیریں دینے کا وعدہ بھی تھا۔

امیر خاں کی ایک بریگیڈ کو تیرہ لاکھ روپے سالانہ پر اپنے یہاں مستقل طور پر ملازمت میں رکھنے کا فیصلہ بھی معاہدہ میں درج تھا۔

امیر خاں نے مہارانا سے اب دکھاوے کا جھگڑا شروع کیا اور مارواڑ کے گاؤں کو لوٹنے لگے۔ ۹ دسمبر ۱۸۱۷ء کو امیر خاں جودھپور سے ناگور کے لیے روانہ ہوئے تھے مان سنگھ نے اندرراج سنگھوی کو حکم دیا کہ وہ امیر خاں کی مدد کے لیے ساتھ جائے۔ اسی عرصہ میں ۹ جنوری ۱۸۱۸ء میں مختار اُدیولا بھی امیر خاں کی مدد کے لیے چل پڑے اُس زمانے کے دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگور پہنچ کر امیر خاں نے باپوجی سندھیا سے ایک خفیہ ملاقات کی جس کے مطابق باپوجی ہیبتٹ کے ہمراہ ناگور سے کوچ کر گیا۔

امیر خاں نے خفیہ طور پر سوائی سنگھ کو یقین دلایا کہ ان کا مہاراجہ مان سنگھ سے ان دنوں دوستی کا رشتہ معقول نہیں رہا۔ ناگور کے نزدیک مونڈوا میں خیمہ لگایا۔ پھر انھوں نے سوائی سنگھ کو خبر بھیجی کہ اگر وہ چاہیں تو دھوکل سنگھ کو جودھپور کے تخت پر بٹھایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مشورہ کے لیے امیر خاں ناگور پہنچے تھے وہاں تارکین درگاہ پر امیر خاں اور ٹھاکر سوائی سنگھ کے درمیان محفل مذاکرہ منعقد ہوئی۔ امیر خاں نے قسم لے کر ٹھاکر کے لیے وفاداری اور یقین کا اظہار کیا۔ ٹھاکر سوائی سنگھ امیر خاں کے بہلاوے میں آگیا۔ اُس نے دھوکل سنگھ کو جودھپور کی گدی پر بٹھانے کے لیے امیر خاں کو چالیس لاکھ روپے دینا قبول کر لیا۔ یہاں تک کہ امیر خاں کی دعوت پر وہ اپنے کچھ وفادار ساتھیوں اور ایک ہزار افراد پر مشتمل افواج کے ساتھ ان سے ملنے مونڈوا پہنچ گیا۔ جہاں امیر خاں نے اُس کے اعزاز میں محفلِ موسیقی منعقد کی محفل جب اپنے شباب پر تھی اور رقاصاؤں کی دلفریب ادائیں شراب کے دور کو دوبالا کر رہی تھیں اُسی وقت امیر خاں نے دھوکے سے سوائی سنگھ اور اس کے کچھ دوستوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور ایک زبردست حملہ کر کے اس کی فوج کو بکھیر دیا۔ جیسے ہی اس حادثے کی خبر ناگور پہنچی دھوکل سنگھ اپنے حمایتیوں کے ہمراہ بیکانیر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح ناگور پہ دوبارہ مہاراجہ مان سنگھ کا قبضہ قائم ہو گیا۔

امیر خاں نے مان سنگھ کی وفاداری میں اُس خُفیہ معاہدہ کے تحت ۳۰ مارچ ۱۸۱۸ء کو

سوائی سنگھ کا کام تمام کیا اور مان سنگھ کی حکومت مضبوط ہوگئی۔ سوائی سنگھ کامیاب سیاست داں بلند حوصلہ سپہ سالار اور سخت اصولوں کا پابند قائد تھا۔ بہر حال ۱۵ مئی ۱۸۰۸ء کو امیر خاں ناگور سے جودھپور واپس ہوئے مہاراجہ مان سنگھ نے پھر ان کا گرانقدر استقبال کیا اور انھیں کئی اعزازات سے نوازا۔ جتنی رقم معاہدہ میں دینا طے کی گئی تھی اُس کا نصف تو فوراً چکا دیا اور باقی جلد ہی چکانے کا وعدہ کرلیا۔ اس کے علاوہ پربت سر، مارو ٹھ، ڈیڈ بانہ، سامبھر، ناواں کو لیا وغیرہ کے سارے پرگنے مان سنگھ نے امیر خاں کو فوجی اخراجات کے لیے قبالہ کر دیے حالانکہ مہاراجہ نے امیر خاں کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرلیا تھا لیکن انجانے میں ہی اُس نے امیر خاں کو اپنے صوبے میں اتنا طاقتور بنا دیا تھا کہ امیر خاں خود ان کے لیے اور مارواڑ کے دوسرے امرا و جاگیرداروں کے لیے تشدد کی علامت بن گئے تھے۔

امیر خاں مہاراجہ مان سنگھ کی مہربانیوں پر قائم و دائم تھے اور جودھپور میں فخریہ وقار کی زندگی گذار رہے تھے لیکن جون ۱۸۱۰ء میں وہ جودھپور سے جے پور کے لیے روانہ ہوئے اور جے پور کے گاؤں کی تاراجی شروع کردی۔ ان کی ان حرکتوں سے عاجز ہوکر مہاراجہ جگت سنگھ نے اپنا ایک قاصد مہاراجہ مان سنگھ کے پاس بھیجا اور صلح معاہدہ کے لیے گذارش کی۔ مئی ۱۸۱۰ء میں دونوں صوبوں کے درمیان ایک —— معاہدہ ہوا جس میں دوسرے شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی تھی کہ مان سنگھ اور جگت سنگھ دونوں ہی کرشنا کماری کے ساتھ شادی کا ارادہ ترک کردیں۔ اور اس طرح ایک سال سے چل رہی جدوجہد کا خاتمہ ہوا۔

حالانکہ اودے پور کے مہاراجہ بھیم سنگھ نے جودھپور اور جے پور حکومتوں کے درمیان ہوئی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ پھر بھی مہاراجہ مان سنگھ انھیں اپنا دشمن تسلیم کرتا تھا۔ کیونکہ اُس نے کرشنا کماری کی سگائی جے پور کے مہاراجہ جگت سنگھ کے ساتھ کردی تھی۔ اس لیے مان سنگھ کے دل میں مہارانا کے لیے نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ جے پور، جودھپور معاہدہ کے بعد امیر خاں نے مہاراجہ مان سنگھ کو مشورہ دیا کہ جب تک کرشنا کماری زندہ رہے گی تب تک جودھپور، جے پور کی دوستی مستحکم نہیں ہو پائے گی۔ اس لیے جیسے بھی ہو کرشنا کماری کو ختم کروا دینا ہی مناسب ہوگا۔ بات مان سنگھ کی سمجھ میں آگئی اور اُس نے

امیر خاں کو ہی یہ ذمہ داری دے کر اُودے پور کے لیے روانہ کر دیا۔

جولائی ۱۸۱۰ء میں امیر خاں تیس، چالیس ہزار افراد پر مشتمل افواج کے ساتھ اودے پور پہنچے اور اجیت سنگھ چوڑاوت کے ذریعے مہاراجہ کے پاس خبر بھیجی کہ وہ کرشنا کماری کی شادی مہاراجہ مان سنگھ کے ساتھ کرنے کو راضی ہو جائیں یا اُس کا قتل کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو وہ میواڑ کو نیست و نابود کر دیں گے اُس وقت میواڑ کے حالات اچھے نہیں تھے۔ اس لیے مہاراجہ امیر خاں کو ناراض کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ امیر خاں کی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر مہاراجہ نے اُس دوشیزہ کو بے قصور قتل کر دینے کی حامی بھر دی۔ لیکن اُسے موت کے گھاٹ اتارنے کا گناہ کرنے کو جب کوئی تیار نہیں ہوا تو کرشنا کماری کو زہر کا پیالہ دیا گیا۔ جسے اُس نے بہ خوشی والد کا حکم سمجھ کر پی لیا اور خود موت کی نیند سو گئی۔ ۲۱ر جولائی ۱۸۱۰ء راج کماری کرشنا کو زہر پلائے جانے کا دن تھا۔ یہ گناہ بہر حال امیر خاں کی گردن پر بوجھ بنا۔ مورخین کا اس امر میں جملہ ہے کہ مہارانا اور سرمایہ داروں کی تنزلی کی وجہ سے لگا کلنک کا یہ کالا ٹیکا آج بھی راجپوتوں کے سیسودیا خاندان پر کالک بن کر دمک رہا ہے۔

اس طرح کرشنا کماری کے زہر پی لینے سے دو مخصوص صوبوں جے پور اور جودھپور کا طویل روایتی دشمنی کا رشتہ ختم ہوا۔ اور امیر خاں واپس جودھپور کی طرف کوچ کر گئے

مارواڑ میں امیر خاں کی دہشت

جودھپور کے مہاراجہ مان سنگھ نے اپنا مقصد امیر خاں کے ذریعے پورا کر لیا تھا۔ اس لیے وہ امیر خاں سے بہت متاثر تھے۔ مہاراجہ نے خدمت کے عوض انھیں بہت بڑی رقم عطیہ دی۔ ساتھ ہی ناواں اور سانبھر کے پرگنے قبالہ کر دیے جس کی آمدنی ماہانہ تقریباً چار لاکھ تھی۔ اب یہ علاقے امیر خاں کی نجی جاگیر کا حصہ تھے۔ علاوہ اس کے مہاراجہ نے انھیں اپنی پگڑی بدل بھائی بھی بنا لیا تھا۔ اس طرح امیر خاں اور مان سنگھ کے درمیان دوستانہ تعلقات مضبوط ہو گئے تھے۔ مارواڑ میں امیر خاں کا اقتدار قایم ہو گیا۔ اس کے باوجود امیر خاں کی ہوسِ دولت وثروت کبھی کم نہ ہوئی۔ ان کی دوستی مارواڑ کے لیے بہت ہی قیامت خیز اور مہنگی ثابت ہوئی۔ مارواڑ کا خزانہ خالی تھا۔ پھر بھی امیر خاں ہر سال اپنی دولت کی مانگ میں اضافہ کرتے رہے وہ کبھی اپنے نائب محمد شاہ خاں کو دولت کی وصولیابی کے لیے مارواڑ بھیجتے تو کبھی خود ہی سر پر سوار ہو جاتے تھے صحیح وقت پر فوج کے اخراجات اور اضافی رقم کی جب وقتاً فوقتاً ادائگی میں تاخیر ہوتی تو وہ مارواڑ کے گاؤں کی تاراجی شروع کر دیتے صوبائی حکومتوں سے روپیے وصولنے کے معاملے میں امیر خاں اپنے دوست مان سنگھ کے ساتھ بھی کسی طرح کی رعایت نہیں برتا کرتے تھے۔

امیر خاں کا اثر مارواڑ میں لگاتار بڑھتا جارہا تھا انھوں نے میڑتا کے آس پاس کا علاقہ دوبارہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

فروری ۱۸۱۱ء میں گھانے راؤ پر بھی انھوں نے قبضہ کر لیا۔ اور اکتوبر میں وہ جودھپور پہنچے جہاں انھوں نے مان سنگھ سے دو لاکھ روپے وصول کیے۔ اگست ۱۸۱۲ء میں ایک بار پھر امیر خاں

جودھپور آئے اور تین لاکھ روپے لے گئے وہاں وہ اکتوبر تک ہی رہے اور پھر کچھ راٹھور فوجیوں کے همراہ جے پور دولت راؤ سے ملاقات کرنے چل پڑے۔

امیر خاں کے لگاتار مطالبے کی وجہ سے جودھپور کی اقتصادی حالت بگڑنے لگی، اور سیاسی توازن بھی برقرار نہ رہ سکا۔ باہری حملوں کا خوف بڑھ گیا۔ سندھ کے تالپورہ حکمراں نے ۱۸۱۳ء میں غالباً جولائی کے مہینے میں امیر کوٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت مان سنگھ نے امیر خاں کو ہی ثالث مقرر کیا اور انھیں خط بھیج کر بلوا بھیجا۔ لیکن وہ جے پور اور بوندی کے مسئلوں میں الجھے ہوئے تھے اس لیے مان سنگھ کے بلاوے پر نہ آ سکے۔ جنوری ۱۸۱۴ء میں مشرق کی طرف سے باپوجی سندھیا نے مارواڑ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ان حالات میں مان سنگھ نے انگریزوں سے امداد طلب کی۔ لیکن انگریزی سرکار نے انگلے سندھیا تسلط قبول کر لیا۔ یعنی مان سنگھ کی تجویز رد کر دی گئی۔

موقع کا فائدہ اُٹھا کر محمد خاں نے جو کہ ۱۸۱۲ء میں جے پور چلے گئے تھے واپس آ کر میڑتا کے نزدیکی علاقوں میں تاراجی شروع کر دی۔ اُن کی دلیل تھی کہ مان سنگھ نے وعدے کے مطابق رقم نہیں چکائی ہے۔ محمد خاں کو خاموش کرنے کے لیے مہاراجہ نے دیوان اندرراج کو حکم دیا کہ جلد ہی انھیں پچاس ہزار روپے بھیج دیے جائیں۔ لیکن شاہ محمد خاں رقم کی واپسی کے بعد مطمئن نہیں ہوئے انھوں نے اپنے خاندان اور فوج کی پرورش کے لیے ناواں کا پرگنہ طلب کیا۔
ابھی دیوان خبر لے کر جودھپور واپس پہنچا ہی تھا کہ وہ بھی ۷ فروری ۱۸۱۵ء کو جودھپور آدھمکے فوجی دباؤ قبول کرتے ہوئے مان سنگھ نے ان کی بقایا رقم چھ لاکھ روپے فوراً چکا دیے اور ناواں، سانبھر، بلاڈا، مالکوٹ اور ڈرگاواس علاقوں کی آمدنی وصول کرنے کا حق بھی لکھ دیا۔ اس کے علاوہ تقریباً چار لاکھ روپے سالانہ کی ادائگی کا وعدہ بھی کر لیا۔

اسی وقت امیر خاں بھی اپنی ۱۴ ہزار افراد پر مشتمل فوج کے همراہ مارواڑ آدھمکے پہلے تو انھوں نے سرحدی علاقوں میں تاراجی کارروائی کی پھر جودھپور پہنچے وہ بھی مان سنگھ اور محمد خاں کی نئی نئی دوستی سے ناراض تھے اس لیے بقایا رقم کی وصولی کے لیے اپنے نمائندہ داتا رام کو مان سنگھ کے پاس بھیجا۔

داتارام ۴ رمئی ۱۸۱۵ء کو مان سنگھ سے ملا، اور کچھ رقم کی وصولیابی کے بعد میڑتا واپس ہوگیا۔ اس چھوٹی سی رقم کی ادائیگی پر امیر خاں نے بھی ناراضگی ظاہر کی اور خود ہی تھوڑے سے سپاہ کے ہمراہ جودھپور پہنچ گئے یہ دن ۲۰ اگست کا تھا۔ قلعے کے صدر دروازے پر اپنی فوج کے کچھ رسالداروں کو تعینات کرکے وہ مہاراجہ مان سنگھ سے ملنے اوپر چلے گئے

امیر خاں کے اچانک قلعہ میں داخلے سے راج دربار میں افراتفری کا ماحول پیدا ہوگیا۔ مان سنگھ اس نئے اور مصیبت زدہ حالات کا مقابلہ کرنے میں خود کو کمزور تصور کر رہا تھا۔ لہٰذا اُس نے دیوان اندرراج اور آیس دیوناتھ کو امیر خاں سے بات چیت کے لیے مہمان خانے میں بھیجا۔ امیر خاں نے فوراً چار لاکھ روپے ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ اندرراج نے کہا کہ وہ اس وقت صرف دو یا تین لاکھ کا انتظام کر سکتا ہے۔

پھر امیر خاں نے تجویز رکھی کہ اضافی رقم کے عوض مہاراجہ ناگور اور میڑتا کے پرگنے اس کے نام لکھ دیں۔ اندرراج سنگھوی اس تجویز کو قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ موجودہ وقت میں حکومت کا وزیر مال بھی تھا۔ ۱۸۱۲ء سے ہی وہ دیوان اور بخشی کے عہدوں پر کام کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ آیس دیوناتھ حکومت کے مختار کل تھے۔ ان دونوں کے علاوہ صوبہ کا کوئی شخص مہاراجہ سے ملاقات کرنے کا اہل نہیں تھا۔ ایک اعلان کرکے مہاراجہ نے ان دونوں کو پانچ سالوں کے لیے کئی طرح کی طاقت دیدی تھی جس کی وجہ سے صوبہ کے دوسرے افسران میں بے چینی پھیل گئی تھی اور اندرراج کی مخالفت میں ایک نیا گروپ تیار ہو رہا تھا۔ موتھا اکھچند ویاس چتر بھج مہتا سورج مل، صاحب چند اور صورت ناتھ جو کہ دیوناتھ کا چھوٹا بھائی تھا وہ سب مخالف گروہ کے مضبوط ممبر تھے۔ اس کے علاوہ اس گروہ میں آؤوا، آسوپ راس وغیرہ علاقوں کے منصب دار ٹھاکر بھی شامل تھے۔ امیر خاں کو جب یقین ہوگیا کہ وہ اندرراج سنگھوی اور آلیس دیوناتھ کی مخالفت کی وجہ سے مطلوبہ رقم بھی حاصل نہیں کر سکتا ہے تو اُس نے مخالف گروہ سے تعلقات پیدا کیے اور ملاقات کی۔

مان سنگھ کی ایک پٹ رانی بھی اندرراج سے خفا تھیں۔ اُس نے اپنے بیٹے چھتر سنگھ کو امیر خاں سے ملنے کے لیے اُس کے خیمے میں ۱۰ ستمبر ۱۸۱۵ء کو بھیجا۔ چھتر سنگھ نے امیر خاں سے کئی

گھنٹے تک بات چیت کی۔ ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئیں اس کے اثبات میں دستاویزات لاحاصل ہیں۔ لیکن بعد کے حادثوں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں نے اندر راج اور آئیس دیوناتھ کو قتل کرنے، مان سنگھ کو تخت سے نیچے اتارنے اور چھتر سنگھ کو مہاراجہ بنانے کی منصوبہ بندی کی تھی۔

اس کام کے لیے مخالفین نے امیر خاں کو سات لاکھ روپے نقد دینے کا وعدہ کیا۔ امیر خاں ضمیر اور روح جیسی کسی چیز سے متاثر نہیں تھے دولت کی ہوس میں امیر خاں نے ان دونوں کا قتل کر دینے میں کوئی گناہ تصور نہیں کیا۔

پھر پانچ لاکھ روپیہ نقد وصول ہوتے ہی امیر خاں نے اندر راج اور دیوناتھ کے خلاف کارروائی شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فوراً ہی اُن کی افواج شہر میں ضروری جگہوں پر تعینات کر دی گئیں اور خاص کارروائی کے لیے موقع کی تلاش ہونے لگی۔ ۹۔ اکتوبر کی شام کو الگیراج گروہ کے خفیہ خبر رساں افسران جو قلعے میں رہا کرتے تھے انھوں نے امیر خاں کو خبردار کیا کہ دیوناتھ اور اندر راج دونوں قلعے میں آپسی مشورہ کر رہے ہیں۔ امیر خاں نے قطب الدین کی قیادت میں ۲۵۔ ۳۰ پٹھان فوجیوں کو دیوان کے پاس رقم کی وصولی کے لیے بھیجا۔ اس دستہ کو خفیہ طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ رقم کا مطالبہ کرتے وقت ان کا قتل کر دیا جائے۔ شام کو نو بجے یہ دستہ ان دونوں وزیروں سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ملاقات کے دوران اندر راج نے نو ماہ کے اندر اندر بقایا رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن قطب الدین ساری رقم فوراً چاہتا تھا۔ بات چیت میں ماحول گرم ہو گیا۔ سپاہیوں نے اندر راج کو پکڑ کر لے جانا چاہا۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اس پر افغان سپاہیوں نے اندر راج اور دیوناتھ کو ایک ہی وار میں قتل کر دیا۔ رات کے وقت مخالف گروہ کے عہدیداران آئیس صورت ناتھ اور قلعے میں موجود عورتوں اور ٹھاکروں نے امیر خاں کے دستے کو حفاظت کے ساتھ قلعہ سے باہر پہنچا دیا۔

مان سنگھ کے محل کو حصار میں لے لیا گیا اور اُسے نظر بند کر دیا گیا۔ اس کے محافظ دستے کو معطل کر دیا گیا۔ مہاراجہ مان سنگھ کو اپنے استاد آئیس دیوناتھ اور وفادار دوست اندر راج

کے قتل کا گہرا صدمہ ہوا۔ انھوں نے حکومت کے معاملوں میں بالکل دلچسپی لینا بند کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ پہلے تنہائی پسند ہوئے پھر ایک کمرے میں انھوں نے خود کو قید کر لیا۔

جب دیوان اندر راج اور دیو ناتھ کے قتل ہونے کی خبر قلعے سے باہر پہنچی تو شہریوں میں بھی جوش اور انتقامی ولولوں کی ہوائیں چلیں۔ لوگوں نے ان حالات کے خلاف بغاوت کا نعرہ بلند کر دیا۔ لیکن پٹھان لیڈر امیر خاں نے شہر لوٹنے اور باغیوں کو فوراً کچل دینے کے احکامات جاری کر دیے اور یہاں تک شہر میں افواہ پھیلا دی کہ اگر کسی نے بھی بغاوت کی ہمت کی تو وہ مان سنگھ کو قتل کر دے گا۔

امیر خاں سے متاثر اکھے چند کی قیادت میں نئی حکومت منظم ہوئی۔ پھر نئی حکومت اور امیر خاں کے درمیان نیا معاہدہ ہوا جس کے مطابق امیر خاں کو کل ملا کر ۲۰ لاکھ روپے کی رقم ملنا طے ہوا۔ اس رقم میں سے پانچ لاکھ روپیہ وہ پیشگی حاصل کر چکے تھے۔ دو لاکھ روپے نئی سرکار بننے کے فوراً بعد چکا یا گیا۔ اور بقایا رقم ربیع کی فصل کے بعد چکا دینے کا وعدہ ہوا۔

امیر خاں کچھ عرصہ تک جودھپور ہی میں ٹھہرے رہے اس عرصہ میں ان کا مقصد تھا مان سنگھ کو اقتدار سے ہٹا کر چھتر سنگھ کو تخت نشین کرنا انھوں نے مان سنگھ کو اپنی دست رس میں لینے کی منصوبہ بندی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور آخر کار دسمبر ۱۸۱۵ء میں وہ جودھپور کو الوداع کہہ کر واپس چلے گئے۔ اندر راج سنگھوی کا قتل اور مارواڑ پر امیر خاں کی تجویز کی بڑے پیمانہ پر مخالفت ہوئی۔ سنگھوی کے بھائی گل راج نے باپوجی سندھیا سے امداد طلب کی۔

دونوں ہی ۲۹ جنوری ۱۸۱۶ء کو جودھپور پہنچے۔ اکھے راج نے ان کا سامنا کیا اور ہار گیا۔ اسے استعفیٰ دینا پڑا اور اس کی جگہ پر فتح راج کی تقرری عمل میں آئی۔ ایک فروری ۱۸۱۶ء کے مطابق مہاراجہ نے ان تبدیلیوں کو قبول کر لیا۔

لیکن ان تبدیلیوں سے حکمرانی اور سیاست میں کوئی اہم سدھار نہیں ہو سکا۔ امیر خاں کی جگہ باپوجی نے لے لی مگر لوٹ کھسوٹ کا کام چلتا رہا۔ باپوجی نے ایک طرف نئی سرکار سے موٹی رقم کا مطالبہ کیا تو دوسری طرف امیر خاں سے خط و کتابت کا سلسلہ ہوتا رہا۔

باپوجی کے اخلاق و اطوار مان سنگھ کو ناگوار گزرتے تھے۔ ستمبر، اکتوبر ۱۸۱۶ء میں

سیاسی عدم استحکام نے ایک بار پھر امیر خاں اور باپو جی کو موقع فراہم کیا کہ وہ اپنے موثر گروہ کی حمایت کرے۔ نومبر ۱۸۱۶ء میں دونوں جودھپور پہنچے۔ جنوری ۱۸۱۷ء میں پنڈاری لیڈر جینو خاں نے امیر خاں کو لکھا کہ وہ مارواڑ کے حکمراں پر دباؤ ڈال کر اس کے خاندان کو ویسی ہی پناہ دلوانے کی کوشش کریں جیسی جسونت راؤ ہولکر کے خاندان کو انھوں نے ۱۸۰۶ء میں دی تھی۔

امیر خاں اور باپو جی نے جودھپور کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت اکھے چند اور اس کے ہم نوا امیر خاں سے ملی بھگت کے لیے کوشاں تھے۔ امیر خاں اور باپو جی نے اپنی خدمات کے عوض موٹی رقم کا مطالبہ کیا۔ آخر کار مخالف گروہ نے آیس جی دیوناتھ کے بجائے بھیم ناتھ کو اپنی حمایت میں کھڑا کر کے مہاراجہ مان سنگھ کو مجبور کیا کہ وہ مکمل اختیارات کے ساتھ چھتر سنگھ کو ولی عہدِ سلطنت قرار دیں اور حکومت کی باگ ڈور اُس کے حوالے کر دیں۔

چھتر سنگھ کی ماں بھی اس سازش میں شامل تھیں۔ گلزار اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ موقع پا کر ۴ر اپریل ۱۸۱۷ء کو گلزار کو قید کر لیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا۔ اس حادثے سے مہاراجہ بہت مجبور ہو گئے کہ حکومت کی ذمّہ داری اپنے بیٹے چھتر سنگھ کو سونپ دیں۔ ۱۹ر اپریل ۱۸۱۷ء کو خود مہاراجہ نے اپنے ہاتھوں سے تلک لگا کر چھتر سنگھ کو ولی عہدِ سلطنت قرار دیا اور سارے اختیارات اُسے منتقل کرنے کا اعلان کر دیا۔

چھتر سنگھ نے اکھے چند کو دیوان کا عہدہ دیا۔ اور ان خدمات کے عوض امیر خاں کو بھی موٹی رقم ادا کی گئی۔ کیوں کہ حکومت کے انتظامیہ میں تبدیلی امیر خاں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے چھتر سنگھ سے موٹی موٹی رقم کا مزید مطالبہ کیا۔ ولیِ عہد سلطنت نے ایک لاکھ پچاس ہزار کی رقم دے کر اس جنجال سے پیچھا چھڑانے کی پہل کی۔ لیکن اس رقم کی وصولیابی کے باوجود امیر خاں کی دہشت علاقے پر قائم رہی۔ جس کا خاتمہ ۱۸۱۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ مہاراجہ چھتر سنگھ کے معاہدہ کے بعد ہی عمل میں آسکا۔

●●

امیر خاں جے پور میں

جسونت راؤ ہولکر کی مدہوشی کے اوقات اور بعد میں اُس کی بیوی "سی بائی کے دورِ حکومت نے ہولکر خاندان کی طرف سے مکمل حقوق حاصل کرکے ایک مخصوص نمائندہ کی حیثیت سے امیر خاں نے راجستھان کے راجاؤں سے کافی عرصے تک ٹیکس کی وصولی کا کام بھی انجام دیا۔
اسی سلسلہ میں مارچ ۱۸۱۰ء میں وہ مالوہ سے دوبارہ راجستھان پہنچے اور ۱۸۱۷ء تک پورے سات سالوں تک راجستھان کو پامال کرتے رہے۔ راجستھان میں ہر طرف ان کا خوف تھا اور راجاؤں اور مہاراجاؤں کے علاوہ انگریز کرنل اور جنرل تک ان سے دہشت زدہ رہا کرتے تھے۔ ان کی جابرانہ اور ظالمانہ تاراجی کی وجہ سے پورے راجستھان کی عوامی زندگی مفلوک الحال اور بیکسی کی زندہ علامت بن گئی تھی۔

جے پور کے مالک و مختار جگت سنگھ رنگین زندگی گذار رہے تھے۔ ان کی محبوبہ رس کپور نے انھیں مکمل طور پر اپنے حسن و جمال کا غلام بنا رکھا تھا۔ جگت سنگھ اُسے روزانہ نئے تحفے اور اعزازات سے نواز کر خوش کرنے میں وقت خرچ کرتے اور حکومت کی ضروریات کی طرف دھیان دینے کا موقع تک نہ مل پاتا۔ صوبائی حکومت کا انتظامیہ مفلوج ہوتا جارہا تھا اور حکومت کی آمدنی میں دنوں دن گراوٹ آرہی تھی۔ پھر بھی امیر خاں نے خراج کی رقم کا مطالبہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ رقم کی وصولی کے لیے امیر خاں نے اپنے فوجی دستے کے سپہ سالار محمد شاہ خاں کو ایک ہزار فوج کے ساتھ جے پور میں ہی تعینات کر رکھا تھا۔ خراج کی رقم صحیح وقت پر وصول نہ ہوتی تو وہ گاؤں کی تاراجی کرنے اور اُسے نیست و نابود کرنے تک کو تیار رہتے

دوسری طرف حکومت کی سیاسی بساط پر وزیر کا عہدہ حاصل کرنے کے لیے سازشوں کا ایک دور بھی چل رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں وزارت میں آئے دن تبدیلی ہوتی رہتی۔ ایسے ماحول میں امیر خاں کو بھی خراج کی رقم حاصل کرنے کے لیے بار بار حکومت سے سمجھوتہ معاہدہ کرنا پڑتا۔

امیر خاں واقعتاً دور اندیش اور طاقتور سردار تھے۔ نواب کا خطاب پانے کے بعد وہ

موثر بھی ہو گئے ۱۸۱۲ء میں ایک بار 'دونی' میں چاند سنگھ نے ان کے نائب محمد شاہ خاں کو ٹونک کے نزدیک آمیر گڑھ قلعے میں گھیر لیا۔ خبر ملتے ہی امیر خاں خود آمیر آئے اور اپنے اثرات کا استعمال کر کے انھوں نے چاند سنگھ کو جے پور کی وزارت سے دست بردار کروا دیا۔ کچھ عرصہ بعد جودھپور اور جے پور کے راجاؤں کی جب شادی ہوئی تو وہاں موجود دونوں راجاؤں نے امیر خاں کو اپنے پاس بٹھایا اور اُن کے ساتھ اس انکساری کا اخلاق برتا جیسے وہ راجستھان کے سلطان ہوں

امیر خاں کے بڑھتے ہوئے اثرات اور ان کی ظالمانہ کارکردگی سے عاجز ہو کر جے پور کے راجہ نے ۱۸۱۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے سرپرستی طلب کی اور معاہدہ کر لیا۔ پہلے بھی جگت سنگھ نے یہ کوشش کی تھی لیکن اسے کامیابی اب ملی۔ جب معاہدے کی خبر امیر خاں کو ہوئی تو انھوں نے جے پور کو اپنی فوجوں کے حصار میں لے لیا اور گولہ باری کرنے لگے مجبور ہو کر جگت سنگھ نے پھر انگریزوں سے امداد طلب کی اور امیر خاں سے بھی دوستانہ معاہدہ کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن جب امیر خاں کو خبر ملی کہ ریواڑی کے قریب انگریزی فوجیں ان سے مقابلہ کے لیے جمع ہو گئی ہیں تو انھوں نے جگت سنگھ سے فوراً سمجھوتہ کیا اور اپنا حصار توڑ کر مع لشکر واپس چلے گئے مورخین کہتے ہیں کہ ۱۸۱۸ء میں جے پور اور انگریزوں کا ایک دوسرا معاہدہ ہوا جس کے بعد صوبہ کو امیر خاں کے ظلم و ستم سے نجات ملی۔

جیمس ٹاڈ لکھتے ہیں کہ جگت سنگھ ناتجربہ کار شخص تھا۔ اس میں ذرا بھی دنیاداری کی سمجھ نہیں تھی۔ وہ صرف "رس کپور" نامی مسلم دوشیزہ کے عشق تک محدود ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ جگت سنگھ نے "رس کپور" کو اپنی آدھی حکومت بھی لکھ دی تھی اور اس کے نام کا سکّہ بھی جاری کیا تھا۔ اس کمزوری کو چھپانے کے لیے ہی اُس نے امیر خاں کی امداد حاصل کی لیکن امیر خاں نے مدد کے نام پر جو کچھ اس کے لیے کیا بدلے میں جے پور کا خزانہ خالی ہوتا رہا۔ وہ جب بھی کسی سے موٹی رقم لیتے تو اپنی افواج کے خرچ کے لیے لیتے جو واقعتاً ہمیشہ ایک سنگین تعداد میں اُن کے ہمراہ ہوا کرتی تھی، خراج وصولی میں تاخیر کے سبب امیر خاں نے جے پور کی کئی تحصیل اور گاؤں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حکمت عملی کے ماہر تھے اور اُسی کی بدولت انھوں نے جے پور میں امن کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

بعد میں انھوں نے ایک طرف انگریزوں سے دوستی کی کوششیں کیں اور دوسری طرف جگت سنگھ کو انگریزوں کے خلاف بھڑکایا اُن کا مقصد تھا کہ جگت سنگھ کسی بھی طرح انگریزوں سے معاہدہ نہ کرے۔ وہ تکڑمی بھی تھے اسی لیے انھوں نے دوستی کی آڑ میں جگت سنگھ کی نادانیوں کا بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ انھوں نے خراج کی وصولی کے نام پر جے پور کو متعدد مرتبہ لوٹا اور خوفناک طور پر عوام کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا۔ جگت سنگھ چونکہ نااہل اور عیاش تھا اس لیے اُسے بھی امیر خاں کے سامنے کئی بار سر جھکانا پڑا۔ حالانکہ وہ چھتریہ تھا لیکن اس میں چھتریہ ہونے کی پہچان باقی نہ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ امیر خاں نے جب مادھوراج پورہ پر گولے برسائے تو جگت سنگھ سیدھے انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ اُس نے جے پور کی آزادی بیچ کر انگریزوں کے ذریعے اپنی حفاظت کا انتظام کیا اور کمپنی کو آٹھ لاکھ روپے سالانہ ٹیکس دینا تک منظور کر لیا۔ ۱۸۱۸ء میں جگت سنگھ کی موت ہوگئی۔

امیر خاں میواڑ میں

کرشنا کماری کی شادی کے معاملے میں جو تباہ کن جد وجہد ہوئی اس میں میواڑ حکومت بالکل الگ ہی کھڑی تماشا دیکھتی رہی۔ لیکن میواڑ کے حالات بھی بہت اچھے نہیں تھے۔ کیونکہ مہارانا کے پاس فوج کی بہت کمی تھی جس کی وجہ سے وہ میواڑ کا کاغذی حکمراں بن گیا تھا۔ سبھی امرار آزاد طور پر کام کرنے لگے تھے۔ اور یہ بات عام ہوگئی تھی کہ میواڑ میں حکومت اور انتظامیہ نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ باغی افواجی سرداروں اور پنڈاریوں کے لیے میواڑ ایک کھلا علاقہ بن گیا تھا۔ وہ جب چاہتے جس سے چاہتے خراج مانگتے اور نہ ملنے پر گاؤں کا گاؤں جلا دیتے۔ فصلیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر ڈالتے ----------------

---------- لیکن ان کی طرف کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر پاتا۔ ۱۸۱۸ء میں دولت راؤ میواڑ چھوڑ کر اجمیر اور بوندی کے راستے سے مالوہ پہنچا۔ ادھر میواڑ حکومت اس نے باپو جی سندھیا کی نگرانی میں دیدی۔

سندھیا تے جیسے ہی میواڑ کا علاقہ چھوڑا امیر خاں اپنی فوج کے ساتھ آدھمکے انھوں نے مہاراجہ سے فوری گیارہ لاکھ روپے ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ اور شرط رکھی کہ اگر مطالبہ فوراً پورا نہ ہوا تو میواڑ کو اُجاڑ دیا جائے گا۔ پھر وہ اپنی فوج کے ساتھ اُودے پور کی طرف بڑھے وہاں انھوں نے ایک چھوٹی سی جنگ لڑی اور فتح یاب ہو خوفزدہ ہوکر مہاراجہ نے امیر خاں کا مطالبہ پورا کرنے کا وعدہ کیا وہ اپنے دوسرے نائب جمشید خاں کو میواڑ سے رقم کی وصولی کے لیے تعینات کر گئے رقم ملنے میں تاخیر کے سبب جمشید خاں کے پٹھان فوجیوں نے اودے پور کے وہ سارے علاقے لوٹ لیے جو میواڑ کی خراج میں تھے۔ عوام پر جابرانہ تشدد کیے گئے۔ زمانہ میواڑ میں جمشید گردی کے نام سے مشہور ہونے لگا۔ دولت راؤ کے ذریعے مقرر میواڑ کے ناظم اعلیٰ باپوجی اور جمشید خاں کے بیچ میواڑ کے کسانوں اور امرا سے خراج وصولی کے مقابلے ہوتے رہے کہ کون زیادہ خراج وصولتا ہے؟ باپوجی نے اس مقابلہ میں جمشید خاں کو پیچھے چھوڑ دیا تو اُس کے حوصلے بلند ہوئے اور وہ امیر خاں کو ختم کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ اس وقت تک امیر خاں کی طاقت کا شہرہ پورے ہندوستان میں پھیل چکا تھا۔ باپوجی سندھیا نے جب امیر خاں سے مقابلے کا ارادہ کیا اور آگے بڑھا تو میواڑ میں بیشونت راؤ نے باپوجی کا عہدہ سنبھال لیا۔ اُس نے سرکاری افواج کی مدد سے جمشید خاں کے نائب دلبر خاں کو شکست دی اور پوری فوج کو میواڑ سے باہر نکالا۔ لیکن اس سے میواڑ کے حالات میں کوئی خوش نما تبدیلی نہیں ہوسکی۔ سندھیا، ہولکر، امیر خاں، جمشید خاں وغیرہ کے علاوہ مراٹھوں اور پنڈاریوں کی دن رات کی تاراجی نے میواڑ کو واقعتاً اُجاڑ کر رکھ دیا۔

مورخ اوجھا کے مطابق چھیتر سنگھ سے لے کر مہارانا راج سنگھ تک تقریباً ۴۵۰ ساڑھے چار سو سالوں میں میواڑ کے مہاراجوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مراٹھوں اور پنڈاریوں کے ساتھ لگاتار جدوجہد کی۔ باوجود اس کے میواڑ حکومت میں اتنی تنزلی نہیں آئی تھی جتنی مراٹھوں کے ساتھ ساٹھ سالوں کی مستقل جنگ سے آئی۔ اگر ۱۸۱۸ء میں انگریزی سرکار کے ساتھ معاہدہ سرپرستی نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً میواڑ حکومت کا کوئی نام لیوا بھی نہ ہوتا۔

امیر خاں بیکانیر میں

۱۸۱۲ء میں امیر خاں نے بیکانیر پر دو مرتبہ حملے کیے۔ اس میں امیر خاں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ کیوں کہ نیوروکا باغی ٹھاکر پرتھوی سنگھ امیر خاں کے سپہ سالار جمشید خاں کی مدد سے ایک مرتبہ پھر جیند و علاقے میں جا پہنچا اور لوٹ کھسوٹ کرنے لگا۔ اس تاراجی میں اس نے کافی رقم جمع کر لی تھی۔

آخر کار ۱۸۱۶ء میں پرتھوی سنگھ نے نریرن کے قایم خانیوں اور جمشید خاں کی مدد سے دوبارچورو پر حملہ کیا اور اس مرتبہ اس نے ۲۳، نومبر ۱۸۱۶ء کو سرکاری افواج کو شکست دے کر چورو شہر اور حکمراں قلعے پر قبضہ کر لیا۔ باغی ٹھاکروں کی وجہ سے بیکانیر حکومت میں چاروں طرف بدامنی تھی اور عوام افسرشاہی و نوکر شاہی کے ماحول میں پستے چلے جارہے تھے۔ ایسے ماحول میں انگریزوں سے معاہدہ ہونے کے بعد ہی بیکانیر کے مہاراجہ کو راحت ملی۔

امیر خاں کا برار پر حملہ

اور

انگریزوں کی غدّاری

۱۸۰۹ء میں امیر خاں سیاسی اطوار سے پورے شباب پر تھے۔ حالانکہ انگریزوں نے امیر خاں سے کئی کام لیے تھے اور اچھی خاصی رقم بھی ادا کی تھی۔ لیکن امیر خاں کی فوجی طاقت اور سیاسی بصیرت اتنی مقبول اور طاقت ور تھی کہ خود انگریز حکمراں اُن سے ٹکراؤ کرنے میں خطرہ محسوس کرتے تھے۔ امیر خاں ایک بہادر اور ہمیشہ کامیاب سپہ سالار مانا جاتا رہا۔ انگریزوں کو جب اُن کی بڑھتی ہوئی طاقت کا احساس ہوا تو وہ خفیہ طور پر ان کی طاقت کم کرنے کی مہم میں لگ گئے۔ دوسری طرف وہ اسی سال کے اوائل سے ہی برار کے راجہ کو سبسیڈیری ایگریمنٹ یعنی "معاہدہ برائے خراج" کے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہے تھے۔

۴ ہر مارچ ۱۸۰۵ء کو مارلیس ویلزلی نے برار کے راجہ کو مشورہ دیا کہ اس وقت انگریز ہولکر سے جنگ کر رہے ہیں۔ اگر ہولکر جنگ میں کامیاب ہوا تو وہ آپ کی حکومت پر حملہ کر دے گا۔ اس لیے آپ کو انگریزوں سے 'معاہدہ برائے خراج' کر لینا چاہیئے تاکہ وقت آئے تو انگریزی فوج آپ کی مدد کر سکے۔ ان دنوں عام طریقہ یہ تھا کہ کمپنی کے مقامی سیاسی ایجنٹ حکومتوں کے مختارِ کل سے عقیدت رکھنے کا ڈرامہ کرتے، ان سے دوستی کرتے اور ان کے وزرا پر موثر انداز میں دباؤ ڈالتے کہ آپ کو انگریزوں کی سرپرستی میں آنے سے فائدہ ہے۔ پھر وہ فائدوں کی ایک فہرست سنایا کرتے تھے۔ اگر حکمراں یا وزیر ان کی بات سے متفق ہو جاتا تو وہ فوراً اُس سے انگریزی سرکار کے نام ایک عرضی لکھواتے جو واقعتاً انگریزوں کی سلطانی قبول کرنے کی ابتدائی کارروائی ہوتی۔ اسی لیے انگریزوں نے ایک طرف برار پر ہولکر

سے حملہ کروادیا اور دوسری طرف خود راجہ کو خوفزدہ کرکے "معاہدہ برائے خراج" کرنے کے لیے متحرک کیا۔

لارڈ منٹو کے دورِ حکومت میں انگریزوں نے حیدر آباد کے نظام کو مجبور کیا کہ وہ امیر خاں کے نام ایک خط لکھے جس میں دعوت دی جائے کہ آپ برار پر حملہ کر دیجیے۔ روپے کا انتظام بھی آپ کی مدد کے لیے کر دیا جائے گا۔ انھیں کہا گیا کہ جس وقت جسونت راؤ ہولکر ناگپور میں تھا ان دنوں برار کے راجہ نے جسونت راؤ کے کچھ قیمتی جواہرات اپنے پاس رکھ لیے تھے۔ امیر خاں سے اب برار کے راجہ کو ایک خط تحریر کروایا گیا۔ جس میں لکھا گیا کہ آپ کے جواہرات یا اُس کی قیمت ہولکر دربار کو واپس کر دیں۔ جب برار کے راجہ سے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملا تو امیر خاں نے برار پر حملے کی تیاری شروع کر دی۔ امیر خاں اور انگریز کمپنی کے مابین باہم پہلے سے ہی یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ انگریز ہولکر دربار کے معاملے میں خاص طور پر برار کے راجہ کے ساتھ ہولکر کے جھگڑوں میں کسی طرح دخل انداز نہیں ہوں گے۔ اس معاہدہ پر بھروسہ کرکے اور نظام کی مدد سے پُر اُمید امیر خاں نے اپنی فوج کے ساتھ ۱۸۰۹ء میں برار کی سرحد پر قیام کیا۔

دوسری طرف برار کے راجہ کو انگریزوں نے ورغلایا کہ نظام اور امیر خاں دونوں مسلمان مل کر تمہارے خلاف سازش کر رہے ہیں اور برار کے اُس علاقے پر جو نظام کی سرحد سے ملحق ہے امیر خاں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ علاوہ اس کے انگریزوں نے بغیر مطالبے کے لارڈ منٹو کے مشورے سے کمپنی کی فوج برار کی مدد کے لیے بھیج دی۔ امیر خاں اپنے مقابلے میں کمپنی کی فوج کو آتا دیکھ کر حیران رہ گئے۔

اس موقع پر پروفیسر ایچ۔ ایچ۔ ولسن کہتا ہے کہ امیر خاں نے ہولکر دربار کے ساتھ، انگریزوں کے اُس معاہدہ اور ان تمام شرائط کی دہائی دی جس میں انگریز سرکار نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ہولکر کے معاملے میں کسی طور دخل انداز نہیں ہوں گے۔

برار کے راجہ سے انگریزوں کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ پھر بھی امیر خاں کو شکست دینے اور برار کے راجہ کی حفاظت کے لیے کمپنی کی فوج جائے وقوع پر حاضر ہو گئی۔

کمپنی کی فوج کو آتا دیکھ کر امیر خاں برار کا سرحدی علاقہ جہاں وہ مقیم تھا چھوڑ کر پیچھے کی طرف واپس ہو گیا۔ انگریزوں نے بھی امیر خاں کے تعاقب کو مناسب نہیں سمجھا۔ اور یہ حادثہ ٹل گیا۔ لیکن امیر خاں کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ انگریزوں پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا ہی عقلمندی ہے۔ کیونکہ اپنے مفاد کے لیے یہ غداری بھی کر سکتے ہیں اس میں انھیں کوئی عار نہیں۔

امیر خاں

۱۸۱۷-۱۸۱۰ء

۱۸۰۹ء تک امیر خاں کی فوجی طاقت بہترین اور دوسری طاقتور حکومتوں کے ہم پلہ ہوگئی تھی۔ ان کی فوج میں کئی رسالدار تھے۔ جو جگہ جگہ ریاستوں اور ٹھکانہ کرنے والے سرداروں سے اپنی فوج کے لیے خراج وصول کرلیا کرتے تھے۔ خراج کی وصولی میں تاخیر ہوتی تو عوام کی ناراجی کرتے اس کے باوجود فوج کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تو وہ سارے رسالدار آپس میں متحد ہوکر امیر خاں سے مطالبہ کرتے۔ ایک زمانہ میں جودھپور کی جنگ کے بعد خدا بخش، محمد سعید خاں، قطب الدین خاں، فیض اللہ خاں، منیر خاں، نجیب خاں، خان محمد دارا شاہ خاں، قمر الدین خاں اور دیگر رسالداروں نے محمد خاں کے ساتھ سازش کی اور اپنی تنخواہ کے لیے بغاوت کردی۔ اُس وقت امیر خاں اہلِ خاندان کے ساتھ ڈوم کولہ کے قلعے میں آرام کر رہا تھا، جو اُس نے کچھ ہی دن پہلے حاصل کیا تھا۔ ان باغیوں نے وہیں پہنچ کر دھرنا دے دیا۔ امیر خاں نے بہادر لال سنگھ کو جو اودے پور میں تھا اپنی فوج سمیت ان باغیوں کو مطمئن کرنے کے لیے بلوا بھیجا۔ لیکن بہادر لال سنگھ نے جواب میں لکھا کہ آج کل میں مہارانا کی خدمت میں ہوں۔ اس لیے بغیر ان کی اجازت کے آ نہیں سکتا۔ لہٰذا امیر خاں نے مہارانا سے سفارش کی۔ بہادر لال وہاں سے سیدھے جے پور پہنچا اور نواب مختار الدولہ سے ملاقات کی اور ایک لشکر ترتیب دے کر مختار الدولہ کی قیادت میں فوج لے کر منزل کی طرف روانہ ہوا۔

جب امیر خاں کو معلوم ہوا کہ اُس کے محافظ دستے جمشید خاں، محمد سعید خاں وغیرہ قائدوں کے ساتھ باغیوں سے علیحدگی اختیار کیے ہوئے ہیں تو انھوں نے سوچا کہ باغیوں کے سامنے

سرنگوں ہونے کے بجائے ان سے بات چیت کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ لہٰذا اُس نے قلعے کے دروازے پر باغی سرداروں سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ اور سرداروں کو مطمئن کرتے ہوئے بولا کہ اگر آپ سردار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے آپ کے اخراجات کی رقم وصول کر کے کہیں چھپا رکھی ہے تو آپ تلاشی کے بعد جو بھی دولت ہاتھ آئے اُس پر قبضہ کر سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن افغان سرداروں نے اُس کا یقین نہ کیا اور اُسے اپنے حصار میں لے کر اُس کے ساتھ بہت نازیبا حرکت سے پیش آئے۔ امیر خاں کو جب خطرہ محسوس ہوا تو اُس نے اپنے فرزند وزیرالدولہ کی قیادت میں تمام اہلِ خاندان کو محافظ دستوں کی نگرانی کے ساتھ ٹونک روانہ کر دیا۔ اور خود ان باغی سرداروں کے ساتھ کشن گڑھ کی سرحد میں آیا۔ وہاں اس نے تاراجی کی اور ستر ہزار روپے فوجی اخراجات کے لیے کشن گڑھ کے راجہ سے حاصل کیا۔ اسی طرح اس نے شاہ پور سے بھی خراج کی وصولی کی اور بوندی کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے وہ سمندی ڈونگرا و نیمون بھی گیا جہاں کرنل موہن سنگھ اور محمد ریاض خاں کے رسالے میں مخلوط ہو گیا جو بوندی سے نیمون آئے تھے۔

امیر خاں نے بوندی سے فوجی اخراجات وصول کیا اور فوراً جے پور کی سرحدوں میں جا پہنچا۔ پھر اُس نے ٹورڈی چاندسین کے نزدیک اُنیارا اور اسردہ سے، وصولی کی نوائی کے نزدیک خیمہ لگایا۔ اب اُس نے جے پور کے ساتھ معاہدہ کا ارادہ کیا۔ جس کے لیے اس نے مختار الدولہ کو پہلے ہی بلوا لیا تھا۔ مختار راستے میں ہنڈون کے مقام پر تھا۔ نیمون سے اس نے مختار کو خط لکھا اور خود موہن سنگھ کی فوج کے ساتھ چاتوس آ گیا۔ یہاں امیر خاں نے میدیہ سنگھ جے پور کے افسر اور دوسرے عہدیداران سے ملاقات کی اور طے پایا کہ آسے ہیرا چند سیٹھ سے اگر بارہ[12] لاکھ روپے فوری حاصل ہو جائے ——— ہیرا چند مختار الدولہ کی حمایت سے سرفراز تھا پھر بھی معاہدہ ہو گیا اور امیر خاں کشن گڑھ کی طرف واپس ہو گیا۔

اُدھر مختار الدولہ نے جب یہ خبر سُنی کہ جے پور کے ساتھ معاہدہ طے پایا ہے تو وہ واپس چلا گیا۔ جے پور کے سابق دیوان راؤ چتر بھج کے ورغلانے پر مختار شیخاوٹی میں نول گڑھ اور

اور کھیتڑی کی مخالفت کرنا ہوا گیا۔ اسی دوران مہاراج جگت سنگھ نے کسی وجہ سے میدیہ سنگھ کو دیوان کے عہدہ سے برخاست کردیا۔ اسی وقت امیر خاں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ مع اہل خاندان ٹونک چھوڑ کر شیر گڑھ چلا جائے۔ اور خود کشن گڑھ روانہ ہوگیا۔ راستے میں اس نے نومبر میں بانڈی کے قریب خیمہ لگایا۔ ادھر مختار الدولہ نے نول گڑھ، کھیتڑی اور شیخاوٹی سے خراج کی وصولی کی اور امیر خاں سے آملا۔ امیر خاں اب تک افغانوں کی اذیت ناک حکمت عملی کے گھیرے میں تھا۔ پورے آٹھ ماہ کا عرصہ اسی طرح ختم ہوگیا۔ اور امیر خاں نے دس لاکھ کی ہنڈی جو ابھی جودھپور سے حاصل کی تھی افغان سرداروں کو دے کر رہائی حاصل کی اور خوشی میں اپنے خیمے میں جب واپس آیا تو اس کی توپوں نے ہی اُسے سلامی دی۔ جے پور میں جب ان توپوں کی آواز گونجی تو مہاراجہ جگت سنگھ کو بہت تعجب ہوا۔ اگلی صبح جب پورے حادثے سے آگاہ ہوئے تو مہاراجہ نے بوہرا دینارام کو امیر خاں کے پاس مفاہمت کے لیے بھیجا۔ امیر خاں کچھ عرصے تک وہیں مقیم رہا۔ جب اسے خراج نہ ملا تو اس نے اپنی فوج کے ہمراہ سانگنور کے نزدیک جودھپور کی مقیم فوج پر حملہ کردیا۔ جودھپوری فوج فرار ہوگئی تو اس نے بوہرا دینارام کے باغ (آج کے گاندھی نگر) کا رُخ کیا۔ وہیں اس نے خیمہ لگایا۔ جب یہ خبر جے پور کے ناظموں نے سُنی تو وہ بہت گھبرائے اور انھوں نے دس لاکھ روپیہ بوہرا دینارام کے ذریعے جو تومار سے امیر خاں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا ادا کرنا منظور کرلیا۔ جس میں سے ۲ لاکھ روپیہ امیر خاں نے مختار الدولہ کی فوج کے حصے میں ڈال دیا۔ باقی روپیہ جمشید خاں، داراشاہ خاں، ضمیر محمد خاں اور دیگر آزاد سپہ سالاروں کے لیے رکھا۔ اس تقسیم کی وجہ یہ تھی کہ جب امیر خاں باغیوں کے حصار میں تھے اس وقت یہ تمام لوگ نہایت ادب و احترام کے ساتھ اپنی وفاداری پر قائم رہے تھے۔ اس روپیہ کی وصولی کا ذمہ امیر خاں نے مختار الدولہ کو دے دیا۔

اس طرح سارے کام ختم کرنے کے بعد لاوا کی طرف بڑھ چلے۔ وہاں پہنچتے ہی انہیں حملہ کرنا تھا لیکن مختار الدولہ نے سمجھایا کہ اس طرح حملہ کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ لہٰذا انھوں نے داراشاہ کی قیادت میں ایک فوج میواڑ بھیجی کہ وہ فوجی اخراجات وصول کرے اور خود دو ہزار گھوڑسواروں جمشید خاں اور آفریدیوں سمیت وہیں مقیم ہوکر لاوا کے حکمرانوں سے اخراج کا مطالبہ کرنے لگا لیکن مطالبہ پورا نہ ہوا۔ اس لیے انھیں لاوا کے قلعہ پر دو تین مرتبہ حملہ بھی کرنا پڑا۔ مگر قلعہ کی مضبوط دیواروں اور کھائیوں کی گہرائی کی وجہ سے کامیابی نہیں ملی۔ اس طرح انتظار اور حملوں کے سلسلے میں کافی وقت

برباد ہوا۔ اسی اثنا میں رائے دانارام کو مختار الدولہ کی ایک فوجی ٹکڑی کے ساتھ جو دھپور روانہ کیا گیا تھا وہ مہاراجہ مان سنگھ سے دس لاکھ روپیہ حاصل کرنے کے بعد واپس ہو رہا تھا کہ یہ خبر جسونت سنگھ ہولکر کے ڈیرے میں پہنچی۔ اس وقت امیرنامہ کا مؤرخ منشی لبساون لال بھی وہاں موجود تھا اور راجہ موہن سنگھ کی فوج میں ملازم تھا۔ اس نے اس حادثے کی یاد میں کچھ کوتائیں بھی لکھیں۔

یہ زمانہ ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۱ء کا تھا جب پنڈاری کریم خاں دولت راؤ سندھیا سے شکستہ ہو کر اپنی پنڈاری فوج کے ساتھ امیر خاں کی پناہ میں آیا ہوا تھا۔ راجہ رانا ظالم سنگھ ہولکر کی بیوہ اور انگریزوں نے امیر خاں پر بہت دباؤ ڈالا کہ وہ پنڈاری گروہ کو گرفتار کر کے مہارانی ہولکر کے حوالے کر دے۔ امیر خاں کو یہ بات اپنے وقار کے لیے معقول نہ لگی۔ لہٰذا اس نے پنڈاری سردار کریم خاں کو اپنی پناہ میں رکھا اور سندھیا و مہارانی ہولکر کو جواب بھیج دیا کہ پنڈاری سردار ان کے پاس ہیں اس لیے انھیں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ امیر خاں کے دوسرے رسالدار کریم خاں کو گرفتار کر کے سندھیا کے حوالے کرنے کو تیار تھے۔ پر انھوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔

لاوا کی جنگ

لاوا کی جنگ سے قبل طے شدہ معاہدے کے مطابق جب پورا کل روپیہ مختار الدولہ کو حاصل ہو چکا تھا۔ اس وصولی کے بعد جمشید خاں اور دوسرے رسالداروں نے اس کے سینے پر اپنی تلوار رکھ کر قسم کھائی کہ جب تک انہیں فوجی اخراجات کے لیے کل رقم نہیں مل جاتی وہ مختار کو رہا نہیں کریں گے۔ اتفاق سے امیر خاں بھی وہاں آ پہنچا۔ غالباً یہ وقت دن کے چار بجے کا رہا ہوگا۔ امیر خاں کو اس حادثے کا علم ہوا تو اس نے سوچا اگر کسی نے اس ڈیرے میں اسے دیکھ لیا تو مختار تصور کرے گا کہ ہنگامہ اسی نے کھڑا کروایا ہے۔ لہٰذا وہ اس ڈیرے سے باہر نکل گیا اور اپنے دوست فیض الحاں بنگش کے خیمے میں جا کھڑا ہوا۔ اور جب تک ہنگامہ ختم نہیں ہو گیا وہیں چھپا رہا۔ جیسا کہ امیر خاں کو شبہ تھا کہ مختار الدولہ کے سپاہیوں نے ہنگامہ کا موجد امیر خاں کو ٹھہرایا اور فیض الحاں کے خیمے کو اپنے حصار میں لے کر مورچہ بندی کر لی اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ جب تک ان کے آقا مختار الدولہ کی رہائی نہیں ہوتی وہ امیر خاں کو اپنے

محصار ہی میں رکھیں گے۔ سپاہ یہ سمجھی کہ امیر خاں ان کے قبضے میں ہے وہ شہر میں حملے کرتی رہی اور ادھر افغان سرداروں نے مختار کو نظر بند رکھا۔ آخر کار امیر خاں نے منشی رائے دانا رام مختار الدولہ کے بھانجے یار خاں اور سیٹھ ہیرا چند کے گماشتے جواہر سنگھ کی ضمانت پر مختار الدولہ کی رہائی کا انتظام کر لیا۔ امیر خاں نے رائے کو بلا کر کہا کہ جب تک وہ مختار الدولہ کو دھرنا دینا منظور نہ کرے گا وہ دونوں مقید رہیں گے۔ انہیں امید تھی کہ اسطرح رائے ان کا ضامن ہو جائے گا لیکن رائے نے امیر خاں کے لیے یہ شرط مان لی۔ یار خاں جواہر سنگھ جمشید خاں اور دیگر افغان سرداروں نے رائے کو اپنے پاس گروی رکھ لیا۔ امیر خاں اور مختار خاں رہا ہوئے۔ اسی دوران راجہ موہن سنگھ کی فوج بھی تنخواہ کے لیے شور کرنے لگی۔ امیر خاں کے خسر محمد ریاض خاں کے بہکاوے میں آکر فوج نے اپنے سردار راجہ موہن سنگھ کو جے پور میں ٹورڈی کے علاقے میں قید کر لیا۔ منشی لبھاون لال نے جو موہن سنگھ کی خدمت میں ملازم صف اول تھا موہن سنگھ کی رہائی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ آزادی کے بعد راجہ موہن سنگھ نے جے پور حکومت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور مختار الدولہ کے ساتھ جا ملا۔ موہن سنگھ کے استعفیٰ کے بعد سردار ریاض خاں لشکر محصول کا سردار مقرر ہوا۔

نواب جمشید خاں، محمد سعید خاں اور دیگر رسالدار جنھوں نے رائے داتا رام اور اس کے دو ساتھیوں کو گروی رکھا تھا، میواڑ میں منبا ہیڑا کی طرف چلے امیر نے داراشاہ رسالدار کی صدارت میں اپنی بہترین فوج خراج وصولی کے لیے میواڑ روانہ کی اور خود تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ کریم خاں پنڈاری کو لے کر ٹونک اور اندر گڑھ ہوتے ہوئے کوٹہ کے راجا رانا ظالم سنگھ کے پاس پہنچے وہاں انھوں نے دو چار دن قیام کیا اور وہاں سے بھانپور پہنچے جہاں حال ہی میں جسونت راؤ ہولکر کی موت ہوئی تھی۔ بھان پور میں امیر خاں نے ہولکر کی بیوہ سے ملاقات کی، پُرسہ دیا اور خراج عقیدت کا اظہار کیا۔ ہولکر کی بیوہ نے جسونت راؤ کے وارث ملہار راؤ کے بالغ ہونے تک اسے حکومت سنبھالنے کی تجویز کر دی۔ امیر خاں نے تجویز منظور کر لی اور بھان پور کا ناظم اعلیٰ بن بیٹھا بعد ازاں انھوں نے کریم خاں پنڈاری کو بھان پور میں کچھ دنوں تک قیام کرنے کی اجازت دیدی۔ اور اسے سمجھایا کہ وہ نامدار خاں اور خود اس کے (کریم خاں کے) ساتھیوں اور عزیزوں کو اس کے (امیر خاں کے) کے ساتھ جانا چاہیے تاکہ وہ تمام احباب کو راجہ درجن سال کھینچی سے ملوا دے جو موجودہ حالات میں دولت راؤ سندھیا کے خلاف بغاوت کر رہا ہے۔ وہ لوگ اچھی امدادی رقم دیں گے اور ہم لوگ بھی سندھیا کو اس کی کارکردگی کی سزا دیں گے۔ کریم خاں کو امیر کا منصوبہ پسند آیا اور وہ خود بھان پور میں رکنے کے لیے راضی ہو گیا۔ اس کے بعد امیر خاں کریم خاں کو انتخار الدولہ اور غفور خاں

کی رسمی نگرانی میں چھوڑ کر خود نامدار خاں، شہامت خاں اور دیگر سرداروں کے ساتھ شیر گڑھ جا کر راجہ درجن سال سے ملا۔ پنڈاری سرداروں کو اس نے درجن سال کے پاس یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ انہیں اچھی رقم بطور امداد دی جائے گی۔ اور دونوں مل کر کچھ کارنامہ بھی کر سکیں گے۔ لیکن پنڈاریوں کو یہ تاکید کر گیا کہ وہ درجن اور اس کے دشمنوں کے درمیان موافقت پیدا کریں یا نہ کریں اپنا فائدہ ضرور دیکھ لیں۔ امیر خاں نے اس موقع پر نامدار خاں کو بھوپال کے وزیر محمد خاں کے نام ایک خط بھی دیا جس میں پنڈاریوں کی مدد کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ اسی دوران امیر خاں نے محمد سعید خاں کو "شمس الدولہ ظفر جنگ" اور سرور خاں کو "سرفراز الدولہ تیغ جنگ" کا خطاب بھی عطا کیا اور سرور خاں کو منور خاں کا متبادل بنا کر سرونج کی گورنری دے دی۔

مختار الدولہ جو "لاوا" کے قریب خیمہ زن تھا۔ اپنی سپاہ میں بغاوت کے آثار دیکھ کر خوف زدہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ "لاوا" کا حصار توڑ کر اپنی فوج کے ساتھ کشن گڑھ چلا گیا۔ امیر خاں نے موہن سنگھ کی ٹکڑی کو دوسرے سپاہیوں کے ساتھ اپنے خسر محمد ریاض خاں کی سربراہی میں جے پور کے راجہ دتی علاقے میں خراج وصولی کے لیے روانہ کر دیا۔ جے پور والوں نے اب تک طے شدہ رقم کی ادائیگی نہیں کی تھی اور ٹال مٹول سے کام چلا رہے تھے۔ مختار الدولہ کے وکیل سے لوگوں نے عرض بھی کیا کہ جب تک ریاض خاں کی سربراہی میں شہر پر توپ خانے نصب نہیں کیے جاتے روپے کی وصولی ناممکن ہے۔ لہٰذا وہ سانبھر کی طرف توپ خانے کی فراہمی کے لیے کوچ کر گئے۔ راستے میں ٹھاکر چاند سنگھ کی قیادت میں جے پور کی افواج نے اس پر حملہ کر دیا۔ جب یہ خبر راجہ بہادر لال تک پہنچی جو اس وقت "لاوا" کے حصار کی رکھوالی کر رہا تھا۔ اور "لاوا" کے حکمرانوں کو اس قدر اپنے دباؤ میں لے لیا تھا کہ ان کے ٹلنے میں بس کسر رہ گئی تھی۔ تو اس نے لاوا والوں سے صرف ۸۰ ہزار روپے کی ادائیگی کے وعدہ پر حصار اٹھا لیا اور فوراً امیر خاں کے خسر ریاض خاں کی مدد کے لیے پہنچا۔ ریاض خاں نے بہادر لال کی مدد سے جے پوری فوج کو شکست کے راستے پر واپس کر دیا۔ اس طرح ۱۸۱۲ء میں "لاوا" کی حکومت برقرار رہی۔ تین ہفتوں میں ٹوٹ گیا۔

امیر خاں کریم خاں کو بھان پور میں چھوڑ کر سیر و تفریح کرتا ہوا اجمیر پہنچا اور اپنے خسر محمد ریاض خاں کا مہمان خاص ٹھہرا۔ محمد ریاض خاں کی سپاہ کو اب تک روپے نہیں مل سکے تھے۔ لہٰذا امیر خاں نے انہیں جلد سے جلد خرچ کی رقم یا تنخواہ دینے کا وعدہ کیا اور روپے کی وصولی میں

جودھپور چلا گیا۔ ادھر مختار الدولہ کو جے پور کی افواج سے دوبارہ مقابلہ کرنا پڑا اور آخر کار معاہدہ بھی ہوا۔ یہی وہ وقت ہے جب ۱۸۱۳ء میں جگت سنگھ کی ہمشیرہ کی شادی مان سنگھ جودھپور کے ہمراہ اور مان سنگھ کی بیٹی کی شادی جگت سنگھ جے پور کے ساتھ ہوئی تھی۔ معاہدہ کے بعد مختار الدولہ میڑتا کے لیے روانہ ہو گیا جہاں اس نے امیر سے ملاقات کے بعد خراج کا مطالبہ کیا۔ یہ خراج جودھپور حکمرانوں پر بقایا تھا۔ جودھپور میں اندر راج اور مہاراج مان سنگھ کے استاد دیوناتھ کے قتل کا حادثہ پیش آیا جس کی روداد آپ گذشتہ صفحات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس حادثے کے بعد امیر خاں شیخاواٹی آ گیا۔ اور وہاں اس نے سیام سنگھ اور شتی سنگھ کے خلاف مورچہ بندی کی۔ انہیں دونوں نے ماضی میں جمشید خاں کو شکست کیا تھا۔ امیر خاں نے ان سے تین لاکھ روپے کا وعدہ لیا اور واپس جے پور پہنچ کر باقی رقم کا مطالبہ کرنے لگا۔ چھوٹے موٹے حملوں کے باوجود مان سنگھ کی بیٹی کی سفارش سے جو اب جگت سنگھ کی بیوی بن چکی تھی، حصار اٹھا کر امیر خاں دوبارہ جودھپور چلا گیا۔ لیکن ادھر جودھپور اور بیکانیر ریاستوں میں وہ تاراجی کرتا ہوا مہینوں تفریح کرتا رہا۔ اسی تاراجی مہم کے دوران ایک دن امیر خاں کی گذر مادھوراجپورہ کے قلعہ کی طرف سے ہوئی جہاں لاوا کے کنور بھارت سنگھ نے امیر خاں کے خسر ریاض خاں کے بیوی بچوں کو ٹوڑی سے محفوظ لاکر امیر خاں کو مجبور کر دیا کہ وہ خود ان پر حملہ کر دے۔

مادھوراجپورہ کی سرگرمیاں

امیر خاں نے جب لاوا کو اپنے حصار میں لیا تھا تو اس وقت لاوا کی مدد کے لیے دکھنڈ کے تمام نرو کے سردار آپہنچے تھے جس میں لدانے کے ٹھاکر مدن سنگھ کے بیٹے کنور بھارت سنگھ بھی شامل تھے۔ یہ بہادر اور حوصلہ مند جوان تھے۔ ان لوگوں نے اپنے خیمے سے ہی "رنجلاں" نامی توپ سے اتنے گولوں کی بارش کی تھی کہ مجبور ہو کر امیر خاں کو اپنے فوج کا حصار اٹھا لینا پڑا تھا۔ اوپر کی سطروں میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ لاوے کا حصار راجہ بہادر لال سنگھ نے لاوا والوں نے اسّی ہزار روپے کے فوری مطالبے کو پورا کرنے کا وعدہ کیے جانے کے بعد اپنا حصار ختم کر لیا تھا۔ یہ مضمون بھی امیر خاں کے تنخواہ دار منشی بساون لال کا ہے جس نے امیر خاں کی زندگی میں ہی "امیر نامہ" لکھ کر شہرت پائی تھی

'امیر نامہ' میں امیر خاں کی مصیبت اور جدوجہد بھری زندگی کا پورا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن مؤرخین کا خیال ہے کہ بھارت سنگھ نے توپوں کی مار سے بے بس ہو کر وہ حصار اٹھا لیا تھا۔

'لاوا' کے حصار کے بعد ایک وقت نروکو میں ایک جشن شادی منعقد ہوئی تھی جس میں کنور بھارت سنگھ بھی اپنے احبابوں کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ وہاں کئی سرداروں کے درمیان جن میں راٹھور بھی تھے۔ باتوں کے دوران بھرت سنگھ لاوا میں دکھائے گئے اپنی بہادری کے جوہر کا ذکر فخریہ انداز میں کرنے لگے کہ کس طرح سودے بازی کے ذریعے معاہدہ بھی نہ ہونے دیا اور لاوا کا حصار بھی ٹوٹ گیا۔ یہاں یہ بتانا بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ راٹھوروں اور کچھواہوں کے درمیان سمدھیوں کے رشتے تھے اور دونوں ایک دوسرے سے مذاق کرنے کا حق رکھتے تھے۔ لیکن ان کے درمیان بحث و مباحثہ میں کبھی تلخی نہ آتی تھی۔ اس لیے جب بھرت سنگھ نے فخریہ جملے ادا کیے تو ایک راٹھور سردار نے منھ بناتے ہوئے جواب دیا "اس میں آپ کی بہادری کیا رہی ؟ آپ نے تو اپنے بے سہارا میزبان کو اور بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ وہ تو قسمت کی بات تھی کہ حصار اٹھ گیا۔ آپ کی بہادری تو اس وقت قابل اشتہار ہوتی جب آپ نواب کو اپنے گھر پر جنگ کی دعوت دیتے۔ ہمیں تو پورا یقین ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو آپ اپنے اہل خاندان سمیت بستر ٹھکانہ سے بھی ہاتھ دھو لیتے۔" یہ جملہ بھارت سنگھ کو تیر کی طرح لگا۔ کچھ لمحوں کے لیے وہ خاموش رہا۔ پھر وہیں کسی شخص سے پانی منگا کر ہاتھ میں قسم کھائی کہ "اگر میں ایک سال کے اندر نواب کو جنگ کی دعوت دے کر شکست نہ دے سکوں تو اصل راجپوت نہیں! اور مجھے اپنے خاندان کا کلنک سمجھا جائے" بھرت سنگھ کے جوشیلے جملوں پر جمع حاضرین نے انھیں مذاق کے ماحول میں ایسی قسم لینے سے منع کیا اور کہا کہ وہ اپنی قسم واپس لے لے۔ لیکن اس نے جواب دیا کہ ہاتھی کے دانت ایک مرتبہ باہر نکل گئے تو کبھی اندر واپس نہیں جا سکتے۔ اسی طرح راجپوت کی زبان سے ادا ہو چکے الفاظ واپس نہیں ہو سکتے اس مزاح سے جس حادثے کی پیدائش ہوئی وہ بھی کم دلچسپ نہیں ہے ؛

جب بھارت سنگھ اپنے فرماں بردار چالاک اور دور اندیش ملازم خاص شمبھو گھا بھائی کے ساتھ گھر کے لیے واپسی کے راستے میں تھے۔ اس وقت راہ میں ہی شمبھو نے کنور بھارت سنگھ کو اس کے اس طرح قسم لینے پر بہت لعنت ملامت سے نوازا اور متنبہ کیا کہ تمھاری غیر ذمہ دارانہ اور ناعاقبت اندیشی سے پاک قسم نروکوں کی نسل کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کئی طاقتور سردار، راجہ اور دوسرے نواب جن کے پاس سبھی طرح کے ہتھیار اور جنگجو موجود ہیں وہ بھی امیر خاں

کو شکست دینے کا صرف خواب ہی دیکھ پاتے ہیں۔ کیا راجستھان میں کوئی سردار اور راجہ ایسا ہے جو امیر خاں کے خلاف میدان میں کھڑا ہونے کی بھی جرأت کر سکے؟ جے پور، جودھپور اور اودے پور جیسی طاقتور ریاستیں بھی اُس کے خوف سے دہشت کی سانسیں لینے پر مجبور ہیں اور وقتاً فوقتاً اُسے فوجی اخراجات کے لیے خراج دینے میں لمحے کی تاخیر سے بھی باز رہتی ہیں۔ اتنا سُن کر کنور بھارت کو واقعہ کی حقیقت کا احساس ہوا اور اُسے محسوس ہوا کہ جوش اور جلد بازی میں اُس نے قسم لے کر ایک ایسی بھول کر لی ہے جس کا مداوی آسان نہیں۔ پھر بھی اس نے حوصلہ بلند کر کے جواب دیا کہ آپ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر آرام کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آج نواب امیر خاں کا مقابلہ کرنے کی ہمت راجستھان میں کسی سردار یا راجہ کے پاس نہیں ہے۔ نواب ان سب سے زیادہ طاقتور ہے، پھر بھی میں نے ارادہ کر لیا ہے تو چاہے نواب جتنی طاقت سے مقابلہ کرے میں تن تنہا بھی اُس سے جنگ کے لیے تیار رہوں اور یقیناً اپنے قول پر قائم رہوں گا۔ چاہے مجھے ایک بہادر جنگجو کی موت کیوں نہ نصیب ہو لیکن میں بزدلی کی موت مرنا نہیں چاہتا۔ بھرت سنگھ کے فولادی ارادہ کا احساس جب گھابھائی شمبھو کو ہوا تو اس نے یقین دہانی کرائی کہ آپ کو اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ میں ایک حقیر ذات کا گوجر ہوں اور بہت چھوٹے سے ٹھکانے کا کامدار ہوں لیکن آپ یقین رکھیں اور دیکھیں کہ سال کے آخر تک کس طرح میں آپ کے قول کو پورا کرنے میں آپ کے شانہ بہ شانہ ہوں۔ اس لیے مجھے پورے اختیارات دیے جائیں اور میرے اقدام پر بھروسہ کیا جائے۔

وقت گذرتا رہا اور سال ختم ہونے کا وقت قریب آ گیا لیکن شمبھو نے بھرت کے قول کو پورا کرنے کا کوئی اقدام نہ کیا۔ اس پر بھرت سنگھ نے شمبھو کو بلا کر اُس کے وعدے کی یاد دہانی کی اور کہا کہ تم چونکہ گوجر ہو اس لیے اپنے وعدے سے مکر سکتے ہو لیکن میں چونکہ راجپوت ہوں اپنا قول پورا کیے بغیر کسی کو جھوٹا منہ دکھانے کی حماقت کیسے کر سکتا ہوں۔ اس ملاقات پر شمبھو نے بھرت سنگھ کو مطمئن رہنے کی تلقین کی اور دوسرے دن شہر لدانے کے حلوائیوں کو بلوا کر پانچ ہزار افراد کے لیے حلوہ پوری بنوانے کا اہتمام کیا۔ دعوت سے پہلے اس نے نزدیکی قبیلے کے مرد، عورت اور بچوں کو بھی مدعو کیا۔ مقررہ وقت پر مہمان آ گئے۔ سب نے اطمینان بخش کھانا نوش فرمایا اور تب شمبھو نے ان تمام مہمانوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "بھائیو اور بہنو! ٹھکانہ میں ایسا کوئی بڑا کام نہیں تھا جس کی وجہ

سے اتنی بڑی دعوت دی جاتی لیکن کنور بہادر توں کے دشمن ہیں اور نروکوں کے ٹکائی (سردار) ہیں۔ اس لیے آپ سب کو ان کو عزت دینی چاہیے اور اعزاز دینا چاہیے۔" اسی وقت کنور بھرت سنگھ گھوڑے پر سوار ہوئے اور وہاں موجود مہمان نروکوں میں سے منتخب بہادر اور حوصلہ مند جنگجو بھی جن کی تعداد پانچ سو تھی۔ شمبھو کی قیادت میں پیدل بھرت سنگھ کے پیچھے چل پڑے۔ تمام افراد مادھوراج پورا کے قلعے کی طرف آئے۔ جے پور میں یہ قلعہ دوسرے قلعوں سے زیادہ وسیع اور مضبوط تھا۔ جب سب لوگ وہاں پہنچے اس وقت رات کے دس بج چکے تھے۔ کئی نے باری باری رسیوں کے سہارے قلعہ میں داخل لیا اور پھر نیچے آکر دروازہ کھولا اور باقی ساتھیوں کو بھی قلعہ کے اندر بلا لیا اور وہاں تعینات محافظوں کو باہر نکال دیا۔ یہ محافظ جگت سنگھ کی راٹھورانی (مان سنگھ کی بیٹی) کے ذریعے مقرر کیے گئے تھے۔ صبح ہونے تک قلعہ کے باہر رہنے والے تمام نروکہ قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو بھی قلعہ میں بلاکر محفوظ کر دیا گیا۔ اور پورے قبیلے کی حفاظت کا مسئلہ حل کر لینے کے بعد امیر خاں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی گئی۔

امیر خاں کے خسر محمد ریاض خاں اس وقت ٹوڑی ٹھاکر کے یہاں مع اہل خاندان بطور مہمان رہائش پذیر تھے جن سے ان کا رشتہ پگڑی بدل بھائی کا ایک زمانہ سے بہت مضبوط اور وجود میں تھا۔ ٹھاکر کی بیگم ریاض خاں کی منہ بولی بہن تھی۔ اس حقیقت سے شمبھو اچھی طرح واقف تھا۔ لہٰذا اس نے دو سو منتخب بہادروں اور بلند حوصلہ سواروں کے ساتھ ٹوڑی کے زنانہ محل پر حملہ کر دیا۔ شمبھو ماہر جنگ و جدل نہیں تھا۔ لیکن اس نے اس جنگ میں ہوشیاری برتی اور گاؤں کے سارے بیلوں کو اکٹھا کر ان کے دونوں سینگوں پر علیحدہ علیحدہ مشعلیں باندھ دیں اور علاقے میں چھوڑ دیا جس سے راٹھورانی کے محافظ گھبرا گئے۔ انھوں نے سمجھا کہ کوئی بہت بڑا ڈاکوؤں کا گروہ تاراجی کے لیے حملہ آور ہوا ہے۔ اس زمانے میں اس طرح کی تاراجی کوئی خاص اور ناممکن بات نہ تھی۔ ریاض خاں اور ٹھاکر جگت سنگھ نے جب شور سُنا تو ملاحظہ کے لیے قلعہ کے دریچوں پر آئے۔ ریاض خاں نے سمجھا کہ رات کے اندھیرے میں خود اسی کی سپاہ تاراجی کے لیے آ دھمکی ہے۔ اس لیے ان کی شناخت کے لیے انھوں نے کچھ سپاہ کو گاؤں کی طرف روانہ کر دیا اور خود محفل موسیقی کی رونق بنا رہا۔

ادھر زنانہ محل پر حملہ کرنے کے بعد شمبھو نے ریاض خاں کے خاندان کی عورتوں اور

بچوں کو جن میں امیر خاں کی اہلیہ بھی شامل تھیں۔ اپنی نگرانی میں قید کر لیا اور پہریداروں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا کہ وہ اس حادثے کی کسی کو خبر دے سکیں۔ ادھر بیلوں کے سینگوں پر بندھی مشعلیں جب بجھنے لگیں تو بیلوں کے ساتھ جو لوگ تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ قلعہ میں جب موسیقی کی محفل برخاست ہوئی اور ریاض خاں اپنے ٹھکانہ پر آئے تو وہاں اہلِ خاندان کو نہ پا کر متفکر ہوئے۔ ادھر محافظ دستے کے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر انھیں تعجب ہوا کہ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور خبر تو دور احساس تک نہ ہوا۔ اس وقت رات کا آخری پہر شروع ہو چکا تھا اور شمبھو تمام نظربند بیگمات اور بچوں کو لے کر مادھو راج پورا کے قلعہ میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں انھیں بڑے احترام کے ساتھ نظربند کر دیا گیا۔ صبح سے پہلے دورانِ جنگ میں ضرورت کے تحت رسد کا انتظام شروع ہو گیا۔ سورج نکلنے کے بعد کسی طرح اس حادثے کی خبر امیر خاں کو ہوئی تو وہ فوراً اپنی دس ہزار افراد پر مشتمل دو فوجی بٹالین کے ساتھ آیا اور قلعہ کو اپنے حصار میں لے لیا۔

حصار بندی کے بعد امیر خاں نے سب سے پہلے بھرت سنگھ کو خبر بھیجی کہ ریاض خاں اور تمام اہلِ خاندان کو فوراً رہا کر دیا جائے۔ لیکن بھرت سنگھ نے پورے دن اپنا نظریہ پردے میں رکھا اور جب تک تمام سپاہ کے لیے رسد کی فراہمی مکمل نہ ہو گئی۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے امیر خاں کو حملے سے روکے رکھا۔ جب بھرت سنگھ مطمئن ہو گیا کہ اب وہ جنگ کر سکتا ہے تو اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ امیر خاں کو ختم کرنے یا خود ختم ہونے کے قول سے بندھا ہوا ہے۔ لہٰذا بغیر جنگ کے وہ کسی کو بھی رہا نہیں کرے گا۔ امیر خاں نے بھرت سنگھ کے تیور دیکھے تو رانوت کی طرف سے بڑھ کر حصار کو اور تنگ کر دیا۔ جب تک امیر خاں کی مدد کے لیے راجہ لال بہادر سنگھ، میاں اکبر محمد خاں اور محمود خاں اپنی فوج کے ساتھ آ گئے اس کے علاوہ محمد جمشید خاں اور اپنے شاگرد ہمت خاں کی گھوڑے سوار فوج کو بھی بلا لیا تھا جنھیں قلعے کے چاروں طرف تعینات کر کے اس نے قلعہ سے باہر نکلنے کا راستہ بند کر دیا اور خود شہری علاقے سے قلعے کا رشتہ منقطع کرنے کے بعد قلعہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن کامیابی نہ مل سکی۔

اس طرح حصار بندی کو مہینوں گذر گئے۔ لیکن امیر خاں کو کامیابی نہیں ملی تب امیر خاں نے اپنی فوج کے تمام سرداروں کو جمع کر کے باہم خیالات کو بنیاد بنا کر یہ طے کیا کہ قلعہ کے ایک

طرف کی دیوار کو توڑ کر حملہ کیا جائے۔ اس منصوبہ بندی سے کام شروع ہوا لیکن امیر خاں کی کابلی سپاہ نے جو زبان کے اعتبار سے پشتو بولتی تھی اور ہندی نہیں سمجھ پاتی تھی دیوار ٹوٹنے سے قبل ہی حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قلعہ کے اندر سے جنگ کر رہی بھرت سنگھ اور شمبھو کی فوج باخبر ہوگئی اور اس نے اوپر سے جلتے ہوئے چھپّر اور بارودی گولوں کی بارش شروع کر دی۔ امیر خاں کی ہزاروں فوج موت کے گھاٹ اتر گئی۔ سینکڑوں جھلس گئے اور جو باقی بچے انھوں نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ امیر خاں نے اپنی شکست دیکھی تو بہت جلال میں آگیا اور کئی سپاہیوں کو اس نے بغیر حکم حملہ کرنے اور بھاگنے کی سزا بھی دی۔ لیکن اس کا یہ منصوبہ ناکام ہو چکا تھا جسے دوبارہ عمل میں لانا ممکن نہ تھا کیوں کہ یہ منصوبہ دشمنوں پر کھل چکا تھا۔ اور دشمن مقابلے کی کامیاب حکمتِ عملی سے بھی واقف ہو چکے تھے۔

مورخ لکھتا ہے کہ اس جنگ میں شمبھو اور بھرت سنگھ نے اس کامیابی سے مورچہ سنبھالا تھا کہ امیر خاں جیسا جنگجو سردار بھی تھوڑی دیر کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ لیکن دونوں نے امیر خاں کے اہلِ خاندان کو اس احترام اور محبت سے اپنے پاس رکھا کہ زمانے تک وہ بھرت سنگھ اور شمبھو کے اخلاق و اطوار کے قائل رہے۔ یہاں تک کہ نواب کی اہلیہ اور بھرت سنگھ آپس میں بھائی بہن جیسے اخلاق سے ایک دوسرے کے معتقد ہوگئے۔ حالانکہ نواب نے قلعہ کی دیوار توڑنے کے لیے ایک دوسرا حملہ بھی کیا لیکن دوسرے موقع پر ان کے اہلِ خاندان نے خبر بھیجی کہ اگر آپ نے قلعہ کی دیوار توڑنے کی کوشش کی تو ہم سب کے مرنے کے بعد ہی بابا بھرت سنگھ اور ان کے خاندان اور اہلِ تقلید پر کوئی آنچ آسکتی ہے۔ اس خبر کے بعد امیر خاں نے قلعہ کی دیوار مسمار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جنگ جاری تھی اور کئی مہینے کا وقفہ گذر چکا تھا۔ امیر خاں کی تمام افواج میدانِ جنگ میں جمع ہو چکی تھی جنھیں تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔ جہاں جہاں سے فوج کے اخراجات کی رقم آنے کو تھی اب تک نہیں آئی تھی۔ ان حالات نے امیر خاں کو بہت متفکر کر دیا تھا۔ لہٰذا احمد خاں، رائے داتا رام اور محمد ریاض خاں نے ایک لاکھ روپیہ کنور چھتر سنگھ سے وصول کر کے امیر خاں کے حوالے کیا۔ جسے امیر خاں نے اپنی فوج میں بطور تنخواہ تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد قلعہ پر حملہ کی تیاری تیسری مرتبہ بھی ہوئی۔ اس مرتبہ امیر خاں نے اپنے تمام کمانڈاروں اور سپہ سالاروں کو متنبہ کر دیا تھا کہ اس کی حکم عدولی فوج کے لیے سزا کا باعث ہوگی۔ لہٰذا قدم

قدم پر اس کے حکم کا اشارہ دیکھا جائے۔ اور بہت واضح اشارہ معلوم ہونے پر ہی قلعہ پر حملہ کیا جائے۔ اس مرتبہ جنگ کی قیادت اس نے خود اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ لیکن اس مرتبہ بھی قسمت نے فریب دیا۔ ہوا چونکہ مخالف سمت میں بہہ رہی تھی اس لیے توپ چلا کر جو اشارہ اس نے کیا تھا وہ باقی دو سمتوں میں کھڑی افواج تک نہ پہنچ سکا دوسمتوں کی فوج نے سمجھا کہ دوسری سمت کی افواج نے قلعہ توڑ دیا ہے اور حملہ کر دیا ہے۔ اس لیے وہ جہاں تھے وہیں دوسرے اشارہ کے انتظار میں جم کر رہ گئے۔ قلعہ میں جمع فوجی اس بار بھی ہوشیار ہو گئے اور امیر خاں اس بار بھی ناکام ہو کے رہ گئے۔

آخر میں امیر خاں نے حصار کو اور چھوٹا کیا اور کوشش کی کہ قلعہ میں لوگ بھوک پیاس کی شدت کا شکار ہو جائیں۔ اب تک جنگ جاری ہوئے ایک سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ حصار ۱۶ نومبر ۱۸۱۶ء کو شروع ہوا تھا اور ۱۸۱۷ء کا نومبر شروع ہو چکا تھا۔ حصار چھوٹا ہونے کی وجہ سے قلعہ کے اندر جمع فوج کو بھی تشویش زندگی ہونے لگی تھی۔ لیکن یہ بھی اتفاق تھا کہ انگریزوں نے اپنی فوج منظم کر کے ان علاقوں میں روانہ کر دی تھی جو امیر خاں کی تاراجی کے علاقے تھے۔ امیر خاں کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے دوسرے علاقوں کی رکھوالی کرے لہٰذا اس نے ایک معاہدہ کیا اور اپنی فوج کا زیادہ تر حصہ توڑ کر اپنے قبضہ کی زمین پر شہر ٹونک واپس آ گیا۔ بعد میں ٹونک کو ہی اس نے اپنی راجدھانی یعنی دار السلطنت بنایا اور عوام کے فائدے کے لیے تاریخی کام کیے۔ ۶۷ سال کی عمر میں ۲۵ رجمادی الثانی ۱۲۵۰ء مطابق ۱۸۳۴ء کو اس کی وفات ہوئی۔ موتی باغ کے کنارے تالاب اور مسجد کے نزدیک اسے دفن کر دیا گیا۔ جہاں آج بھی وہ سو رہا ہے۔

امیر خاں کی شکستِ فاش

سن ۱۸۱۱ء میں سٹین کی جگہ سر چارلس میٹ کاف کو دہلی کے ریزیڈنٹ کا عہدہ ملا۔ وہ چارلس بارلی کے لائحہ عمل اور اس کی پالیسیوں کا سخت ترین مخالف اور نقاد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کمپنی سرکار راجستھان

کی ریاستوں کو سرپرستی عطا کرے اور مراٹھوں نیز امیر خاں کے خلاف کاروائی کرتی ہوئی ان کی حفاظت کرے۔ اس نے موجودہ گورنر لارڈ منٹو سے سفارش کی تھی کہ کمپنی سرکار کی سرپرستی میں راجستھان کی ریاستوں کو متحد کر کے ایک فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا جائے لیکن لارڈ منٹو نے اسے مراٹھوں کے ساتھ ہو چکے معاہدوں کی عملی مخالفت مان کر نامنظور کر دیا۔ (رادھا موہن سرکار صفحہ ۲۲۔۲۰)

لارڈ منٹو کے بعد جب لارڈ ہسٹنگز گورنر جنرل بنا تو اس کے بعد ۱۸۱۳ء میں کمپنی سرکار کی پالیسی میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اور تمام مخالفین کو دباؤ میں لے کر ملک میں اعلیٰ اقتدار نافذ کرنے کے حق میں ماحول تیار کیا گیا۔

دلی اور آگرہ پر کمپنی سرکار کا قبضہ پہلے سے تھا۔ اس لیے اس کی خواہش تھی کہ کمپنی عظیم مغلوں کا تخت استعمال کرے اور ہندوستان میں ایک مکمل طاقت کی شکل میں حکومت کا انتظام چلائے۔ اس وقت ملک میں پنڈاریوں نے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ انھیں امن کے راستے کا کلنک تسلیم کیا جاتا تھا کیونکہ وہ مکمل طور پر ظالم و جابر تھے۔ لارڈ ہیسٹنگز نے پنڈاریوں کے خاتمے کا ارادہ کیا اور اُسے پورا کرنے کے لیے اس نے ایک بہت بڑا منصوبہ بھی بنایا جو دسمبر ۱۸۱۶ء تک برائے عمل تیار ہو چکا تھا۔ ۱۸۱۷ء میں بارش کا موسم ختم ہوتے ہی اُس منصوبہ پر کام کرنے کا فیصلہ لیا گیا تھا۔ گورنر جنرل نے راجستھان کے سبھی راجاؤں سے گذارش کی کہ وہ پنڈاریوں کے خاتمے کے لیے کمپنی کے عملی اقدام میں کمپنی کی مدد فرمائیں اور یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ اگر اس کام میں کسی راجہ نے رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو کمپنی سرکار ان کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کرنے کے لیے آزاد ہوگی۔

لہٰذا لارڈ ویلیجلی کی حکمت عملی کو دوبارہ بنیاد بنا کر راجستھان کی ریاستوں کو کمپنی سرکار کی سرپرستی میں لینے کے لیے گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز نے دہلی کے ریزیڈنٹ چارلس میٹ کاف کو اختیارات دیے کہ وہ راجاؤں کے ساتھ نئے معاہدوں کا انتظام کریں۔ میٹ کاف نے اس خیال کا ایک ایک خط تمام راجاؤں کو ارسال کیا جس میں انھیں نئے معاہدہ کے لیے اپنے وکلاء کے ساتھ دہلی آنے کا حکم دیا گیا تھا۔

ادھر دلی میں میٹ کاف کے ارد گرد رہنے والے راجستھانی وکلاء سے اس کی بات چیت شروع ہوگئی۔ ۵ نومبر ۱۸۱۷ء کو دولت راؤ سندھیا نے پہلا اور نیا معاہدہ کیا جس میں سندھیا نے راجستھان کی ریاستوں سے معاہدہ کرنے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حقوق کو تسلیم کیا گیا تھا

ہولکر کی ریاست کے افسران کو بھی مہید پور کی شکست کے بعد کمپنی کے ان تمام حقوق کو منظور کرنا پڑا تھا۔ یہ معاہدہ ۱۲ دسمبر ۱۸۱۷ء کو ہوا تھا جس کے بعد دارالسلطنت اور ریاستوں کے مابین معاہدہ نافذ کرنے والی رکاوٹیں بھی دور ہو گئیں۔

سب سے پہلے میٹ کاف نے پٹھان سردار امیر خاں کو تاراجی کی زندگی ترک کر دینے کے لیے سفارش کی اور کہا کہ اگر وہ شرافت کی زندگی گزارنے کے لیے تیار ہو جائیں تو انہیں وہ تمام عہدے اور دولت و جاگیر واپس مل جائے گی جو ہولکر کی سلطانی میں انھیں حاصل تھیں اور اس وقت تمام ہولکر کی ریاست پر کمپنی سرکار کا قبضہ ہے لیکن امیر خاں کو اپنی فوج کو منتشر کرنا ہوگا اور توپ خانہ سمیت تمام گولہ بارود اور دوسرے جنگی ساز و سامان انگریزوں کی سپردگی میں دے کر ان سے باز آنا ہوگا۔ لیکن اسے اتنی مراعات دی جاسکتی ہیں کہ وہ اپنی ریاست کو منظم طور پر چلانے کے لیے ضرورت کے تحت توپ خانے اور گولہ بارود اپنے پاس رکھ سکے گا۔ مگر یہ شرط انھیں تسلیم کرنی ہوگی کہ جب بھی کمپنی سرکار کو ضرورت پیش آئے وہ اپنی فوج سے کمپنی سرکار کی مدد کرے گا۔ حالات کو ازحد سنگین محسوس کرتے ہوئے امیر خاں تاراجی کی زندگی کو خیر باد کہہ کر اپنی سلطانی کے لیے رضامند ہو گئے۔ انھوں نے میٹ کاف کی تجویز قبول کر لی۔ ریاست اور دارالسلطنت ہند دہلی کے مابین یہ پہلا معاہدہ تھا جس کے تحت امیر خاں نے انگریزوں کی سرپرستی قبول کر لی۔ کل تک کا پنڈاریوں کا سردار اب راجستھان کی ایک بہت بڑی ریاست کا عزت مآب سردار بن بیٹھا۔

۱۵ نومبر ۱۸۱۷ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی سے نواب امیر خاں کا ایک معاہدہ ہوا اور معاہدہ کے تحت امیر خاں نے پنڈاریوں کے خاتمے میں انگریزوں کی مدد فرمائی۔ بعد ازاں راجستھان میں ٹونک نامی ایک نئی ریاست کا سورج طلوع ہوا۔

انگریز سرکار نے امیر خاں کے دہلی والے نمائندہ منشی نرنجن لال سے معاہدہ کے لیے بات چیت کی۔ منشی ان دنوں چارلس میٹ کاف ریذیڈنٹ کے ہمراہ تھا۔ نرنجن کے ذریعے انگریزوں نے ایک تجویز ارسال کی کہ اگر امیر خاں ان کے شرائط تسلیم کر لیں تو انہیں جنوبی علاقے میں کچھ اور زمینیں عطیہ دی جائیں گی۔ اس طرح معاہدہ کا پہلا شرط نامہ امیر خاں کے دستخط کے لیے بھیجا گیا۔ اس شرط نامہ کو پڑھ کر امیر خاں نے محسوس کیا کہ نئے معاہدہ کے تحت انگریزوں کو زیادہ فائدہ پہنچ رہا ہے اور خود انھیں امید سے بھی بہت کم فائدہ مل سکے گا۔ یہ وہ وقت تھا جب آگرہ

سے جنرل ڈنکن اور دہلی سے جنرل آکٹر لونی جے پور کی طرف روانہ ہوئے تھے اور انگریزوں نے امیر خاں کو ملنے والی مراٹھوں کی امداد پر پابندی لگا دی تھی۔ اس صورت حال نے امیر خاں کو پریشان کر دیا اور آخر کار انھوں نے معاہدہ کر لینے میں ہی عقلمندی سمجھی اور شرط نامۂ اول پر دستخط کر دیے۔

اس شرط نامہ کے مطابق امیر خاں کو مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ سختی کے ساتھ اپنے اسلحہ بردار سپاہیوں کی تعداد میں کمی کریں گے اور اپنا بکتر خانہ انگریزوں کے سپرد کر دیں گے۔ علاوہ اس کے اس معاہدہ کے تحت سرونج، پڑاوا اور گوگلا، نمباہیڑا کے ضلعے امیر خاں اور ان کے وارثین کے اختیارات میں قبالہ کر دیے گئے تھے۔ ٹونک اور رامپورہ کا قلعہ اور اختیاری علاقے امیر خاں کی خاص گذارش پر قبالہ میں بعد میں انھیں عطیہ کیے گئے۔

لیکن انگریزوں نے امیر خاں کے ساتھ بہت حد تک نرمی اور دوستی کا رویّہ اپنایا کیونکہ ان کے مطالبے پر غور و فکر کے باوجود انگریزوں نے انہیں ماہانہ نذرانہ تین لاکھ روپے دینا قبول کیا اور ان کے فرزند کو زندگی کے گزران کی خاطر مالاوات کا مکمل ضلع ہمیشہ کے لیے قبالہ کر دیا۔ اس ضلع کا قبضہ بعد میں انگریزوں نے واپس لے لیا لیکن علاقے سے محصول سالانہ مالگذاری مبلغ ایک لاکھ پچاس ہزار روپے کی نذر کو ماہانہ بارہ ہزار پانچ سو کی شکل میں صاحبزادہ کو ہمیشہ ادا کیا۔ امیر خاں نے یہ تمام شرائط منظور کرنے کے باوجود دستاویزات پر دستخط میں تاخیر برتی کیونکہ وہ ناگپور کے بھونسلے اور انگریزوں کے درمیان سیتا ولدی کی جنگ کے نتیجہ کا منتظر تھا۔ جنگ میں انگریزوں کو فتح ملی، وہ کامیاب ہوئے اور خبر سنتے ہی امیر خاں نے معاہدہ پر دستخط کر دیے اور اپنی حکومت کے لیے ریاست ٹونک کی بنیاد ڈالی۔

معاہدہ کی دستاویز

سن ۱۸۱۷ء میں آنریبل انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب امیر الدولہ محمد امیر خاں کے مابین ایک معاہدہ ہوا جو آنریبل کمپنی کی طرف سے ہز ایکسیلنسی اینڈ موسٹ نوبل دی مارکوس آف ہیسٹنگز کے۔ جی گورنر جنرل سے مکمل طور پر اختیارات حاصل کر چکے مسٹر چارلس تھیوفلس میٹکاف کے ذریعے اور مذکورہ نواب کی طرف سے مکمل اختیارات حاصل کر چکے۔ لالہ نرنجن لال دونوں نے متحدہ طور پر قلمبند کیا۔

شرائط معاہدہ

شرط ۱۔ برطانوی سرکار نواب امیر خاں اور ان کے وارثین کو ان کے ذریعے مہاراج ہولکر کی زمین میں اختیاری علاقوں پر جو مذکورہ مہاراجہ نے انہیں بخش دیا تھا۔ دوبارہ مکمل اور مستحکم قبضہ دینے کا تحریری اور مشروط وعدہ کرتی ہے۔ جو درج ذیل ہیں اور ان علاقوں کی حفاظت کا ذمہ برطانوی سرکار خود لیتی ہے۔

شرط ۲۔ نواب امیر خاں اپنے اختیاری علاقوں میں مقامی نظام کے لیے ضروری افواج کے علاوہ تمام لشکر کو ختم کر دیں گے۔

شرط ۳۔ یہ کہ نواب امیر خاں کسی بھی ریاست یا ملک پر حملہ نہیں کریں گے اور پنڈاریوں نیز دوسرے تاراجیوں سے اپنا کسی بھی طرح کا رشتہ منقطع کر لیں گے۔ اور انہیں سزا دینے، بکھراتے یا انہیں ختم کرنے کے سلسلے میں اپنی طرف سے مکمل طور پر انگریزی سرکار کی مدد کریں گے۔ وہ برطانوی سرکار سے اجازت حاصل کیے بغیر کسی بھی ریاست یا شخص سے کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔

شرط ۴۔ نواب امیر خاں کو اپنے اختیاری علاقوں میں انتظامیہ کی ضرورت کے لیے اور اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے ضروری بندوقوں اور ضروری ساز و سامان کے علاوہ اپنی تمام بندوقیں اور دوسرے جنگی ساز و سامان برطانوی سرکار کو سونپ دینے ہوں گے جس کے عوض انھیں معقول نقد معاوضہ برطانوی سرکار ادا کرے گی۔

شرط ۵۔ جو فوج نواب امیر خاں کی تحویل میں ہوگی وہ برطانوی سرکار کے مطالبے پر انہیں فوراً روانہ کرنی ہوگی۔

شرط ۶۔ چھ نکاتی شرائط پر مبنی اس معاہدہ کو جو دہلی میں قلمبند ہوا اور جس پر مسٹر چارلس ٹیکاف اور لالہ نرنجن لال دونوں نے دستخط کیے اور اپنی مہر ثبت کی اور ہز ایکسیلنسی ویسٹ نوبل گورنر جنرل اور نواب امیر خاں کے ذریعے جس کی تحریری تائید کی گئی، آج ۹ نومبر ۱۸۱۷ء سے ایک ماہ کے اندر دہلی ارسال کر دینا ہوگا۔

نواب کی مہر

سی۔ ٹی۔ ٹیکاف

لالہ نرنجن لال کی مہر۔ ہیسٹنگز

اس معاہدہ کی ہز ایکسیلنسی وگورنر جنرل کے ذریعے سیلیاکیمپ میں ۱۵ ر نومبر ۱۸۱۸ء کو تحریری تائید کی گئی۔

زیڈ۔ ایڈم
گورنر جنرل کے سکریٹری

(سی۔ یو۔ ایچیسن کی "اے کلیکشن آف ٹریٹیز۔ انیج منٹس اینڈ سنڈس جلد ۳ کلکتہ ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۴۴ سے ماخوذ)

امدادی کتب

۱۔ ہنری ٹی پرنسپ — امیر نامہ کا انگریزی ترجمہ
۲۔ ڈاکٹر نریندر سنگھ — تیس فیصلہ کن جنگیں
۳۔ منشی دیوی پرشاد — آمیر کے راجہ
۴۔ ہنومان شرما — ناتھاوتوں کی تاریخ
۵۔ نام ناتھ رتنو — تاریخ راجستھان
۶۔ اصغر علی آدرش — تواریخ محمود آباد

امیر خاں کی حکومت اور انکی خصوصیات

(۱۸۱۷ء سے ۱۸۳۴ء تک)

مذکورہ معاہدہ کے مطابق جو ریاست ٹونک وجود میں آئی اس کا رقبہ ۵۳ ۵ مربع میل تھا اور آمدنی ۵۶ لاکھ روپیہ ماہانہ مع جاگیرات تھی۔ آبادی تقریباً چار لاکھ افراد پر مشتمل تھی جس میں ۸۵ فی صد ہندو اور صرف ۱۵ فی صد مسلمان رہائش پذیر تھے۔

انگریز سرکار نے نواب امیر خاں کے لیے سترہ توپوں کی سلامی مقرر کی تھی۔ اپنے قوتِ نفس، اپنی محنت، اپنے حوصلے اور قوتِ ارادی کے سبب آخر کار محمد امیر خاں ریاست ٹونک کے نواب ہو گئے۔ حالانکہ ان کا مقصد ایک مشت زمین کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر حکومت کرنا ہرگز نہیں تھا، بلکہ وہ دیگر راجاؤں اور نوابوں مخصوص طور پر مراٹھوں کو اپنے ساتھ متحد کر کے انگریزوں سے تب تک جنگ جاری رکھنے کی دیرینہ خواہش رکھتے تھے جب تک کہ انگریز ہندوستان کی ایک ایک انچ زمین کو خیرباد کہہ کر اپنے ملک واپس نہ چلے جاتے۔

محمد امیر خاں ٹیپو سلطان کے بعد ایک واحد مسلم حکمراں تھے جو جنگِ آزادی کے سپاہی کی حیثیت سے اتحاد کی بنیاد اور تلوار کے زور پر ملک سے فرنگیوں کو اپنے ملک سے باہر کرنے میں اپنے مقام پر ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن مورخوں نے نواب محمد امیر خاں کو کہیں لٹیرا، کہیں خرماں نصیب، کہیں دھوکہ باز، کہیں پنڈاریوں کا سردار، کہیں ڈاکو، کہیں ظالم و جابر حملہ آور سردار لکھ کر ان کی تاریخی عظمت کو کم کر دیا ہے۔ اپنی کتاب "ہسٹوریکل الیسیز" (تاریخی مضامین) کے صفحہ ۲، پر مشہور تاریخ داں ڈاکٹر قانون گو نے کہا ہے ـــــ

"امیر خاں کے ساتھ تاریخ نے انصاف نہیں کیا ہے"۔ کچھ تو اپنے احباب کی بے وفائی اور کچھ اپنی مجبوریاں تھیں کہ انھیں زندگی میں بار ہا اپنی شمشیر کی چمک دکھانے کے علاوہ روپیوں کے لیے اپنے مقصد سے پیٹھ پھیرنا پڑا تھا۔ پھر بھی مورخ اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ انگریزوں کے ناک میں دم کرنے والے امیر خاں کا نام سنتے ہی انگریز افسران کے پیروں تلے سے زمین نکل جایا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تمام برطانوی افسران نے انھیں مختلف اعزازات کے بوجھ سے دباؤ میں رکھا اور آخر کار لوازماتِ شہنشاہی کے جال میں پھنسا کر انھیں ایک خاموش طبع حکمراں کا کردار نبھانے کے لیے مجبور کر دیا۔

جب امیر خاں باقاعدہ ریاست ٹونک کے حکمراں ہوئے تو انہوں نے اپنی تلوار پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈال کر اسے میان کے حوالے کیا۔ اس کے بعد وہ تلوار میان سے کبھی نہ نکلی۔

امیر خاں نے اپنی باقی زندگی بہت پُرامن طور پر گذاری اور اپنا زیادہ تر وقت علماء و ادباء کی صحبت میں صرف کر دیا۔ نواب بننے کے بعد وہ نماز، روزے کے پابند رہے اور مرضیٔ خدا و ذکرِ کریم کے آگے ہمیشہ سرنگوں رہے۔

اپنی رئیسانہ زندگی کی ابتدا میں انہوں نے ریاست بسانے اور وہاں امن و قانون نافذ کرنے کے لیے ایک خاموش جدوجہد کی۔ جب نواب کے اعزاز سے سرفراز ہو کر معاہدہ کے بعد وہ ریاست ٹونک کی سرزمین پر پہنچے تو سب سے پہلے انہوں نے پورے لشکر، خدام، اہل خاندان اور دیگر افسران کو دریائے بناس کے پہلو د ساحل پر قیام کا اشارہ دیا۔ یہ جگہ شہر سے باہر کا علاقہ تھی جہاں انہوں نے اپنے لشکر کی رہائش کا انتظام کیا اور اس علاقہ کا نام رکھا "بہیر"۔ اس طرح ان کی پہلی رعایا "بہیر" میں رہائش پذیر ہوئی۔ خود نواب امیر خاں اپنی بیگمات کے ساتھ مستقل طور پر رہائش اختیار کی اور جہاں تاحیات اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ زندگی کے روشن ترین لمحوں سے وفا کرتے رہے وہ جگہ آج بھی ریاست ٹونک میں بیگم باغ کے نام سے مشہور ہے۔

کچھ عرصہ بعد اپنے لشکریوں کو بہیر میں چھوڑ کر وہ خود پرانے قلعہ میں آ گئے تھے۔

اس وقت یہاں جامع مسجد کی تعمیر شروع بھی نہ ہوسکی تھی۔ یہیں قلعہ کے رخ روشن پر ایک بڑے چبوترے پر نواب کا دربار لگا کرتا تھا۔ یہ چبوترہ پتھر کا تھا۔ پُرانے ٹونک اور پُرانے قلعے کے درمیان ایک طویل ارضی حصہ تھا جہاں علاقے کے دہقان اناج کی پیداوار کیا کرتے تھے۔ جب امیر خاں نے خود قلعہ میں رہائش اختیار کی تو اس کھیتی کی زمین کو آبادی کے لیے مکانات کی تعمیر کے لیے وقف کردیا اور کھیتی کے لیے دوسری زمین دے دی۔

قلعے کے نزدیک ہی انہوں نے اپنے رشتہ داروں اور ہمراز و ہم پلہ افسران کو بسایا۔ اور علاقے کا نام ''امیر گنج'' رکھا جو آج بھی اسی نام سے شہر میں آباد ہے۔ اسی علاقے میں ان کے فرزندوں کی بڑی بڑی حویلیاں تھیں جو ان کے ہی دورِ حکومت میں تعمیر ہوئیں۔ امیر گنج علاقے کی فرشی زمین قلعہ سے نوشے میاں کے پل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں داہنے اطراف کا پورا حصہ جس میں گلزار باغ، موتی باغ، دھنّا تلائی، چھوٹا تختہ اور بڑا کنواں تب سے آج تک شامل ہے۔

اس کے علاوہ نظر باغ اور اس کے ارد گرد کا نزدیکی علاقہ تال کٹورا، بڑا تختہ، رجبن، شاگرد پیشہ کا علاقہ آج بھی وزیر گنج میں شامل ہے۔ اس علاقے کا نام امیر خاں نے اپنے فرزندِ اوّل محمد وزیر خاں کے نام سے منسوب کیا تھا۔ اس طرح نواب امیر خاں نے تقریباً قلعے سے پُرانی ٹونک تک کے اس علاقے کو آباد کیا۔ بھیر، چھاؤنی، رجبن اور کالی پلٹن علاقوں میں اپنے لشکری ٹکڑوں کو بسایا۔ کالی پلٹن نام اس لیے مشہور ہوا کہ وہاں کالوں کی ایک زبردست فوج رہا کرتی تھی۔ محلہ شاگرد پیشہ میں وہ لوگ بسائے گئے جو ان کے خدام تھے۔ یہ علاقہ جامع مسجد کے دامن میں تھا۔ اس کے علاوہ محلہ تختہ میں ساہوکاروں، مہاجنوں، برہمنوں اور کائستھوں کو آباد کیا گیا تھا جو عوامی زندگی میں انسانی ہمدردی، مذہبیات اور تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔

جب سارے علاقے آباد ہو گئے تو قلعہ سے پُرانی ٹونک تک ایک لمبی سڑک کی تعمیر ہوئی جس کے دونوں اطراف میں ٹونک کا بڑا بازار بسایا گیا۔ یہ بازار پوری ریاست کے لیے تجارت کا سب سے بڑا مرکز ثابت ہوا۔ بعد میں پُرانے قلعہ کو بھی توڑ کر نئی شکل دی گئی۔

قلعے کے اندر دیوان خانہ اور دوسرے محلات کی تعمیر ہوئی ۔ بیرونی دیواروں کی مرمت کروائی گئی ۔ اور قلعے میں موجود جنگی فوائد کے لیے بنائی گئیں ۔ خندقوں کو مٹی سے بھرواکر دوسری زیادہ گہری خندقیں کھدوائی گئیں ۔ قلعے کی تعمیرات مکمل ہونے کے بعد جامع مسجد کی تعمیر کے لیے ایک بڑا کنواں کھدوایا گیا ۔ جب کنویں سے پانی فراہم ہونے لگا تو مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ۔ لیکن تعمیرات کے دوران بھی مسجد میں پنج وقتہ نمازیں ادا ہوا کرتی تھیں ۔

امیر خاں نے اپنی حکومت کو صحیح طریقے سے چلانے کے لیے مسلمانوں کے واسطے ایک عدالت شرعیہ بھی تعمیر کروائی تھی ۔ علاوہ اس کے دوسرے کئی محکمے تھے جن سے عوام کو سہولیات فراہم ہو سکیں ۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ امیر خاں نے اپنی حکومت کے دوران عوامی سہولیات کے لیے جتنے شعبے کھولے سب میں انگریز سرکار کی مرضی یا اس کا مشورہ ضرور ہوتا تھا ۔ انگریز انھیں جدید ہندوستان کے معماروں میں شمار کیا کرتے تھے ۔

ٹونک میں مکمل انتظامیہ قائم کر لینے کے بعد تعمیرات اور اناج کی پیداوار پر انہوں نے زیادہ توجہ دی اور اپنے قدیم پرگنوں کی دیکھ بھال کے لیے اکثر سرونج بھی گئے ۔ آخر میں ۱۹۲۸ء میں چھبڑا ہوتے ہوئے ایک بار پھر سرونج گئے اور اس مرتبہ اپنے فرزند اوّل محمد وزیر خاں عرف ولی عہد نواب وزیر الدولہ کو وہاں کا حکمراں مقرر کرنے کے بعد ہی واپس آئے ۔ وزیر الدولہ لگاتار چھ سال تک سرونج کے حکمراں رہے اور والد کی وفات کے بعد ٹونک کے نواب ہوئے ۔

نواب امیر خاں جہاں ایک بہادر سپاہی تھے وہیں ایک کامیاب حکمراں اور نواب بھی ثابت ہوئے ۔ انہوں نے ٹونک کو جدید طرز پر بسایا ۔ لوگوں کو روزگار دیا ۔ دیگر سماجی اصلاح کے علاوہ علم و ادب کو پروان چڑھانے میں وہ ہمیشہ منہمک رہے ۔ کسی بھی علاقے کی تہذیب اور وہاں کے تمدن ، وہاں کی زبان سے انہوں نے کوئی بیر نہیں رکھا اور ان سب کی ارتقاء کے لیے تمام طرح کا تعاون فرماتے رہے ۔ مقولہ ہے کہ کسی علاقے کی ترقی وہاں کے حکمراں کی تعلیم و تربیت سے متاثر ہوتی ہے ۔ حالانکہ نواب امیر خاں کے زمانے میں زبان اُردو کا چلن وجود میں تھا لیکن انہوں نے فارسی زبان کو اپنے دربار کی زبان بنانا

قبول کیا اور ہمیشہ فارسی کے ادباء و شعراء کو ہی اپنی صحبت سے سرفراز کیا۔ ریاست ٹونک کی زبان عدلیہ فارسی ہی تھی۔

نواب محمد علی خاں کے زمانے میں زبان عدلیہ اُردو ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ امیر خاں کا لشکر جہاں میدانِ جنگ میں ایک سے بڑھ کر جوہر جنگ و جدال کا تماشہ کیا کرتا تھا۔ وہیں امن کے زمانے میں لشکر ادباء و شعراء اور علماء و واعظین اور مفکر و دانشوروں کی صحبت میں عوام الناس کے لیے علم کا دریا بن گیا۔ کیونکہ امیر خاں کے لشکر میں سپاہانہ شان و شوکت کے مالک ایسے قلم کار بھی تھے جنہیں پہلے لشکر میں عزت و شہرت حاصل تھی اور بعد میں وہ نواب کے دربار میں اور آخر ش ریاست ٹونک کی ادبی محفلوں کی جان بنے۔

منشی بساون لال شاداںؔ کا ”امیر نامہ“ ریاست کے ابتدائی دور کی زبان فارسی میں تخلیق کردہ کتاب ہے۔ جس میں امیر خاں کے حالات زندگی، ان کے فتوحات اور دیگر پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ”امیر نامہ“ دراصل مثنوی ہے جو امیر خاں کی مکمل زندگی اور ان کی کارکردگی کے تفصیلی معلومات کے لیے کافی ہے۔

منشی بساون لال شاداںؔ صرف مورخ اور ادیب ہی نہیں تھے بلکہ ایک معتبر اور علم العروض کے ماہر شاعر بھی تھے۔ منشی تنھن لال وجاہتؔ بھی امیر خاں کے دور میں ایک صاحب بصیرت اور فروز شاعر اور ادیب کی حیثیت سے دربار میں مقبول تھے اور شاداںؔ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔

وجاہتؔ کے فارسی اور اردو کلام کا مختلف مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ وجاہتؔ نے نثر اور نظم دونوں صنفوں میں کئی کتابیں تخلیق کیں

ایک دیگر ادیب و شاعر نکہتؔ نے ”امیر نامہ“ کو مکمل فارسی میں نظم کیا تھا۔ امیر خاں نے اپنی مختلف جنگوں کے سلسلے میں کئی ریاستوں، چھوٹی بڑی حکومتوں کا دورہ کیا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتے کچھ نایاب اور قابل مطالعہ کتابیں ضرور لاتے۔ مطالعہ کرتے اور اسے محفوظ کر دیتے۔ ان تمام کتابوں کو ریاست کی تعمیر نو کو مکمل کرنے کے بعد انہوں نے

ایک کتب خانہ کی شکل دیدی جو بعد میں کتب خانۂ نواب وزیرالدولہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

امیرخاں کے لشکر جرار میں گزرے وقتوں کی باکمال شخصیتیں فقیر محمد گویاؔ، نھّن لال وجہیت، دیوی پرشاد بسا، نکہت صاحبزادہ احمد کریم وغیرہ شامل رہے تھے ان تمام لوگوں نے امن وآشتی کے زمانے میں باکمال صاحبِ قلم کی حیثیت حاصل کی۔

نواب امیرخاں خود زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ لیکن مسلسل فکر کے باعث وہ ایک عالم کا درجہ رکھتے تھے اور عالم ودانشوروں کی قدرومنزلت میں ہمیشہ چاق وچوبند رہتے کسی دانشور یا عالم سے ملنا ہوتا تو کوتاہی نہ کرتے نہ اپنی نوابی کا رعب غالب کرتے یہی وجہ تھی جو لوگ جنگی زندگی کے زمانے میں ان کے سپاہی تھے۔ وہ امن وآشتی کے زمانے میں ان کے مشاہیر ہو گئے۔ اس طرح یہ بات مورخین نے عام کردی ہے کہ ریاست ٹونک کے قائم ہو جانے کے بعد جہاں انہوں نے پوری توجہ سے حکومت کی وہیں فن، سائنس، ادب اور دیگر فنون لطیفہ کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا۔

نواب امیرخاں کا ذکر جب بھی آتا ہے ان کے ساتھ سرفہرست جو نام ہے وہ ہے رائے داتارامؔ کا۔ ان کا اصل نام صرف داتارامؔ تھا اور رائے کا خطاب نواب امیر خاں نے عطا کیا تھا۔ موجودہ بڑا تختہ کا علاقہ انھیں رائے داتارام جی کے نام سے اس وقت منسوب تھا۔ رائے صاحب حکومت کے اتنے فہیم اور قابلِ اعتبار رکن تھے کہ سرکاری دستاویزات پر پہلے ان کے دستخط ہوا کرتے تھے اور اس کے بعد ہی نواب امیرخاں دستخط کرتے۔

اُسی زمانے میں سید محمد بھی ایک جانباز سپاہی اور امیرخاں کے وفادار احباب میں شامل تھے۔ حکیم سید انوار رامپوری کو امیرخاں رامپور سے اپنے ساتھ ٹونک لائے تھے جنہیں امیرخاں نے اپنے فرزند اوّل وزیرالدولہ کا استاد و اتالیق اور سرپرست مقرر کیا۔ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قبلہ مدظلہ العالی کو بھی نواب صاحب ہی اپنے ساتھ لائے اور ان کی نگرانی میں علاقہ موتی باغ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ فقیر محمد گویا واقعتاً شاعر اور دانشور

تھے جو شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی کے اجداد میں تھے۔ امیر خاں کی حکومت میں عہدۂ مفتی الوقت مقرر ہوئے مولوی سعید اللہ خاں صاحب، جامع مسجد ٹونک کے پیش امام اوّل مقرر ہوئے تھے۔ محمد ریاض خاں کے بارے میں مندرجہ بالا سطور میں ذکر آچکا ہے کہ وہ نواب امیر خاں کے خسر اور بہادر پٹھان جنگجو تھے۔

رائے نرنجن لال کو نواب نے اپنی طرف سے دربار جے پور میں ٹونک کا سفیر کبیر بنا کر بھیجا تھا۔ یہی نرنجن لال انگریزوں سے نواب امیر خاں کا معاہدہ کروانے میں پیش پیش رہے تھے۔ محمد شاہ خاں اور وجاہت خاں نواب کے شاہی سپہ سالار تھے اور ایک عظیم فن کار بھی ہوئے جس کے لیے امیر خاں نے انھیں اعزازات سے نوازا اور ادب اور صنف سخن کی پرورش میں ایک اہم رول ادا کیا۔

نواب صاحب کو فن تعمیر سے گہری دلچسپی تھی۔ صرف سترہ سال کے چھوٹے سے عرصے میں انہوں نے ٹونک، سرونج اور دیگر پرگنوں میں اچھا خاصہ تعمیری کام مکمل کیا جس میں مکانات اور سڑکوں کی تعمیر کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ امیر خاں کی ریاست کا دارالخلافہ شہر ٹونک ہی تھا۔ لیکن حکومت کو امن و آشتی کے ساتھ چلانے کے لیے انہوں نے اکثر اپنے پرگنوں کا دورہ کیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ عوام اور ماتحت حکام کے درمیان خفگی اور بدمزگی یا غیر اخلاقی رشتہ تو قائم نہیں ہو گیا ہے۔

حالانکہ امیر خاں ایک روایتی پٹھان تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جنگی دوروں اور جنگوں میں گزرا تھا۔ اس لیے باقی وقت انہوں نے امن کے ساتھ گزارنے پر زیادہ توجہ دی۔ شراب انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں پی۔ نوابی قائم ہونے کے بعد داڑھی انہوں نے رکھ لی تھی اور ہمیشہ روزہ نماز کے پابند رہے۔ جنگ کے دنوں میں بھی ظہر، عصر کی نماز اگر قضا ہو جاتی تو مغرب کے بعد پڑھتے لیکن فجر، مغرب اور عشاء کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔

انھیں شکار کا ہمیشہ شوق رہا۔ لیکن خود شکار سے پرہیز کرتے۔ نواب میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے ریاست قائم ہونے سے قبل یا اس کے بعد کبھی بھی اپنی زندگی کو عیاشی کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ وہ ایک نیک دل اور نیک سیرت انسان تھے۔ طبیعت

میں کبھی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی۔ ہمیشہ خاموش رہتے اور متفکر نظر آتے۔ شاید اس لیے کہ ان کے والد محمد حیات خاں خود طبیعت سے فقیر اور خالص طور پہ عبادت گزار انسان تھے۔ جن کے والد یعنی امیر خاں کے دادا طالب عرف طالع خاں محمد علی خاں روہیلے کی فوج میں ایک بہادر سردار ہوا کرتے تھے اور اپنی دلیری کے سبب ہمیشہ مقبول رہے۔

اس لیے یہ ایک مقولہ مشہور زمانہ ہے کہ نواب امیر خاں میں جوانمردی، دلیری اور بہادری کے عنصر تو تھے ہی جس کے بوتے پر انہوں نے برسوں میدانِ جنگ میں دشمنوں کو خوفزدہ رکھا۔ اور اس قدر کامیاب ہوئے کہ آخر ش ٹونک کی نوابی سے سرفراز ہوئے اور ان کی بہادری کا لوہا انگریزوں نے بھی تسلیم کیا۔ یہ طاقت انھیں اپنے دادا طالب خاں سے وراثت میں ملی تھی۔ اس کے باوجود امیر خاں کی سخاوت کے کئی قصے مشہور ہیں۔ نرم دلی، انسان دوستی، حبّ الوطنی، عدل اور عبادت گزاری امیر خاں کو اپنے والد حیات خاں سے وراثت میں حاصل ہوئی تھی۔

نواب نے اس وقت اپنی ریاست قائم کی تھی جب مغل حکومت کا آفتاب پوری طرح غروب ہو چکا تھا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد ۱۸۰۲ء کا سال آتے آتے مغل سلطنت کے پرخچے اُڑ چکے تھے۔ اور ایسے ماحول میں ایک اسلامی ریاست ٹونک کا قیام اپنے آپ میں امیر خاں کی شجاعت، بہادری اور جواں مردی کی داستان ہے۔

پنجاب کو اپنی حمایت میں لے کر مراٹھوں سے صلح کرنے کے بعد کئی راجہ اور مہاراجاؤں کو بھی انگریزوں نے اپنے معاہدہ سیاست کے جال میں پھانس لیا تھا۔ لہٰذا انھیں امیر خاں سے صلح کی ازحد ضرورت تھی۔ جب انگریزوں نے جسونت راؤ ہولکر سے معاہدہ کیا تھا۔ اس وقت بھی امیر خاں کے دستخط کا مطالبہ کیا تھا جو امیر خاں کی طاقت اور ان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔

سترہ سال تک پورے آب و تاب اور جاہ و جلال کے ساتھ ایک پُرامن حکومت چلاتے ہوئے امیر خاں کو ۱۸۳۴ء میں موت نے آگھیرا۔ موت سے قبل سن ۱۸۳۲ء میں انہوں نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ہیٹنگز سے ملاقات کی تھی جب وہ اجمیر کے دورہ پر راجستھان

تشریف لائے تھے۔

امیر خاں کے کل چودہ عدد فرزند تھے جن کے اسماء گرامی بالترتیب یوں ہیں۔

(۱) صاحبزادہ محمد وزیر خاں عرف وزیر الدولہ (۲) عبدالکریم خاں (۳) عبدالغنی خاں (۴) جمال خاں (۵) جلال خاں (۶) کمال خاں (۷) اکرم خاں (۸) محمد علی خاں رونق (۹) نیفز احمد خاں (۱۰) بخت بلند خاں (۱۱) منیر خاں (۱۲) ہدایت اللہ خاں (۱۳) محمد جہانگیر خاں اور (۱۴) محمد فتح خاں۔ جن میں سے تین فرزندوں کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔

امیر خاں کی موت کے بعد انھیں شہر ٹونک میں واقع موتی باغ قبرستان میں تالاب اور مسجد کے درمیان دفن کر دیا گیا۔

وزیر الدولہ امیر الملک نواب محمد وزیر خاں
بہادر نصرت جنگ
(۱۸۳۴ء سے ۱۸۶۵ء تک)

امیر خاں کی وراثت نوابی اُن کے چودہ بیٹوں میں سب سے بڑے محمد وزیر خاں کو ملی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔ وزیر خاں کے دورِ حکومت میں ہی ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا۔ وزیر خاں اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تعلیم دہلی کے شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کے مدرسے میں مکمل ہوئی تھی۔ وزیر خاں صاحب اسلامی قانون، منطق اور فقہ کے عالم اور روایتی اُصولوں کے پابند تھے۔ انھیں مذہبی امور سے گہری محبت تھی اور واقعتاً ایک مذہبی شخص کی حیثیت سے مقبول و معروف تھے۔

وزیر خاں نے ٹونک کے سماجی اور مذہبی ماحول کی تعمیر میں ایک اہم رول ادا کیا اور مخصوص طور پر میدان تعلیم میں اپنے اجداد سے زیادہ کام کیا۔ چونکہ اس وقت زیادہ تر مسلم ریاستیں اُجڑ چکی تھیں اور موسیقار و فنکار بے سہارا غریبی اور مفلسی کے دن گن رہے تھے۔ اور اس سے مختلف فنون کے فنا ہو جانے کا خدشہ تھا اس لیے وزیر خاں صاحب نے نامور فنکاروں کو ٹونک میں رہائش اختیار کرنے کی دعوت دی۔ کئی فنکار ٹونک آکر بس بھی اور انھوں نے نئی فنکاری یا جدید فنکاری کی روایت پیدا کی اور اسے جلا بخشی۔ مختلف فنون لطیفہ اور فن تعمیر کو وزیر خاں کی گہری دلچسپی کے باعث ارتقاء کی شاہراہیں میسر ہوئیں۔ آپ نے جو سب سے پہلے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی تھی اُسے مدرسہ امیریہ کے نام سے پکارا۔ مخصوص طور پر وزیر خاں نے دیہی علاقوں میں اصلاحی کام انجام دیے اور انتظامیہ کو پختہ اور معقول بنانے کے لیے پہلی مرتبہ ضلع داروں کی تقرری کی۔ وزیر خاں کو شرعی عدالتوں کی

ابتدا اور وہاں مفتی کی تقرری کا شرف بھی حاصل ہے۔ کئی عدالتوں میں قاضی اور پنڈتوں کی تقرری وزیر خاں کی دور اندیشی کا ایک قابلِ ذکر نمونہ تھی۔

پرگنہ سرونج میں بغاوت

نواب امیر خاں نے پرگنہ سرونج پر اپنی موتی بیگم گوالیاری کے بھائی میاں منور محمد عرف میاں منّو کو سرونج کا مختار مقرر کیا تھا۔ اس عہدہ پر وہ ۲۵ سال تک قائم رہے۔ لیکن چھبیسویں سال میں انہوں نے پرگنے کی آمدنی سے حاصل رقم کا کوئی حصہ دارالسلطنت نہیں بھیجا۔ جسے عام طور پر ان کی کھلی بغاوت تصور کیا گیا۔ رقم کی وصولی کے لیے نواب وزیر خاں نے اپنا رسالہ اور توپخانہ چھبڑہ اور سرونج کی طرف روانہ کیا۔ لیکن اُدھر نواب عبدالکریم خاں جو (صوبہ اُتر پردیش) ریاست اودھ کے معزز پٹھان خاندان کی بیگم کے بطن سے امیر خاں کے فرزند تھے، انہوں نے منّو میاں کی حمایت کی اور انھیں اپنے سوتیلے بھائی نواب ٹونک وزیر محمد خاں کے خلاف بغاوت کے لیے اکسایا تھا۔ لیکن جب وزیر خاں نے جنگ کی تو منّو میاں کی موت واقع ہوئی اور وہ خود فرار ہو گئے۔

بعد میں صاحبزادہ عبدالکریم خاں نے نواب وزیر خاں سے معاہدۂ موافقت کی درخواست بھی کی لیکن چونکہ نواب نے معاہدہ کی ذمہ داری اپنے سیاسی مشیر وزیر کو سونپ دی تھی لہٰذا سیاسی مشیر نے انھیں چھبڑے اور ٹونک کے علاقے سے دور اجمیر کی ایک حویلی میں نظر بند کر دیا اور ذاتی اخراجات کے لیے دو ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اجمیر میں جہاں کہ عبدالکریم نظر بند تھے وہ جگہ "نواب کے بیڑے" کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ عبدالکریم کے دو فرزند تھے۔ بڑے حامد خاں اور چھوٹے میاں محمد خاں۔ حامد کے بیٹے میاں کالے خاں اور میاں محمد خاں کے بیٹے اوسا ماں خاں ہوئے۔

اُنبارا کے ساتھ

وزیر محمد خاں کو انگریزی سرکار کی طرف سے خلعت دی گئی تھی۔ ۱۸۴۵ء میں علیگڑھ

کے گاؤں گاڈولی کی سرحد کے تنازعے پر انیاراوالوں سے جنگ ہوئی تھی۔ آخر ش کرنل جیم چیٹ لینڈ ریزیڈنٹ راجستھان نے علی گڑھ اور اُنیارا کی سرحد کا فیصلہ کیا۔ اُنیارا ٹونک کے نزدیک ایک طویل العرض ٹھکانہ تھا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ مہاراجہ جے سنگھ کی مدد کے لیے اسی خاندان کے ایک فرد سنگرام سنگھ نے سانبھر کی جنگ میں حسین علی اور.... سید دونوں بھائیوں کے خلاف جنگ کی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا تھا۔ سن ۱۷۸۵ء جب رنجیت سنگھ نے قابلِ ذکر اور یادگار جنگی حکمتِ عملی کا نمونہ پیش کیا تھا تو خوش ہو کر مہاراجہ جے پور نے خاندانی روایت قائم کرنے کے لیے انھیں راؤ کا خطاب عطا کیا۔ اس خاندان میں مہاراجہ پرتاب سنگھ کے زمانہ میں بشن سنگھ نام کا ایک بہادر شخص ہوا جس نے مہاراجہ کی طرف سے تنگا کی جنگ میں بے مثال شجاعت اور بہادری کا نمونہ پیش کیا اور اس سے خوش ہو کر ۱۸۲۳ء میں انیارا کی آزاد ریاست کے سارے اختیارات مہاراجہ نے بجیت سنگھ کو دے دیے اور خاندانی خطاب کے علاوہ پانچ توپوں کی سلامی کا اعزاز بخشا۔ تب سے اس خاندان کے اعلیٰ مقام راؤ راجہ کہلائے اور راجستھان کی تمام ریاستوں کے اتحاد دیوانی اور فوجداری اختیارات رکھنے والے حکمراں رہے۔ اسی خاندان کے آخری چراغ کا نام سدوار سنگھ تھا۔

نواب وزیر محمد خاں کے دورِ حکومت میں راؤ راجہ سنگھ نے ہمور کا قلعہ اپنے دوسرے بیٹے کو عطا کیا تھا لیکن اندرون خانہ باہم منافرت کے ماحول سے عاجز آکر اس نے وہ قلعہ ٹونک کے حکمرانوں کو دے دیا۔ یہ قلعہ ہاتھ آنے کے بعد ٹونک حکمران نے اُنیارا کی کچھ اور زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ جس کے لیے یہاں ایک چھوٹی سی جنگ بھی ہوئی ریزیڈنٹ جالون صاحب نے ثالث کی حیثیت سے دونوں میں موافقت پیدا کی اور معاہدہ کر دیا۔ اس کے بعد آزادی تک ریاست ٹونک اور ٹھکانہ میں کبھی کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

لاوا سے جنگ

لاوا کی دوسری جنگ کے وقت لاوا کے مالک دمختار کرن سنگھ تھے۔ اس وقت

بھاؤ نگر کا ایک پہلوان ٹونک گھومنے آیا جسے نواب وزیرالدولہ نے اپنا اُستاد بنا لیا اور کئی اعزازات عطا کیے۔ لیکن جب وہ پہلوان واپس ہوا تو راستہ بھول کر لاوا پہنچ گیا۔ جہاں تالاب کے کنارے مہادیوجی کے مندر کے نزدیک اس نے قیام کیا۔ مگر وہاں بھی پہلوان کی بدقسمتی نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا کیونکہ مندر میں پوجا، ارچنا کے لیے آئے شاہی خاندان کے افراد نے پہلوان سے جھگڑا کر لیا۔ دونوں طرف سے تلواریں نکل گئیں اور آخرش دونوں کے درمیان بے وجہ کی جنگ شروع ہوگئی۔ ایک کم عمر بچے نے ٹونک واپس آکر سارا قصّہ بیان کیا۔ قصہ سُن کر نواب غصے سے لال پیلے ہوگئے اور فوراً لاوا پر یلغار کا حکم صادر کیا۔ اس جنگ میں نواب کے ساتھ بھاؤ نگر اور جاؤرا وغیرہ کی فوجیں بھی تھیں۔ اور اسی جنگ میں کرن سنگھ کے ساتھ فتح سنگھ، اُنیارا سے ہنومنت سنگھ، لدانے سے بھارت سنگھ اور رالور سے ان کے بھائی بھی اپنی فوج کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔

نواب کے سپہ سالار اعظم منصور خاں اور کلبی خاں اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ایک بڑے حملے کو سبحان سنگھ کے داروغہ حاجرمہ نے بڑی بہادری سے روکا اور آخر میں وہ بھی موت کے آغوش میں جا پہنچا۔ لیکن نتیجہ لاوا کے حق میں نکلا۔ لاوا کو فتح حاصل ہوئی۔

یہ تفصیل "تواریخ محمود آباد" میں درج ہے۔ لیکن تفصیل میں لاوے کی جنگ کا نتیجہ صاف لفظوں میں درج ہوا ہے نہ اس کی وجہ۔ صرف جنگ میں مارے گئے۔ لوگوں کی ایک فہرست ہے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت

نواب وزیرالدولہ کے دورِ حکومت کا تاریخی حادثہ ہے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت یا غدر حالانکہ نواب خود انگریزوں کے بہترین فرمانرواں اور وفاداروں میں اونچے مقام پر فائز تھے لیکن ان کے فوجیوں اور کئی رشتہ داروں نے نہ صرف بغاوت کی بلکہ دہلی تک پہنچ کر اپنی بغاوت کا اعلان بھی کیا۔[1]

[1] کھڑگاوت ناتھورام۔ رول آف راجستھان ان دی اسٹرگل آف ۱۸۵۷ء۔ صفحہ: ۴۴

اس امر میں نواب کی فوج نے نواب کو قلعے میں مقید کر دیا تھا لیکن ان کے کچھ وفاداروں نے انھیں آزادی دلائی۔ نواب کے بھائی صاحبزادہ محمد منیر خاں اور ان کے ماموں حافظ میر عالم خاں اور ماموں عظیم اللہ خاں بغاوت میں شامل تھے۔ نواب نے بعد میں ریاست میں ڈنڈی پٹوائی کہ جو بھی باغی ان کی ریاست کے حدود میں داخل ہوگا اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان ہوا کہ کوئی بھی یوروپی افسر اس کی ریاست میں نہ آئے کیونکہ یہ علاقہ محفوظ نہیں ہے۔

ٹونک کی فوج نے دہلی سے آگرہ جا رہے باغیوں کو ٹونک آنے کی دعوت دی۔ انکی خاطر تواضع کی اور رسد فراہم کرایا۔ ٹونک کی فوج کے زیادہ تر افسران مع سپاہ کے اپنی اپنی تنخواہیں وصول کرنے کے بعد باغیوں کے ساتھ الگ سے بادشاہ کی مدد کو دہلی چلے گئے۔ ان جانے والوں میں، ۱۱۱ افراد پر مشتمل فوجی ٹکڑی کے ساتھ رسالدار مغل خاں، ۱۵۳ افراد پر مشتمل فوجی ٹکڑی کے ساتھ رسالدار سید امانت شاہ، ۲۹ فوجیوں کے ساتھ رسالدار عبدالغفار خاں، ۵ فوجیوں کے ہمراہ رسالدار مرزا قاسم بیگ، ۷ فوجیوں کے ساتھ رسالدار محمد حسین، ۸۹ فوجیوں کے ساتھ رسالدار شید محمد، ۴۹ فوجیوں کے ساتھ رسالدار احمد خاں اور ۱۵۲ فوجیوں کے ساتھ رسالدار عالم بہار خاں کے علاوہ ۱۰۱ فوجیوں کے مالک رسالدار احمد متن خاں اور سب سے بڑی فوجی ٹکڑی جس میں ۱۰۵ فوجی تھے جس کے مالک رسالدار محی الدین مع اپنی فوج کے ٹونک سے دہلی کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

ٹونک سے جانے والے بھی باغیوں نے راستے میں دہلی کے اجمیری گیٹ پر پڑاؤ ڈالا تھا اور بادشاہ کو اپنی آمد کی اطلاع بھیجی تھی۔ ان فوجیوں نے کئی مرتبہ انگریزوں سے ٹکر لی یکم اگست ۱۸۵۷ء کو ہوئے مقابلے میں ان لوگوں نے ۱۸ عدد انگریزوں کو موت کے گھاٹ اتارا جب کہ ان کے بھی تین افسر دوئم شہید ہوئے۔ لیکن ان فوجیوں کے اخراجات کا انتظام چونکہ دہلی کا بادشاہ نہ کر سکا تھا لہٰذا ان لوگوں نے رفتہ رفتہ دہلی سے فرار ہونا شروع کر دیا۔ ایک دوسری جنگ ۱۳ر اگست کو بھی ہوئی۔ ۳۱ر اگست ۱۸۵۷ء تک ان ڈیڑھ ہزار باغیوں میں سے صرف دو سو باقی بچے تھے۔ تقریباً ۱۳ سو فوجی یا تو موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے یا

ٹونک واپس چلے گئے تھے جہاں انھیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔

ادھر ٹونک کے نواب وزیر الدولہ نے صاحب زادہ محمد منیر خاں کو قید کر کے بیڑیوں میں ڈال کر قلعے میں بند کر دیا۔ صاحبزادہ عظیم اللہ خاں عرف بتے میاں کا بھی یہی حشر ہوا۔ اپنے ماموں حافظ میر عالم خاں اور ان کے فرزندوں کو گرفتار کرنے کے لیے کئی سپاہی بھیجے گئے۔ مقابلے میں ماموں کی تلوار سے موت واقع ہوئی اور بیٹے گرفتار کر کے ہتھکڑی بیڑیوں میں جکڑے قید خانہ میں ڈال دیے گئے۔ اس مقابلے میں نواب کے چھ فوجی زخمی ہوئے تھے۔

ٹونک ریاست کا ایک پرگنہ تھا نمباہیڑا جو نیمچ کے پاس ایک خوش حال بستی کے نام سے مشہور تھا۔ جب نیمچ کی فوج نے جون ۱۸۵۷ء میں بغاوت کی تھی تو نمباہیڑا کے حاکم بخشی غلام محی الدین خاں نے خوب خاطر کی اور باغی فوجیوں کا حوصلہ بلند کیا۔ انھیں رسد بھی فراہم کیا یہاں تک کہ جب شاورس ان کا پیچھا کرتا ہوا چتوڑ گڑھ پہنچا تو حاکم بخشی غلام محی الدین انگریز افسران سے بہت بے رخی سے پیش آیا۔ اور جب شاورس نے سادڑی سے آنے والے فوجیوں کو باغیوں کے تعاقب میں بھیجا تو حاکم نے نمباہیڑا قصبے کے پرکوٹے کا دروازہ بند کروا دیا اور انگریز فوجیوں کو قصبے میں داخلے کی اجازت تک نہ دی۔ حاکم کی اس کارکردگی سے شاورس سخت ناراض ہوا اُسی وقت اُسے خبر ملی کی نمباہیڑا کے شہری مندسور کے باغیوں سے بھی تعلقات گہرے کر رہے ہیں۔

لہٰذا ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو میواڑ کا سیاسی نمائندہ کپتان شاورس نے نیمچ کے کرنل جیکسن کے ساتھ "ہرمینیسٹی" کو ۳۰۹ ویں کمپنی کی انگریزی فوج لے کر چوبدار کے ساتھ قصبے میں بھیجا اور عامل کو بلوایا عامل کے حاضر ہونے پر کپتان نے حکم دیا کہ نمباہیڑا میں ٹونک کے نواب کی جو تین سو افراد پر مشتمل فوج ہے وہ سارے کے سارے اپنے ہتھیار انگریز فوجیوں کے سامنے رکھ دیں۔ عامل نے قصبے میں واپس جا کر شاورس کا حکم سنایا۔ لیکن فوجیوں نے دونوں ہی حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ شاورس نے اپنے چوبدار کو عامل کے پاس دوبارہ بھیجا اور خبر بھیجی کہ وہ اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اس پر عامل اور غلام محی الدین اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ کرنل جیکسن کے پاس حاضر ہوئے کہ وہ خود تو ہتھیار رکھنے کو تیار ہیں لیکن فوجیوں نے ہتھیار دینے سے صاف

انکار کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ واپس قصبے میں چلے آئے۔ بعدازاں ایک چوبدار کو چپراسی کے ہمراہ شارڈس نے تیسری بار قصبے میں بھیجا اور کہا کہ اگر فوج حاکم کی دسترس میں نہیں ہے تو وہ فوراً کپتان کے سامنے حاضر ہو۔ اس سے فوجیوں میں فوراً غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے قصبے کے سبھی پرکٹوں کے دروازے بند کر دیے اور پرکوٹے کی دیوار پر توپ چڑھا کر مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ بخشی نے چوبدار اور چوکیدار کو کہا کہ عامل کپتان کے سامنے ہرگز حاضری نہ دے گا۔ اس کے بعد فوجیوں نے چوکیدار اور چوبدار سے مڈبھیڑ کر لی جس میں دونوں سخت زخمی ہوئے۔ وہ اپنی جان بچا کر بھاگے اور رات ہوتے تک ایک مندر میں جا چھپے۔ عامل، بخشی اور خاص پٹیل تاراچند نے ان دونوں کی تلاش میں ساری رات گزار دی لیکن رات کے اندھیرے کا فائدہ اُٹھا کر چوبدار اور چوکیدار کچھ مقامی لوگوں کی مدد سے شارڈس کے خیمے میں پہنچ گئے۔

کپتان شارڈس نے ساری رات ہلکی توپوں سے پرکوٹے کو توڑنے کی ناکام کوشش کی۔ رات کو ہی عامل اور بخشی غلام محی الدین پٹیل تاراچند کی مدد سے قصبے کے فوجیوں سمیت فرار ہو گئے۔ جب صبح کپتان کو معلوم ہوا کہ چڑیا اُڑ گئی ہے تو اس نے قصبے کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

بعدازاں قصبے کے درمیان میں انگریزی فوجیں آ کھڑی ہوئیں اور وہاں یونین جیک لہرایا گیا۔ قصبے اور پرکوٹے کے اندر رکھی توپوں پر بھی انگریز فوجیوں نے قبضہ کر لیا رات ہوئے مقابلوں میں ایک انگریز افسر اور بیس ہندوستانی مارے گئے تھے۔ دو انگریز افسر بُری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ پردھان پٹیل گرفتار ہو گیا تھا جسے مجمع عام میں توپ سے اڑا دیا گیا۔ بخشی محی الدین مندسور جا پہنچا اور وہاں باغیوں میں شامل ہو گیا۔ تب ہی نواب ٹونک کی فوجی ٹکڑیوں نے باغی ٹکڑی کو دعوت دی۔ اس لیے آگرہ جاتے ہوئے انھیں ٹونک میں بھی قیام کرنا پڑا۔

نواب کو ان کی ہی سپاہ نے اُنکے ہی قلعے میں بے یار و مددگار مقید کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے نواب نے ان باغیوں سے موافقت قائم کرنے اور معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔

ان دنوں تاملیا ٹوپے نے باغی سرداروں میں اپنا مقام بہت اونچا کر رکھا تھا۔ انگریز اسکے نام سے کانپتے تھے۔ وہ چمبل پار کر کے جے پور پہنچنے کی تیاری کر رہا تھا۔ لیکن جنرل رابرٹس نے اسے پہلے ہی روک لیا۔ رابرٹس کی رپورٹ (۲۱ر جولائی ۱۸۵۸ء) کے مطابق تاتیا جے پور کا راستہ کاٹ کر دولت پور کی طرف چلا گیا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ ٹونک کی فوجیں بھی اس کی حمایت اور امداد کے لیے خود کو قلعے میں محفوظ کر لیا۔ لیکن اس کی فوجی ٹکڑی مکمل طور پر باغیوں سے مل گئی۔

نواب کی وفاداری کے بدلے میں انگریزوں نے اس کو اور اس کے لاولد خاندان کا تخت اسے وراثت میں دیدیا اور ساتھ ہی یہ حقوق بھی تبادلہ کر دیے گئے کہ وہ قرآنی قانون کے مطابق بغیر کوئی نذرانہ دیے ہوئے کسی کو بھی اپنی اولاد کے طور پر گود لے سکتا ہے۔

نواب وزیرالدولہ اور انکا دور حکومت

نواب وزیرالدولہ آن بان اور شان و شوکت کے درخشندہ حکمراں تھے چونکہ ان کی ابتدائی تعلیم دہلی میں شروع ہوئی اور وہیں مکمل بھی ہوئی اور دوسرے یہ کہ بادشاہ بہادر شاہ ظفر ان کے خالو ہوا کرتے تھے اس لیے شاہی ادب و آداب سے آپ بہ خوبی واقف ہی نہیں تھے بلکہ ان کے کردار و عمل میں شہنشاہی رعب صاف طور پر نظر آتا تھا۔ اپنے دربار میں بھی انہوں نے دانش وروں، عالموں اور عدل پرست حکمرانوں کو جگہ دے رکھی تھی۔ اس وقت دانش وروں نے ٹونک کی طرف رخ کیا۔ اور اپنے علم و ادب اور اپنی سخن وری سے ریاست ٹونک کا نام دوسری مہذب اور ادب نواز ریاستوں میں مقبول و معروف کروانے میں ایک اہم رول ادا کیا۔ بات چیت میں ہر وقت "اللہ کی مرضی سے"، یا "مرضیٔ الٰہی ہے"۔ جیسے جملے تکیہ کلام کی شکل میں آپ کی زبان پر جاری رہتے۔

زمانۂ ولی عہدی میں جب وزیرالدولہ سرونج میں قیام پذیر تھے ایک غیر مسلم دوشیزہ کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک چلا۔ بعد میں آنجناب نے ان سے نکاح کر لیا

ان سے ایک فرزند صاحبزادہ محمد علی خاں تھے۔ اپنے عہد میں انہوں نے جن شخصیتوں کو ٹونک کی مہمانی سے سرفراز کیا ان میں سید حیدر علی صاحب، حکیم دائم علی صاحب، مولوی احمد مجید صاحب، مولوی احمد صاحب، مولوی سراج الرحمٰن، نجف علی صاحب اور حکیم نازش کا نام ادب واحترام سے لیا جاتا ہے[1]۔

نواب زادہ احمد خاں صاحب، مولوی نوشے میاں صاحب، صاحبزادہ عباداللہ خاں، صاحبزادہ احمد علی خاں رونق کو ٹونک کے ان چراغوں میں شمار کیا جاتا ہے جن کے دم سے ریاست میں علم و ادب کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روشن ہوا۔ سید حیدر علی صاحب رامپوری بعد میں رامپور سے ٹونک آکر آباد ہو گئے۔ آپ جیسا دانش ور اس عہد میں شاید دوسرا کوئی نہ تھا جس کی وجہ کہ نواب وزیرالدولہ آپ کی بہت قدر ومنزلت فرماتے۔

حکیم دائم علی خاں صاحب بہت بڑے حکیم تھے۔ اور حکیم صاحب کے فرزند ارجمند حکیم صاحب نے تو اپنی حکمت اور طرز طب کی وجہ سے پوری دنیا میں اپنا نام روشن کیا مولوی عبدالمجید صاحب عرف نوشہ میاں کے نام سے منسوب ایک پل شہر ٹونک میں آج بھی مشہور ہے۔ آپ مشہور ترین عالم تھے اور فن خطاطی میں مہارت ہی نہیں اپنا ایک ایسا مقام رکھتے تھے کہ اس فن کے تذکروں میں آپ کا نام ایران ۔ ۔ ۔ ۔ تک شامل کیا گیا

صاحبزادہ احمد کریم خاں کو جب ابمیر بھیج دیا گیا تو وہاں ان کی ملاقات میر ممنون سے ہوئی جو صنف سخن شاعری اور علم العروض کے ماہرین میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی صحبت میں کریم خاں نے شاعری شروع کر دی اور شوقؔ تخلص فرمانے لگے۔ مولوی سراج الدولہ احمد سرتاج نواب وزیرالدولہ کے مرشد ثانی تھے۔ مرشد اول شاہ سید احمد بریلوی تھے۔ جن کی مزاج پرسی کو نواب ہر روز بہ نفس نفیس پاپیادہ پہنچتے۔ لیکن انہوں نے کسی دشمن کے بہکاوے میں آکر ایک دن آم کے شربت میں نواب کو زہر دے دیا۔ نواب تو

---

[1] ماہنامہ معارف، اگست ۱۹۶۶ء صفحہ ۱ سے ۳ تک۔

بچ گئے لیکن پیر صاحب کو شہر بدر کر دیا گیا۔ بعدازاں نواب نے مرشد ثانی کو اپنا پیر مغاں تسلیم کیا۔ شہر بدر پیر کی حویلی صاحبزادہ محمود خاں کو دے دی گئی۔ محمود خاں بھی ان کی ایک غیر مسلم اہلیہ راج پوت رانی کے بطن سے تھے۔

صاحبزادہ حنیف خاں جو آئندہ دور میں نواب کے زبردست مشیر ثابت ہوئے۔ ان کی بھی دو اولادیں تھیں۔ دونوں میں صاحبزادہ میاں کلن عرف کلو بڑے اور صاحبزادہ مولوی احمد سعید خاں چھوٹے تھے۔

دیوان شمس الدین بھی ریاست ٹونک کے نامور دانش وروں میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ وہ عالم دُنیا و دین اور اعلیٰ درجہ کے ناظم تھے۔ ریاست کا دیوان ہونے کے بعد آپ نے انتظامیہ میں بہت سی اصلاحات کیں۔

لالہ نرنجن لال شہر شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ فارسی ادب کے استادوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ نواب امیر خاں اور انگریزوں کے موافقت معاہدہ کا مسودہ دستاویز آپ نے ہی تیار کیا تھا۔ دستاویز پر لالہ صاحب نے بھی اپنی مہر کے ساتھ دستخط کیے تھے اس کا ذکر تفصیل سے اوپر کیا جا چکا ہے۔ لالہ کا ذکر یہاں اس لیے ضروری ہے کہ وہ امیر خاں صاحب کے بعد کی نسل وزیر الدولہ کے عہدِ حکومت میں بھی اونچے اور فیصلہ کن عہدوں پر فائز رہے۔ مولوی نجف علی صاحب قبلہ بھی فارسی کے معروف عالموں میں اونچا مقام رکھتے تھے اور نواب وزیرالدولہ کو علم و ہنر کے علاوہ جدید علوم سے روشناس کرانے پر معمور تھے۔ آپ نواب کے کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے ملک عدم کو رخصت ہوئے۔ ان کے علاوہ سید افضل حسین خیر آبادی کی بھی نواب سے دہلی میں ایک یادگار ملاقات ہوئی تھی۔ سید افضل حسین کافی عرصہ تک دہلی میں ٹونک کے سفیر کبیر بھی رہے۔ مولوی ولی محمد، حافظ وزیرالدین، سید حمیدالدین، مولانا احمد حسین، مولوی الٰہی بخش، امیر دہلوی وغیرہم متعدد معروف شاعر و ادیب عہد وزیرالدولہ کی یادگار ہیں [۳۳]

نواب وزیرالدولہ کے عہدِ حکومت میں علم و ادب اور شعر و سخن نے اعلیٰ مرتبہ اور ارتقاء کی منزلیں طے کیں

[۳۳] جائزہ زبان اردو۔ مؤلفہ: مولوی عبدالحق صفحہ: ۱۴۰

نواب کی تعلیم و تربیت دہلی کے لال قلعے میں ہوئی تھی اس لیے ان کے تعلقات اس زمانے کے مشہور و معروف عالم و شاعر جیسے غالب، مومن اور ذوق سے بھی قائم رہے۔ ان کے عہدِ حکومت میں بہت سے ادیبوں اور شعراء نے دہلی اور آگرہ کی سرزمین سے رختِ سفر باندھا اور ٹونک کی سرزمین پر آباد ہوگئے۔ حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے بعد ان کے بعد ان کے متعلقہ خاندان کے اہم افراد بھی یہیں آکر مقیم ہوئے۔ مولانا حیدر علی رامپوری، شمس العلماء مولوی امام الدین، مولوی بخت علی، مولوی سراج الرحمٰن، مولوی محمد حسین خاں جیسے دانشور اسی عہد میں ٹونک آکر مقیم ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد تو یہاں دانشوروں کا جیسے ایک مرکز ہی قائم ہوگیا۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء سے یہاں متعدد ادیب و شاعر، مورخ اور سخن ور آکر بس گئے۔ اسی عہد میں یہاں "تاریخ احمدیہ" "بقائے احمدی" جیسی کتابیں تخلیق کی گئیں۔ خود نواب وزیر الدولہ نے "بسایۂ وزیری" عنوان سے ایک کتاب کی ترتیب و ادارت کا فرض انجام دیا۔ اس عہد میں منشی مصری لال، منشی چنی لال ولد ہیرا لال، منشی طوطا رام وغیرہم کی کئی فارسی کتابوں کا اردو میں ترجمہ مکمل ہوا اور ان کی اشاعت ممکن ہوسکی۔

نواب وزیر الدولہ بہادر کا شجرۂ نسب یوں ہے۔

نواب وزیر الدولہ

۱ صاحبزادہ فیض محمد خاں (بادشاہ بیگم کے بطن سے)

۲ صاحبزادہ نصیر محمد خاں (بیگم گوالیار کے بطن سے)

۳ صاحبزادہ محمد علی خاں (سرونج کی غیر مسلم بیگم کے بطن سے)

۴ صاحبزادہ عبدالرحمٰن خاں صاحب

۵ صاحبزادہ عبید اللہ خاں صاحب

۶ صاحبزادہ عبداللہ خاں صاحب

۷ صاحبزادہ نظیر محمد خاں صاحب

نواب وزیرالدولہ ۵۹ سال کی عمر میں ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۵ء میں ملکِ عدم کے لیے رخصت ہوئے۔ بعدازاں ان کے چہیتے فرزند صاحبزادہ محمد علی خاں ریاست کے نواب مقرر ہوئے۔

ضمیمہ "ب"

نواب وزیرالدولہ امیرالملک محمد وزیر خاں صاحب بہادر نصرت جنگ نواب، ریاست ٹونک، راجستھان کو ۱۸۶۲ء میں منظور شدہ حقوق کی سند

"ہز میجسٹی (مہارانی برطانیہ) کی خواہش ہے کہ متعدد راجاؤں اور سرمایہ داروں کی ان کی موجودہ مقبوضہ علاقوں پر حکومت جاری رہنی چاہیے اور ان کی نمائندگی نیز ان کے گھرانوں کی شان باقی رہنی چاہیے، لہٰذا میں اس خواہش کی تکمیل کے لیے یقین دہانی کراتا ہوں، کہ واقعتاً وارثین کی عدم موجودگی کے حالات کو معقول بنائے رکھنے کے لیے آپ کی ریاستی حکومت کے کسی بھی وارث کو جو مسلم قانون کے مطابق جائز قرار پائے گا، اسے تائید اور حمایت کے لیے منظوری حاصل ہوگی۔

مطمئن رہیں کہ آپ کے ساتھ قلمبند اس معاہدہ میں اُس وقت تک کوئی ترمیم و تنسیخ کی رکاوٹیں پیش نہیں آئینگی جب تک آپ کا گھرانہ "کراؤن" (انگریزی سرکار اور اس کے جھنڈے) کی مالکانہ عظمت کے سامنے سرنگوں رہے گا اور ان معاہدوں، منظوریوں اور دیگر قراردادوں کے شرائط، جن میں برطانوی سرکار کے لیے آپ کے فرائض کا تفصیلی ذکر درج ہے، کے لیے وفادار رہے گا۔"

مورخہ: ۲۸ مئی ۱۸۶۲ء۔ ایلگن اینڈ کنکارڈن

لہ سی۔یو۔ ایچیسن کی "اے کلیکشن آف ٹریٹیز، اینگیجمینٹس اینڈ سن دس۔ ج ۳، کلکتہ ۱۹۳۲ء، صفحہ ۵۴۲ سے ماخوذ۔

یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں

بہادر صولت جنگ

(۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک)

نواب وزیر الدولہ کی زندگی میں ہی ان کے تین فرزند صاحبزادہ فیض محمد خاں، نصیر محمد خاں اور محمد نظیر خاں کی موت ہو چکی تھی۔ اس لیے انگریزوں نے محمد علی خاں کو ولی عہد حکومت مقرر کیا۔ ان کے ولی عہد مقرر ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی نواب وزیر الدولہ کا انتقال ہو گیا اور انھیں موتی باغ کے قبرستان میں دفن کرنے کے بعد محمد علی خاں ۱۸۶۵ء میں تخت نشین ہوئے۔ لیکن صرف تین سال کے چھوٹے سے عرصہ کے بعد انھیں حکومت کے اعلیٰ ترین عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔ آپ کی نوابی کا عہد جنوری ۱۸۶۵ء سے ۲۸ اگست ۱۸۶۷ء تک رہا۔ باقی زندگی نواب محمد علی خاں نے بنارس میں گذاری اور ۲۸ اگست ۱۸۹۵ء کو انتقال کر گئے۔ حکومت سے سبکدوش ہونے کے بعد کچھ عرصہ میں نواب محمد علیخاں مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں وقت گزارتے۔ آنجناب کا کتب خانہ بہت بڑا تھا جس کی زیادہ تر کتابیں ہندوستان آزاد ہونے کے بعد مولانا ابو الکلام آزاد نے بحیثیت وزیر تعلیم محکمۂ آثار قدیمہ کے لیے دہلی منگوالیں۔ ان میں سے کافی کتابیں اس وقت عربی اور فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں محفوظ ہیں۔ محمد علیخاں کو بنارس میں کیوں قیام کرنا پڑا اس کے پس پردہ ایک حادثہ ہے جس کو مورخین نے فراموش نہیں کیا ہے۔

راؤ داسا کے ایک بیٹے چندن داس تھے جن کی اولاد کو "لاڈا" حاصل ہوا تھا۔ اس خاندان میں بھی انمول بہادر پیدا ہوئے جنھوں نے وقتاً فوقتاً آمیر اور جے پور راج گھرانوں کی خدمت میں اپنا وقت خرچ کیا تھا خاص طور پر مدن سنگھ کا بیٹا بھارت سنگھ خدمت گار دل

میں بہت معروف ہوا جسے اپنے زمانہ میں ایک بہادر پنڈاری کی حیثیت سے مقبول جابر اور ظالم سردار امیر خاں سے لوہا لیا تھا۔ اسی خاندان کے ٹھاکر ناہر سنگھ نے لاوا حاصل کیا تھا۔ اسوقت لاوا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور جے پور حکومت کی سلطانی میں تحصیل ٹونک کے تحت ایک کاشت کار علاقہ تھا۔ جب شہر ٹونک امیر خاں کو دیدیا گیا تو لاوا بھی ٹونک کے تحت آگیا۔ اسی زمانہ سے لاوا پٹھانوں کی آنکھ میں ایک خار کی طرح چبھتا رہا۔ حالانکہ ان لوگوں نے جبراً لاوا کو چھین لینے کی کئی کوششیں بھی کیں۔ لیکن انھیں کامیابی نہیں ملی۔ کیونکہ نرو کے راج پوتوں کی بہادری اور اتحاد کے سامنے فتحیاب ہونا ایک ناممکن عمل تھا۔ ٹھاکر ناہر سنگھ کی تیسری نسل میں ٹھاکر دیوی سنگھ اور ٹھاکر وکرم سنگھ ہوئے۔ ٹھکانہ یعنی مقامی حکومت کا حاکم دیوی سنگھ مقرر ہوا۔ ایک دن شیو شنکر جی کے مندر میں ٹھاکر جے سنگھ عبادت میں مشغول تھا۔ اسی وقت دو سرکاری مسلمان ملازم مندر میں داخل ہو گئے۔ منع کرنے کے باوجود انھوں نے وہیں کھانا کھایا اور اس حرکت بیجا پر وہیں ایک کا قتل ہو گیا۔ دوسرے نے ٹونک پہنچ کر نواب کو اس حادثے کی خبر دی۔ نواب نے اشتعال میں اپنے چیدہ افسران کو لاوا پر یلغار کے لیے روانہ کیا۔ لیکن وہ فوج راستہ بھول کر ٹونک کے ہی ایک دوسرے گاؤں بجگڑی پہنچ گئی جہاں قلعہ لاوا کی طرح ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ اسے توپ سے اُڑا دیا۔ دوسرے دن حقیقت معلوم ہونے پر شرمسار ہوئے اور کچھ عرصہ بعد جنگ روک دی گئی۔

ہندی کلینڈر ۱۹۲۳ تک لاوا والوں سے نواب نے تین جنگیں کیں لیکن ٹونک کو خاطر خواہ کامیابی میسر نہ ہوئی۔ جب ٹونک کے نواب لاوا پر فتحیاب نہ ہو سکے تو نواب نے ٹھاکر دیوی سنگھ کو صلح کے لیے خط لکھا۔ لاوا سے کچھ لوگ ٹونک آئے اور لاوا ہاؤس میں قیام کیا۔ ٹھاکر دیوی سنگھ کو بھی بات چیت کی دعوت دی گئی تھی لیکن وہ نہیں آیا۔ ملاقات کی جگہ کے لیے ایک محل کو خاص تیار کیا گیا تھا جسکے چہار طرف بارود بچھا دی گئی تھی۔ جو دو افراد مہمانوں کے استقبال کو موجود تھے ان میں سے ایک نواب کو خبر دینے چلا گیا۔ مہمان محل میں تن تنہا رہ گئے۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد بھی جب نواب نہیں آئے تو دوسرا شخص بھی پہلے کی خبر گیری کے بہانے وہاں سے فرار ہوا۔ لیکن ٹھاکر جے سنگھ نے اسے محل سے باہر جانے نہیں دیا۔ کیونکہ اسے سازش کی بھنک لگ چکی

تھی۔ ضد کرنے پر ٹھاکر وجے سنگھ نے اس شخص کو وہیں تلوار سے ڈھیر کر دیا۔ اتنے میں بچھائی گئی بارود میں آگ لگادی گئی۔ محل ہوا میں لہراتا ہوا زمین دوز ہو گیا جس میں ٹھاکر کے دس افراد جھلس کر مر گئے۔ ایک بینا زندہ بچا تھا جس نے کسی طرح لاوا پاؤس پہنچ کر حادثے کی خبر دی وہاں سے ٹھاکر دیوی سنگھ پا پیادہ بھاگتا ہوا کسی طرح لاوا پہنچا اور اس نے لاوا پہنچ کر سیاسی نمائندہ دیوی کو حادثے کی خبر دی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ۱۸۶۵ء میں نواب نے دمیرت سنگھ سے کچھ غیر مناسب مطالبہ کیا جسے دمیرت سنگھ نے مسترد کر دیا۔ سیاسی نمائندہ نے دخل اندازی کرنی چاہی لیکن نواب نے خود کو مجبور پاکر حملہ کر دیا لیکن ناکام ہو گئے دو سال بعد ۱۸۶۷ء میں نواب نے دمیرت سنگھ اور اس کے چچا رادت سنگھ کو قیمتی پوشاکیں اور یادگار اعزازات دینے کے لیے ٹونک بلوایا۔ رادت سنگھ اور اس کے دوسرے ساتھی افسران موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور راتوں رات لاوا کی طرف چالیس توپیں روانہ کر دی گئیں۔ یہ واقعہ رجبن کی ایک حویلی میں پیش آیا تھا جس میں دیواروں پر تلواروں کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ اور محراب تلوار سے کٹے ہوئے ہیں وہ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ لاوا والوں کو قتل کرنے کا حادثہ ہندی کلینڈر ساون کی تاریخ ۲ سموت ۱۹۲۲ کو پیش آیا تھا۔ اس حادثے کو آج بھی لاوا میں "دغا کی دورج" عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ رادت سنگھ کی بہادری کے قصے آج بھی وہاں عام ہیں۔ ایک دوہا ہے ؎

ڈھال اُڑ کر میاں کیٹو، کرے موتھ بندوق
دیج بندی، دھاپی نہیں، دھن رانا تہار ورو

بہر حال سیاسی نمائندہ دیولی نے سارے معاملے کی تحقیق کی اور لاوا والوں کا کوئی قصور ثابت نہ ہوا۔ لہٰذا نواب محمد علی خان کو تخت سے اتار دیا گیا۔ ریاست کی سلامی ۱۷ توپوں سے گھٹا کر صرف گیارہ کر دی گئی۔ لاوا کو ٹونک کی ماتحتی سے آزاد کر دیا گیا اور اس کے سرداروں کو انگریزوں کی سرپرستی میں رکھا گیا۔ اور حاکمیت کے اطوار متعین کیے گئے۔ دیوی سنگھ کے بعد لاوا کے حکمران دمیرت سنگھ اور بعد ازاں راؤ بہادر منگل اور رگھو بیر سنگھ ولد پردیپ سنگھ ہوئے۔

انگریزوں نے ۲۰ردسمبر ۱۸۶۷ء کو محمد علیخاں کو تخت سے اتار کر ان کے بڑے صاحبزادہ حافظ محمد ابراہیم علیخاں کو تخت پر بٹھایا۔ نواب محمد علیخاں کے دورِ حکومت میں دو اہم کام ہوئے۔ پہلا یہ کہ سرکاری کارکردگی کے لیے فارسی زبان کو معطل کر کے اُردو کو رائج کیا گیا۔ اور دوسرا یہ کہ اسٹامپ یعنی عدالتی ٹکٹ اور ڈاک ٹکٹ کو رواج دیا گیا۔ اس سے ریاست کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ نواب نے اپنا سکّہ چلایا۔ اس سے قبل بادشاہی اور انگریزی سکّوں کا چلن تھا جو نواب کے سکّے کے ساتھ چلن میں رائج رہا۔

نواب حافظ محمد علیخاں بہادر کا شجرۂ نسب

۱۔ ولی عہد صاحبزادہ ابراہیم علیخاں (۲) صاحبزادہ محمد اسحاق خاں (۳) صاحبزادہ عبدالرحیم خاں (۴) صاحبزادہ عبدالوہاب خاں (۵) صاحبزادہ احمد مجید خاں۔

یہ تمام پانچ افراد آپس میں سگے بھائی تھے اور بیگم رامپور کے بطن سے تھے۔

(۱) صاحبزادہ عبدالمجید خاں

(۲) صاحبزادہ عبدالصمد خاں

(۳) صاحبزادہ محمد صدیق خاں

(۴) صاحبزادہ صفی اللہ خاں

(۵) صاحبزادہ محمد رفیق خاں

یہ دوسری بیگمات کے بطن سے تھے۔

نواب محمد علیخاں کا زمانہ

اس میں شک نہیں کہ یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علیخاں بہادر صولت جنگ تعلیم اور علم و ہنرمندی کے علاوہ مختلف فنون کے قدردان تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں پھیلے ہوئے چیدہ دانشوروں میں سے کئی کو ٹونک اپنی دعوتِ خاص پر بلایا۔ اور جلاوطن ہونے کے بعد اُن میں سے کئی کو اپنے ساتھ بنارس بھی لے گئے۔ ان کے دور اوّل شمس الدین صاحب تھے۔ ان

کے بعد مولانا نجف علی دوسرے دیوان مقرر ہوئے۔ ان کے علاوہ اس عہد میں استاد ظہیر دہلوی اسد لکھنوی، مولانا سراج الرحمٰن، توشے میاں، بسمل خیرآبادی، انور دہلوی اور سید احمد علی سیماب وغیرہم کا نام آسمانِ ادب پر چمکتا رہا تھا۔ دیوان شمس الدین دور اندیش دانشور اور ذہین حکمراں تھے۔ انہوں نے تین نوابوں کے ساتھ کام کیا اور ذکر السنتور نواب محمد علیخاں کے ولی عہد نواب ابراہیم علیخاں کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی جب کہ موت سے قریب ایک سال قبل انھیں حکومت کا وزیر مقرر کردیا گیا تھا۔

دیوان شمس الدین کی تحویل میں ۲۰ ہزار کتابوں پر مشتمل ایک کتب خانہ تھا جن میں سے ہر ایک کتاب کا انہوں نے مطالعہ کر رکھا تھا۔ آبائی رخ سے رشتہ جے پور میں تھا۔ ان کے فیصلے، تاکید (نوٹس) اور قانونی دستاویزات آج بھی محفوظ ہیں۔ مولوی سراج الرحمٰن کے زمانہ میں قافلے کی مسجد کا تعمیری کام مکمل ہوا تھا۔ اس کی بارہ دری میں مدرسہ ناصریہ انہوں نے ہی قائم کیا تھا۔ وہ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے ماہر لسانیات تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب انھیں کی میزبانی میں ٹونک تشریف لائے تو وہیں آباد ہوگئے۔ شمس الدین صاحب سے عقیدت نے انھیں واپس نہ جانے دیا۔

دیوان صاحب کو عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ ٹونک میں انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب کو دعوت پر بلایا تو آخر کار انھیں مفتیٔ ریاست مقرر کروایا۔ مولوی صاحب کافی عرصہ تک جلاوطن نواب کے ساتھ بنارس میں بھی مقیم رہے۔ مولوی سعید محمد علیخاں عرف شبیر میاں بھی ایک جید عالم اور مذہبی رہنما تھے۔ آپ ابراہیم علیخاں کے استاد تھے اور شہر رائے بریلی صوبہ اترپردیش سے یہاں ٹونک آکر مستقل رہائش اختیار کرلی تھی۔

حکیم احمد علی صاحب بہترین نباض اور ذہین وشفا دست حکیم تھے۔ یہ بھی نواب محمد علی خاں بہادر صولت جنگ کے استاد تھے۔ مولوی امام الدین صاحب دروازہ پنج کنیاں پر رہا کرتے تھے۔ وہاں ان کی کوششوں کا نتیجہ مسجد اور مدرسہ آج بھی قائم ودائم ہے۔ مولوی امام الدین کی ایک بہترین اور دانشور استاد کی حیثیت سے کافی شہرت تھی۔ دور دراز کے علاقوں سے طالب علم ان سے مستفیض ہونے آتے رہتے۔ اسی طرح مولوی سلطان احمد خاں دہلی کے باشندہ تھے اور ٹونک میں رہائش اختیار کی لیکن نواب کے ساتھ بنارس چلے گئے۔ مولوی احمد کریم صاحب

بھی اس دور کے ایک معروف دانشور تھے۔ عالم، مفکّر اور فارسی ادب کے استاد ہونے کے علاوہ بہترین شاعر بھی تھے۔

ان سب کے علاوہ اس دور میں صاحبزادہ وزیر محمد خاں، صاحبزادہ عبداللہ خاں، صاحبزادہ احمد خاں، صاحبزادہ محمود خاں، مولوی احمد صاحب، مولوی صغیر احمد صاحب، قاری احمد رحمٰن صاحب بھی مشہور و معروف ادباء و شعراء میں اپنا الگ مقام رکھتے تھے۔ اس دور میں فارسی اور اردو کے بہت سے دانشور دربار سے منسلک تھے۔ اردو کی مشہور کتاب "قرۃ العیون" تیرہ جلدیں میں اسی دور میں مکمل ہوئی۔ اس دور کی یادگار ایک اور کتاب "تاریخ محمد علیہ" بھی ہے جو علی الترتیب دو حصوں میں شائع ہوئی اور دوسری کتاب کا مسوّدہ محمد عمران صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ منشی کالکا پرشاد موجد فارسی اور اُردو دونوں کے معتبر شاعر تھے۔ انہوں نے ہی اس عہد میں ایک لیتھو پریس شروع کیا جس پر دانشورانِ ٹونک کی کتابوں کی طباعت ہوتی تھی۔ منشی نتھن لال وحشت نے مہابھارت کے ہیرو اور ہندو مذہب کے مطابق تریتیایگ کے بھگوان شری کرشن کی شان میں ایک شاندار قصیدہ لکھا تھا جو "قصائدِ پُر فوائد" عنوان سے شائع ہوا اور اس کی بہت شہرت ہوئی۔ منشی نتھن لال کے فرزند دیوی پرساد بسّا اس وقت کے مقبول ترین اور معتبر مورخ تھے۔ منشی کنج بہاری سہائے طرب بھی اس عہد کے دانشور اور شعراء کرام میں اپنا الگ مقام رکھتے تھے۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے "تاریخ ترجنوں" بہت مقبول ہوئی۔

ضمیمہ "ج"

معزولیِ حکومت کا اعلان

"سرداروں، امیروں اور ٹونک ریاست کے شہریوں، باشندوں کو خبر دی جاتی ہے کہ گذشتہ یکم اگست ۱۸۶۷ء کو لاوا کے سردار کے چچا اور دیگر متعلقین پر ہوئے ظلم و ستم کی خبر وائسرائے اور کونسل میں ہندوستان کے گورنر جنرل کو بھیج دی گئی ہے۔

ہزایکسیلنسی وائس رائے اور گورنر جنرل کو جائے وقوع پر حاصل تمام اثبات کی بنیاد پر رنج کے ساتھ ٹونک کے موجودہ حکمراں نواب (نواب محمد علیخاں) کو مجرم قرار دینا پڑ رہا ہے، کیونکہ نواب کی معلومات اور واقعتاً ان کے ورغلائے بغیر یہ المناک حادثہ پیش نہیں آسکتا تھا۔

وائس رائے اور کونسل میں ہندوستان کے گورنر جنرل نے اول تو اس جرم کی سزا کے طور پر اور دوسرے ہندوستانی سرکار کو نواب کی حکومت میں یقین نہ ہونے کی صورت میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ نواب کو اپنی حکومت سے برطرف اور معزول کر دیا جائے اور اس کے فرزند ابراہیم علی خاں کو وارث قرار دیا جائے۔

کم سن اور نابالغ نواب کے بالغ ہونے تک برطانوی سرکار عباداللہ خاں (جو سابق نواب کے چچا تھے) کے ذریعے حکومت کا نظم ونسق سنبھالے گی یا اسی طرح کا کوئی دوسرا انتظام کرے گی جو اسے جائز معلوم ہوگا۔ لیکن لاوا کو ٹونک سے علیحدہ کرنے کے علاوہ حکومت کے جغرافیائی اتحاد میں کوئی دوسری تبدیلی نہیں کیجائے گی۔ لاوا اب ایک علیحدہ ریاست ہوگی اور ہمیشہ کے لیے برطانوی سرکار کی سرپرستی میں رہے گی۔ وجیہ الذکر وفات پاچکے اشخاص کے وارثین برطانیہ سرکار کی طرف سے ٹونک کے خزانہ سے برائے پرورش وظیفہ کی رقم حاصل کرتے رہیں گے۔ وائس رائے اور کونسل میں ہندوستان کے گورنر جنرل بہ مطابق ٹونک کے امرا، سرداروں اور عوام الناس کے سامنے وراثت میں تبدیلی کا اعلان کرتے ہیں اور حکومت میں نئے نواب کو سرکار کی اور ان کی نابالغیت کی حالت میں گورنر جنرل کے نمائندہ کی عارضی حکومت کی ماتحتی منظور کرنے کے لیے ان تمام لوگوں کو حکم صادر کرتے ہیں۔

کونسل میں ہندوستان کے گورنر جنرل نے امید ظاہر کی ہے کہ موجودہ سبق صوبہ میں فراموش نہیں کیا جائے گا، بلکہ ٹونک اور پورے راجستھان صوبہ میں متعلقہ اشخاص حکمراں اور رعایا دونوں کے لیے بہبودی وترقی کا ضامن ہوگا۔

وائس رائے اور ہندوستان کے گورنر جنرل کے حکم سے۔"

لکھنؤ

ڈبلیو۔ میور

۱۴ر نومبر ۱۸۶۷ء

حکومتِ ہند کے سیکریٹری خارجہ

امین الدولہ نواب حافظ ابراہیم علیخاں

بہادر صولت جنگ

(۱۸۶۷ء سے ۱۹۳۰ء تک)

محمد علیخاں کو تخت سے اتارنے کے بعد ان کے فرزندِ اوّل حافظ محمد ابراہیم علیخاں کو ۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء کو تخت نشین کروایا گیا۔ ان کی عدم بلوغیت کے عرصہ میں حکومت کا نظم و نسق ان کے چچا حکیم محمد عباداللہ خاں اور راج پوتانہ کے گورنر جنرل کے نمائندہ کے اسسٹنٹ کے طور پر چھے بیلیر سمیت پانچ اشخاص کی ایک کونسل کے ذریعے چلایا جاتا رہا۔ نواب کو حکومت کے اختیارات ایک جنوری ۱۸۷۰ء کو واپس منتقل کر دیے گئے جب وہ بالغ ہو گئے۔

سن ۱۸۷۵ء میں پرنس آف ویلز آگرہ تشریف لائے تو نواب ابراہیم علیخاں نے ان سے ملاقات کی۔ وہ سن ۱۸۷۷ء کے دہلی دربار میں بھی شامل ہوئے تھے۔ اور اسی موقع پر ان کی سلامی گیارہ توپوں سے بڑھا کر دو بارہ، اکر دی گئی۔ لیکن یہ انتظام ان کی زندگی تک کے لیے ہی تھا۔ سن ۱۸۷۸ء میں اس شرط کو ہمیشہ کے لیے طے کر لیا گیا۔

نواب ابراہیم علیخاں کی حکومت ۱۹۳۰ء تک قائم رہی۔ مورخین کا خیال ہے کہ ٹونک کی تاریخ میں یہی ساٹھ سال کا عرصہ سنہرے زمانہ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہی عہد سب سے تاریک رہا۔ کیونکہ اس زمانہ میں نئی صبح کی آمد پر پابندیاں لگا دی گئی تھیں جبکہ پوری دنیا ترقی کی طرف گامزن تھی۔ اس وقت یہاں ایک عجیب سکوت چھا گیا تھا۔ وسط عہدی روایتیں، اوباش مزاجی اور عیاشیوں کو دوبارہ زندگی مل گئی تھی۔ کیونکہ حکمرانوں کو عیش و عشرت سے فرصت نہیں تھی اور عوام گرانی کی چکی میں لگاتار پستی ہوئی کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

ویسے اس وقت اس زمانہ کے لحاظ سے کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جیسے ٹونک کا پہلا دربار ہائی اسکول اسی زمانہ میں شروع ہوا جس میں صرف آرٹس کے موضوع پر تعلیم دی جاتی تھی۔ تعجب یہ ہے کہ ۱۹۴۸ء تک یہ صرف ہائی اسکول ہی بنا رہا۔

حکومت کا نظام جدید اطوار سے چلایا جانے لگا۔ ریونیو اور دیگر حفاظتی قانون نافذ کیے گئے۔ عدلیہ کو دوبارہ متحد اور منظم کیا گیا۔ زمین کی دیکھ بھال کے لیے ایک علیحدہ محکمہ شروع کیا گیا۔ جاگیرداروں کو قرض کی فراہمی کے لیے حدود مقرر کیے گئے اور خاص طور پر سر ورنج کو اس کی قرض لینے کی طاقت سے کم کیا گیا۔ اس کے لیے قانون میں ترمیم بھی ہوئی۔ نئے قانون کے مطابق کوئی مہاجن کسی جاگیردار کو ایک مہینہ سے زیادہ آمدنی کی رقم قرض نہیں دے سکتا تھا۔ قانون شکنی کرنے پر حکومت دخل انداز ہونے کی اہل تھی۔

نواب ابراہیم علیخاں کے ابتدائی دور میں ان کی کونسل ممبران میں (۱) صاحبزادہ محمد عباداللہ خاں (۲) صاحبزادہ عبداللہ خاں، جنہوں نے ہائی اسکول بنوایا اور خلیل صاحب کی کوٹھی فیروز باغ کی تعمیر کا کام مکمل کیا۔ (۳) صاحبزادہ وزیر محمد (۴) منشی ظہور علیخاں صاحب شامل تھے۔ جب ابراہیم علیخاں کو حصول بلوغیت کے بعد حکومت کے قانونی اختیارات عطا کیے گئے تو محمد عباداللہ خاں کو نائب ریاست مقرر کیا گیا۔ اسی دور میں ٹونک میں شفا خانے، ڈاک خانے وغیرہ سبھی پرگنوں میں کھولے گئے۔ اس زمانہ میں ٹونک میں میونسپل کمیٹی بنائی گئی۔

نواب ابراہیم علیخاں کی نوابی کے دوسرے دور میں نواب خود کونسل کے صدر تھے۔ اور محمد عباداللہ نائب صدر۔ سن ۱۹۰۰ء میں جب ان کی موت ہوئی تو نواب کے اپنے چھوٹے بھائی عبدالوہاب خاں نائب صدر مقرر ہوئے۔ صاحبزادہ احمد خاں فوج کے ممبر اور محمد نجف خاں صاحب پنجابی عدلیہ (جوڈیشنل) کے ممبر نامزد کیے گئے۔ بابو دامودر راؤ ممبر خزانہ اور مرزا حامد علیخاں ریاست کے وکیل مقرر ہوئے۔ اسی دور میں پولیس، محکمۂ تعمیرات، محکمۂ جنگلات اور چنگی وغیرہ کے لیے قانون بنائے گئے اور انھیں نافذ کیا گیا۔ اُردو، انگریزی پریس اسی زمانہ میں قائم ہوئے۔ سن ۱۹۰۳ء میں نواب نے اس میں مندرجۂ ذیل تبدیلیاں

کیں:

۱۔ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں۔ ممبر خزانہ
۲۔ صاحبزادہ محمد صدیق خاں۔ ممبر داخلہ
۳۔ صاحبزادہ مرزا محمد علیخاں۔ ممبر عدلیہ
۴۔ رائے بہادر دامودر راؤ۔ ممبر برائے نقد عطیات

۱۹۰۹ء میں بابو موتی لال جی کو ممبر خزانہ بنایا گیا۔

نواب ابراہیم علیخاں نے پولیس انتظامیہ میں بڑے پیمانہ پر اصلاح کے لیے ۱۹۱۵ء میں مسٹر ہاٹنس کی خدمات حاصل کیں۔ دراصلتاً یہ خدمات اتر پردیش سرکار سے ٹونک ریاست کے لیے حاصل کی گئی تھیں۔ ہاٹنس نے آتے ہی پولیس والوں کی تنخواہوں میں اصلاح کی اور انسپکٹر جنرل آف پولیس کا عہدہ قائم کیا... تھانیداروں کو مراد آباد سے تجرباتی تعلیم دلوانے کی ابتدا کی گئی۔ اسی وقت ایک شخص احمد سعید خاں نے بنیادی اختیارات کا مدّعا پیش کیا جس کی گرفتاری کے لیے خود مسٹر ہاٹنس کو جانا پڑا۔ دونوں طرف سے گولیاں چلیں۔ آخر میں احمد سعید خاں کو پولیس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

جنوری ۱۹۲۱ء میں کھانے کی چیزیں گراں ہو گئیں تو ٹونک کی غریب عوام میں بدامنی پھیل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رتلام کے تاجروں کے لیے ٹونک میں کوئی ہمدردی نہ رہی۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ان تاجروں کے ساتھ ریاست کے دیوان نے کوئی خفیہ معاہدہ کر رکھا ہے۔ سرکار کے پرچہ نویس اور خفیہ رپورٹر عبدالصمد کے جیل سے رہا ہونے کے بعد نواب نے مسجدوں میں نماز کی پابندی اور مذہبی امور میں قانونی اور روایتی حد بندیوں کو نافذ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان سے بھی ریاست میں بے اطمینانی پھیلی۔ پڑوسی ریاستوں اور علاقوں میں جنگ آزادی کی تحریک اپنے عروج پر تھی نان کواپریشن موومنٹ اور خلافت تحریک کے اثرات بھی واضح ہو رہے تھے جس کی وجہ سے چیزوں کی قیمت میں اضافہ ہوا اور فوج کی تنخواہیں کم ہو گئی تھیں۔ اس بنا پر مسلح افواج میں بھی بے اطمینانی پھیلی لیکن حکمراں افواج پر سابقہ تسلط برقرار رکھنا چاہتے تھے اس لیے کمانداروں نے فوج پر

اپنا شکنجہ مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ بغاوت کی شکل میں سامنے آیا۔ کمانداروں پر موٹی رقوم کے غبن کا الزام لگا۔ عوام مطالبہ کر رہی تھی کہ رتلام کے تاجروں پر ریاست کی حکومت دباؤ ڈالے کہ وہ اپنے اناج کے گوداموں کے دروازے کھولدیں اور انھیں جائز اور طے شدہ قیمتوں پر عوام کو فروخت کریں۔ تاکہ اناج کو باہری ریاستوں میں بھیجنے سے روکا جاسکے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ بات مشکوک مگر عام ہو چکی تھی کہ ریاست نے ان تجاروں کو جو ٹونک کے مختلف اقتصادی محکموں کے ناظم تھے ریاست کی خاص پیداوار جوار خریدنے کا یکطرفہ اختیار دے دیا تھا۔ اور وہ تجار تمام جوار اور دوسری خوردنی اشیاء برطانوی آبادی والے علاقوں میں بھیج رہے تھے یہی وجہ تھی کہ اناج کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہوا عوام محسوس کرتی تھی کہ ریاست کے دیوان موتی لال بھی رتلام کے تاجروں سے ملے ہوئے ہیں اور اناج کے بدلے خاصہ منافع کما رہے ہیں۔ ٹونک شہر میں ہی اناج اور جوار ایک روپیہ کا پانچ سیر یا کلو فروخت ہو رہا تھا۔ جب کہ بدامنی کے قبل یہی اناج ایک روپیے کا دس سیر یا کلو آسانی سے دستیاب تھا۔ کچھ افراد نے یہ بھی الزام لگایا کہ موتی لال کے بیٹوں نے اپنے اونچے سرکاری عہدوں کا فائدہ اٹھا کر عوام کے یقین کو توڑا ہے۔

جب حکمراں کے پرچہ نویس عبدالصمد کے ساتھ نرمی کا برتاؤ برتا جانے لگا تو تحریک میں اور جوش پیدا ہوا۔ اس شخص پر رشوت خوری اور بدکرداری کے الزامات لگائے گئے تھے۔ حالانکہ اسٹیٹ کونسل نے اسے سنوائی کے بعد تیرہ سال کی سزائے قید دی تھی۔ باوجود اس کے نواب نے اسے معاف فرمادیا اور اس کی رہائی کا حکم جاری کردیا دوسری طرف برٹش انڈیا کی طرف سے جنگِ آزادی کے متوالوں کو ٹونک میں داخلہ نہ دیے جانے کے لیے سخت اقدامات کیے گئے۔

اسی سال مہادیو دالی پر ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ نشست عام ہوئی جس میں نواب اور اس کے ماتحت افسران کی سخت ترین الفاظ میں تنقید کی گئی۔ مورخین کہتے ہیں ریاستی حکومت کے خلاف عوامی بغاوت میں عبدالحفیظ خاں کا ذہن اور اس کی کارکردگی کا اہم رول تھا جب کہ وہ خود ولی عہد ریاست مقرر کیا جاچکا تھا۔

عبدالحفیظ خاں لاڈلی بیگم کے بطن سے فرزندِاول اور نواب حافظ ابراہیم علیخاں کے چہیتے بیٹے تھے۔ ان کے دو چھوٹے بھائی بھی تھے سعادت علیخاں اور عبدالرشید خاں عرف بھورے میاں۔ لاڈلی بیگم نواب ابراہیم علیخاں کی اوّل اور پٹھانی بیگم تھیں۔ انہوں نے اپنے نجی روپیوں سے مکّہ اور مدینہ میں زائرین کے لیے سرائے خانہ اور دیگر تعمیرات مکمل کرائیں یہاں ٹونک میں چھاؤنی کی مسجد انیارا اور کھتولی کی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ٹونک میں ریلوے اسٹیشن بنے اور شہر تک ریل لائی جائے جسے انہوں نے پورا کیا۔ ولی عہد سلطنت کو کرکٹ کے جدید کھیل کا شوق تھا۔ انہوں نے اپنی تعلیم علی گڑھ کے کالج سے مکمل کی تھی۔ انگریزی زبان کے ماہر تھے اس لیے انگریزوں سے ملنا جلنا کچھ زیادہ ہی ہوا کرتا تھا۔ سُنا جاتا ہے کہ چونکہ نواب بہت ضعیف ہو چکے تھے اس لیے انھیں خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں والد کو تخت سے اتار کر خود نہ تخت نشین ہو جائیں۔ اس لیے اس خبر میں بھی صداقت پیدا کی جاتی ہے کہ جب ولی عہد عبدالحفیظ خاں بمبئی کے لیے روانہ ہوئے تو انھیں راستے میں ہی زہر دیدیا گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی موت ہیضہ جیسی مہلک بیماری کی وجہ سے ہوئی۔ اس وقت ولی عہد کی عمر صرف ۵۵ سال کی تھی۔ لیکن یہ سچ ہے کہ ابراہیم علیخاں کو اپنے بیٹے ولی عہد عبدالحفیظ خاں کی موت کی خبر اسٹیشن پر ہی مل گئی تھی لیکن انہوں نے سفر کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ ولی عہد اس وقت ایک مقبول ترین شخص اور ریاست کے طاقت ور حکمرانوں میں سے تھے۔ ان کی کمزوری تھی کہ وہ بلانوش تھے اور اسی وجہ سے انھیں ہائی بلڈ پریشر کی بھی شکایت ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ کئی بار بے ہوش ہو کر گر بھی چکے تھے۔ شک ہے کہ اگر انھیں زہر بھی دیا گیا تھا تو یقیناً شراب میں ملا کر اس وقت دیا گیا جب وہ نشہ کے عالم میں غرق ہو رہے تھے۔

اقتصادی بدحالی کا زمانہ

اس وقت اقتصادی تنزلی کے دور میں نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نواب کو اکثر عوام کی ایک بھیڑ اپنے حصار میں لے لیتی۔ جس میں عوام کے ساتھ فوجی سپاہ اور شہر کی پولیس شامل ہوتی ۱۴ر جنوری ۱۹۲۰ء کو جمعہ مسجد میں جہاں نواب صاحب نماز کے لیے تشریف لائے تھے غم و غصہ سے بھری ہوئے ایک مجمع نے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر دیوان اور ان کے پورے عملے کو پہلے توجی بھر کر گالیاں دیں۔ موجودہ زمانہ کے پولیس افسران کا خیال تھا کہ قیمتوں میں اضافہ کا مسئلہ اس وقت نان کوآپریشن تحریک اور خلافت تحریک کی بحالی کا ایک بہانہ بن گیا تھا۔ ۱۶ر جنوری کو ایک عام جلسہ منعقد ہوا۔ نواب نے جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن فوج اور پولیس ملازمین نے ان کی اجازت کی پروا کیے بغیر جلسہ کیا اور اسی دن پولیس کا انسپکٹر جنرل ۲۵ اشخاص پر مشتمل پولیس ملازمین کے ساتھ اس جگہ پہنچا جہاں چار ہزار افراد چاند اور ستاروں سے سجے سبز پرچم لیے ہوئے جمع تھے۔ اسی دن ایک دوسرے جلسے میں بھیڑ نے بھی اسلحہ سنبھال رکھا تھا۔ ان حالات میں نواب نے لیڈروں کے وفد سے ملاقات کی منظوری دیدی۔

اسی روز ہاڑوتی اور ٹونک کے سیاسی نمائندہ مسٹر بین کی موجودگی میں وفد نے درخواست کی جس میں شکایتیں تفصیل سے درج تھیں۔ نواب نے درخواست لینے کے بعد دیوان کو معزول کرنے اور نیلام کے تاجروں کو اناج کی خرید کے لیے دیے گئے اختیارات واپس لینے کے دو مطالبوں کے علاوہ تمام مطالبے منظور کر لیے۔ جوار کی قیمت ایک روپے آٹھ سیر طے کی گئی۔

اور برآمد اناج پر سے لیوی یعنی چنگی کی وصولی ختم کر دی گئی۔ علی گڑھ پرگنہ کے نظام کو تمام اناجوں کے بھنڈار ٹونک بھیجنے کے حکم نامے صادر کیے گئے لیکن اس نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اسکو خدشہ تھا کہ اگر اناج کو ریاست ٹونک بھیج دیا گیا تو علی گڑھ میں بھی اناج کی کمی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ دیوان موتی لال کو چھ مہینے کی تعطیل پر روانہ کر دیا گیا اور ۱۸ جنوری کو وہ ٹونک سے رخصت ہو گئے۔

سیّدوں کی بغاوت

پہلی عوامی مجلس کرنے کے بعد قافلہ کے سیّدوں نے نواب کو کھانے کی دعوت بھیجی۔ نواب آئے اور طعام سے فارغ ہو کر جیسے ہی واپسی کو تیار ہوئے کہ ایک مجمع نے انھیں حصار میں لے لیا اور ایک شخص "چھوٹے خاں" نے نواب کو دھمکی دی۔ سیّدوں نے اس مجمع کو ہٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی نہ چھوٹے خاں پر کسی طرح کی پابندی لگائی گئی۔ اس بات سے نواب کو شبہ ہو گیا کہ اس حصار بندی میں تمام سیّدوں کا ہاتھ ہے۔ نواب نے نظر باغ پہنچ کر قافلے کے چاروں طرف توپیں پچھوا دیں۔ قافلہ خالص سیدوں کی آبادی والا ایک علاقہ تھا جسے فوج نے اپنے حصار میں لے لیا۔ فوراً تمام سیدوں کے گھر گھر کی تلاشیاں ہوئیں۔ جس میں الزام تراشی کے خطوط اور بغاوت کے لیے ورغلانے والے دستاویزات کے ساتھ کچھ ایسے اخبار بھی ملے جو نواب کی مخالفت کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ تلاشیوں میں بارود اور ہتھگولے بھی برآمد ہوئے۔ ٹونک کے سیدوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ رائے بریلی میں بھی واقع اپنے اعلیٰ مرکز سے لگاتار ربط میں رہا کرتے تھے۔ رائے بریلی میں انگریزوں کے خلاف فسادات کی ایک لہر چل چکی تھی۔ دستاویزوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دہلی اور کابل کے محرکوں کے ساتھ بھی ان کے تعلقات بہتر تھے اور دونوں خط و کتابت سے ہمیشہ رشتہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ سزا کے طور پر نواب نے زیادہ تر سیدوں کو ٹونک سے شہر بدر کر دیا۔

دیولی سے انگریزوں کی آمد

جنوری کے ختم ہوتے ہوتے حالات بہت خراب ہو گئے۔ سیاسی مجلسوں میں مجمع

بڑھنے لگا۔ نواب جب بھی عوام کے سامنے سے گزرتے تو مجمع انھیں حصار میں لے لیتا۔ اسی دوران ۲ر فروری کو یہ خبر پھیل گئی کہ نواب نے انگریزوں سے امدادی فوج طلب کی ہے۔ ۶ر فروری کو ایک انگریزی فوجی افسر تقریباً ایک سو فوجیوں کے ساتھ ٹونک آیا۔ اس کے نتیجہ میں نواب کی فوج پر گہرا اثر ہوا لیکن نواب نے فوجی لیڈر ان کو فوراً اپنے اثر میں لے لیا۔ جس کی وجہ سے نواب کی راہ میں آنے والی رکاوٹیں کم ہو گئیں۔

نواب ٹونک کے ذریعے اصلاحات کا اعلان

لیکن اجمیر میں واقع کانگریس اور خلافت کمیٹیوں نے ٹونک کے علاقے میں کام کرنے والے جنگِ آزادی کے سپاہیوں کی حمایت کی۔ ۸ر فروری کو ان لوگوں نے نواب کو ایک ٹیلی گرام کے ذریعے خبر دی کہ وہ لوگ اپنا ایک وفد ٹونک بھیجنا چاہتے ہیں۔ لیکن نواب نے جواب دیا کہ ان لوگوں کو ٹونک میں داخل بھی نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اگر انہوں نے جبراً داخلہ کی کوشش کی تو اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ نواب کے اس جواب کی اخباروں نے بھرپور تنقید کی۔ اور ٹونک کے بیرونی خطوں میں نواب کی مخالفت نے اتنا زور حاصل کیا کہ سیاسی نمائندہ نے نواب کے حرکات وسکنات کی جانچ کے لیے ایک کمیشن مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔ اور گورنر جنرل کے سیاسی نمائندہ کے مشورہ سے ۳۲ عدد انگریز مخالف جنگ آزادی کے سپاہیوں کو فوراً رہا کر دیا گیا۔ ۲۳ر فروری کو نواب نے ایک اعلان جاری کیا۔ جسے ۲۴ر فروری کو ایک مجلس عام میں پڑھ کر سنایا گیا۔

اس قرارداد میں عوام کی ضرورتوں اور اس کے ذریعے لگائے گئے الزامات اور نمائندہ اشخاص سے قانونی حمایت اور مشورہ حاصل کرنے کے لیے بنائی گئی ایک کمیٹی کی مجوزہ کارکردگی کے بارے میں تفصیل درج تھی۔

اعلان کے ساتھ ایک رعب کاری بھی جاری کیا گیا تھا جس میں مندرجہ ذیل امور کی اجازت دی گئی تھی۔

۱۔ پانچ سے زیادہ اشخاص کی نشست منعقد کرنا بشرطیکہ وہ سیاسی افکار و خیالات سے خالی ہو۔

۲۔ نماز پڑھنا یا مسجد میں واعظ و تقریر بشرطیکہ وہ صرف مذہب کے دائرہ میں محدود ہو۔

۳۔ ریاست کے بیرونی شہریوں کو ریاست میں داخلہ کی اجازت بشرطیکہ وہ لوگ جنگ آزادی لڑنے والوں سے کوئی تعلقات نہ رکھتے ہوں۔

۴۔ عربک اسکولوں کو دوبارہ شروع کرنے کی غیر مشروط اجازت۔

اقتصادی پریشانی کی وجہ سے جو افراتفری پیدا ہوئی تھی وہ اس اصلاحی اعلان کے بعد نیم سیاسی تحریک میں تبدیل ہو گئی۔ ۲۳؍اور ۲۴؍نومبر کو اجمیر میں دی راجپوتانہ اسٹیٹ پیپلس کانفرنس ہو گئی۔ اس میں مجلس عاملہ کے ارکان کے طور پر ٹونک سے ایک مسٹر عرفان پڑائی کا نام انتخاب کیا گیا اور ایک قرار داد نمبر ۲۴ بالاتفاق منظور کی گئی کہ ٹونک اُدے پور، سیروہی، بوندی اور جے پور ریاستوں کے ذریعے اپنائی گئی عوامی استیصال کی حکمتِ عملی کی ہر طرف سخت الفاظ میں تنقید کی جائے۔ باوجود اس کے ۳۰۰ بے گھر اور شہر بدر خاندانوں نے ۱۹۲۹ء تک اپنی تحریک جاری رکھی۔ سن ۱۹۳۰ء میں ۸۳ سال کی عمر ضعیف میں نواب کی موت ہو گئی۔

تعمیراتی کارکردگی اور مولود شریف

جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ذکر آچکا ہے نواب ابراہیم علی خاں کا دور حکومت ٹونک میں سب سے زیادہ ۶۳ سال رہا۔ اتنے طویل عرصے تک حکومت کرنے کا موقع کسی اور نواب کو میسّر نہیں آیا۔ نواب ابراہیم علیخاں سادہ مزاج اور رحم دل نواب تھے۔ شوق شکار کا بہت خاص تھا۔ ان کے زمانے میں متعدد محکمے قائم ہوئے۔ بازار، سڑکیں اور پختہ دوکانیں آپ کی دین ہیں۔ کوٹھی عید گاہ باغ، پہاڑی بنگلا، مہمان خانہ، کچے بندھے اور پکے بندھے کی کوٹھیاں

ریاست کے تمام دفتروں کی تمام عمارتیں، ممبر عدلیہ اور ممبر اقتصادیات کی کوٹھیاں، بینڈ ماسٹر کی کوٹھی ، ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی، نظر باغ کے لیے کئی پختہ محلات سب ابراہیم صاحب کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ نظر باغ کی خاص بارہ دری کی تعمیر کا کام بھی انھیں کے عہد میں ہوا۔ نواب صاحب پوشاک سادہ پہنا کرتے تھے۔ مولود شریف کا آپ کو خاص مذہبی شوق تھا گویا کہیں عشق تھا۔ مولود شریف میں کام آنے والے گنگا جمنی وغیرہ بھی آپ کی ہی دین ہے۔ ہر سال شہر میں سات دنوں تک دھوم دھام سے مولود شریف کا اہتمام ہوا کرتا۔ نظر باغ میں بہترین قسم کی روشنی ہوتی تھی۔ مولود شریف کا بجٹ تقریباً تین لاکھ سالانہ کا تھا۔ اور مولود شریف میں "میلادِ خلیل" عنوان کی ایک ضخیم ترین کتاب ختم کی جاتی تھی۔

اسی طرح نواب نماز کے بھی بہت پابند تھے۔ وظیفہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔ آپ بچے سچے مسلمان تھے۔ نہایت خوب صورت، آنکھیں بڑی بڑی، میانہ قد اور شخصیت میں غضب کی جاذبیت۔

ٹونک کے دربار

تاریخی قصے کا سلسلہ آگے بڑھے، اس سے قبل ضروری ہے کہ قارئین ٹونک کے روایتی درباروں سے متعارف ہو جائیں۔ تاکہ اس عہد کی شاہی روایتوں سے آپ کی واقفیت ہو جائے۔

ٹونک میں چار دربار ضروری تھے۔ اوّل عید الفطر، دوئم عید الاضحیٰ، سوئم ریاست کے قیام کی سالگرہ اور چوتھی والیٔ حکومت کی سالگرہ کے خاص مواقع دربارِ عام میں شمار کیے جاتے تھے۔ اگر ضرورت آن پڑتی تو عام دربار کی مجلسوں کی تعداد میں اضافہ بھی ہو جایا کرتا۔

دربار عیدین اور دربار سالگرہ میں سبھی افسران، اہل خاندان، شہر کے معزز باشندے، جاگیردار اور احباب نواب صاحب کی محفل میں ضرور شرکت کرتے۔

دربار کا طریقہ یہ تھا کہ نواب صاحب قلع امیر گڑھ کے دیوان خانہ میں تخت نشین

ہوتے۔ جو زمین سے ایک بالشت اونچی ہوتی ۔ اس پر مخمل کی زر دوز چادر بچھائی جاتی تھی۔ اسی رنگ سے ملتا ہوا ایک گاؤ تکیہ یا مسند پشت کی طرف اور ایک ایک داہنے اور بائیں پہلو میں سجا ہوتا۔ چادر کے چار کونوں پر گنگا جمنی چوبے ہوتے تھے۔ جن کے اوپر ایک چھت مخملی چادر کی تان دی جاتی ۔ منڈپ کا سا نظارہ ان کی نشست کا ہوتا تھا اور نواب تکیے پر تکیہ کرتے تھے ۔ کل دیوان خانہ میں فرش پر دری اور چاندنی بچھی ہوتی تھی۔ درمیان فرش پر تخت ہوا کرتا تھا۔ اہل خاندان اور اہلِ حکومت داہنی اور بائیں طرف قطار میں نشست کرتے ۔ سب کے لیے جگہ طے تھی ۔ سرکار اعلیٰ کے سامنے چوبدار سونے اور چاندی کی چھڑیں لے کر کھڑے رہتے ۔ نواب کی نشست کی پشت پر خدمت گار ایک زر دوز پنکھے سے ہوا کرتے ۔

مجلس شروع ہونے سے قبل دربار میں سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوتا۔ سامنے حاضر ہو کر کورنش کرتا، سلام بجا لاتا اور نذر پیش کرتا۔ اس کے بعد واپس چار قدم بغیر حاکم کی طرف اپنی پشت کیے ہوئے جاتا اور بعد سلام و کورنش کے اپنی جگہ بیٹھ جاتا۔

لیکن نذر پیش کرنے کی ترتیب ہوا کرتی تھی ۔ پہلے نواب کے چچا، پھر بھائی، بھائیوں کی اولادیں، پھر چچا کی اولادیں اور اس کے بعد خاندان کے دوسرے افراد اور علی الترتیب جاگیردار، منصب دار اہلکار، امراء، تجار نذر پیش کرتے ۔

نواب صاحب کی سالگرہ پر دربار میں تھوڑی تبدیلی ہوتی تھی کہ درباری خاص زرد لباس میں ہوتے تھے اور دیوان خانہ کے سامنے نقالوں اور طوائفوں کا مجرہ اور رقص کی محفل ہوا کرتی تھی ۔

ملک معظم اور کیسر ہند کی سالگرہ کے موقع پر جو دربار ہوا کرتا تھا وہ کرسیوں پر ہوتا تھا۔ اس میں نواب صاحب ایک گنگا جمنی کرسی پر تشریف رکھتے تھے ۔ دربار میں آنیوالے سبھی افراد ایک مخصوص پوشاک میں ملبوس ہوتے تھے اور طے شدہ کرسیوں پر بیٹھتے تھے ۔ جب سارے مہمان آجاتے تو انگریزی حکومت کی تعریف میں قصیدے پڑھے جاتے ، انگریزی سلطنت کے قائم و دائم رہنے کی دعائیں مانگی جاتیں ۔ تقریریں ہوا کرتیں اور تب

شاہی سلامی پہلے بینڈ سے شروع ہوتی اور ایک سو ایک توپوں کی سلامی پر ختم ہوتی۔ سلامی کے بعد درباری بیٹھ جاتے کیونکہ بوقت سلامی درباریوں کو کھڑے رہنے کا حکم ہوتا تھا۔ حکومت کے قیام اور نواب کی اپنی سالگرہوں پر اکثر قیدیوں کی رہائی بھی معمول میں رہی۔ بینڈ باجا تمام دربار میں موجود ہوتا اور بجتا رہتا۔

دربار عیدین کے مواقع یادگار سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ نذر پیش کرنے کی روایت تین دنوں تک چلتی۔ پہلے دن خاندان کے لوگ نذر پیش کرتے۔ دوسرے دن اہلکار اور افسران کی نذر آتی اور تیسرے دن فوج کی نذر قبول کی جاتی۔ باقی درباروں کی محفل صرف ایک دن کے لیے سجتی تھی۔

درباروں میں انعام و اکرام، نوازش و اعزازات، خطاب و خلعت دینے کی روایتیں تھیں اور اکثر ان درباروں کے مواقع پر مقابلے بھی منعقد کیے جاتے تھے۔ یہ مقابلے کھیل، کشتی، نشانے بازی، گھوڑ سواری، تلوار بازی اور جنگ کے دوسرے آداب و اطوار کے مقابلے ہوتے جس میں فتحیاب ہونے والوں کو مخصوص اعزازات سے نوازا جاتا تھا۔

نواب ابراہیم علی خاں کا انداز حکمرانی

نواب ابراہیم علیخاں ایک لمبے عرصے تک ٹونک میں حکمراں رہے۔ ان کا عہد انگریزی سامراج کی بلندیوں کا عہد تھا۔ یہ وہی عہد تھا جب یہ مقولہ مشہور ہوا کہ برطانوی حکومت کی حدوں میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ چونکہ ٹونک کی حکومت بھی دراصل انگریز ہی سنبھال رہے تھے اس لیے یہ بات واضح ہے کہ ٹونک کے نواب اپنی عیش وعشرت میں مشغول رہے اس کا ہی نتیجہ تھا کہ ٹونک میں عوام کی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہ دی گئی۔ اس پورے عہد میں ہی نہیں بلکہ آزادی حاصل کرنے تک ٹونک میں صرف ہائی اسکول تک کی تعلیم کا انتظام تھا۔

انجینیئرنگ، ڈاکٹری اور وکالت پڑھنے کا یہاں کوئی انتظام نہ تھا۔ ریل کی طرف نواب نے اس لیے توجہ نہیں دی کہ اس سے بیرونی ریاستوں اور شہروں کے لوگوں کی آمد و رفت میں اضافہ ہو جائے گا اور عوام کے خیالات میں تبدیلی کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ پھر ممکن ہے کہ وہ نواب کی حکومت کے فرسودہ قوانین کی مخالفت کریں۔ لہٰذا یہ طے ہے کہ یہاں کے باشندے دوہری غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ یعنی ایک غلامی نواب کی تھی اور دوسری پس منظر میں انگریزوں کی غلامی تھی۔ ٹیلی فون صرف انگریزی سرکار کے دفتروں اور نواب کے مخصوص دفتروں میں ہوا کرتا تھا۔

کاریں وغیرہ رئیس، امراء، جاگیردار اور انگریزوں کے علاوہ دوسرے کسی کے پاس نہ تھیں۔ جو لوگ سرکاری دفتروں کے اعلیٰ ملازمین تھے انھیں سائیکل میسر تھا۔ عوام

تانگوں پر سفر کرتے جس پر پردہ کا معقول انتظام ہوتا تھا۔

اس عہد میں علم طب (یونانی طریقۂ علاج) کے ماہرین میں حکیم برکات احمد صاحب کا نام پوری دنیا میں مشہور تھا اور علم حدیث (مع اسلامی فقہ و قانون) میں مولانا حیدر حسن خاں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ مولوی مفتی عبدالرحیم صاحب اس عہد کے مشہور مدرس (شرفاء) تھے۔ علم الرجال میں مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ اور بہ طور طبیعت عوام الناس باکمال حکیم علی حسن صاحب امروہوی کا نام شمس و قمر کی طرح چمک رہا تھا۔ قانون شریعت اور تعزیرات ہند کے معاملے میں شیخ وزیر صاحب کا نام کامل العلم متعلقہ کی حیثیت سے لیا جاتا تھا جو کونسل کے سیکریٹری اور سیاسی امور میں ماہر بھی تھے۔

قانون مال اور اقتصادیات کے معاملوں میں منشی فیض احمد صاحب کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپ ہی نے فارسی زبان میں تخلیق "امیر نامہ" کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اس وقت محمد یوسف صاحب فارسی کے ماہر لسانیات مانے جاتے تھے۔ انھیں کی سرپرستی میں بیٹھ کر زیر مطالعہ کتاب کے مصنف (ھنومان سنگھل) کے والد محترم ماسٹر رام نواس جی "اگروال" ندیم نے آگرہ یونیورسٹی سے فارسی زبان میں ایم، اے، کی ڈگری حاصل کی تھی۔ منشی مصطفےٰ صاحب قبلہ بھی عظیم دانشوروں میں تھے مولوی مولیٰ بخش نے آنرس سے ایم' اے کیا تھا۔ جو طویل عرصہ تک حیدر آباد میں جنگلات کے افسر رہے۔ اور ٹونک کے نواب سعادت علیخاں صاحب کے زمانے میں ممبر زرعیات کے عہدہ پر مقرر ہوئے تھے۔ حافظ مولوی عبداللہ صاحب ٹونک کی مومن برادری کے معتبر اور مشہور شخص تھے۔ بعد میں مولوی صاحب پنجاب یونیورسٹی کے اورینٹل میگا ٹیچرس کے چیرمین اور شعبۂ عربی و فارسی کے صدر ہو گئے تھے۔ مولوی صاحب کا پورا نام حافظ مولوی عبداللہ محمود خاں شیرانی تھا۔ اردو کی ترقی میں آپ کا اہم رول رہا ہے اور آپ کے فرزند اختر شیرانی حقیقت پسند رومان کے جدید شاعروں میں سب سے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ اسی زمانہ میں پروفیسر عمر خاں صاحب فارسی کے پروفیسر ہوا کرتے تھے۔

نواب ابراہیم علیخاں بحیثیت ادب نواز

نواب امین الدولہ حافظ محمد ابراہیم علیخاں کو ادب سے حد درجہ محبت تھی۔ خاص طور پر شاعری سے عشق تھا اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ تخلص خلیلؔ فرماتے اور اساتذہ سے اپنے اشعار پر داد و تحسین وصول کرنے کا حق رکھتے تھے۔ ان کے عہد میں استاذ ظہیر دہلوی، بسملؔ خیر آبادی، مضطرؔ خیر آبادی، نواب سلیمان خاں، اسدؔ لکھنوی نامور شعراء کے ساتھ شعری نشستوں میں اپنا کلام سناتے۔ ان کے علاوہ صاحبزادہ احمد علیخاں رونقؔ، ثاقبؔ دہلوی اور نواب مولوی صدیق حسن صاحب بھی تھے جو اچھے شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ نواب کے بھائیوں میں صاحبزادہ محمد اسحاق خاں، صاحبزادہ عبدالرحیم خاں، صاحبزادہ عبدالوہاب خاں جیسے دانشوروں کا نام بھی ان کی ادبی زندگی میں شامل تھا۔ مولوی محمود حسن خاں صاحب بھی بہت بڑے دانشور تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت شہر ٹونک میں ہی مکمل ہوئی۔ چونکہ محمود حسن خاں صاحب نے ریاست حیدر آباد میں ملازمت قبول کر لی اور پھر وہیں کے ہو گئے۔ اپنی کتاب "اسماء الرجال" میں آپ نے خود ذکر کیا ہے کہ آپ کا خاندان خالص مولویوں کا خاندان پکارا جاتا ہے۔ ان کی تصنیفات میں ایک مقبول ترین کتاب "السید" بھی ہے جو عربی میں ہے۔

مولوی حیدر حسن صاحب ایک دوسرے عالم تھے جو علم حدیث (مع اسلامی قانون و فقہ) پورے ملک میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے لکھنؤ میں کئی سال تک حدیث پاک کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب ٹونک میں دارالعلوم مدرسہ فرقانیہ کی بنیاد ڈالی گئی تو سنگِ بنیاد آپ نے ہی رکھا۔ صاحبزادہ مولوی حافظ عبدالوہاب خاں بھی عالم تھے اور حکومت کے نائب صدر بھی رہے۔ نواب کے چہیتے بھائیوں میں تھے۔ نواب کے سامنے آپ نے وفات پائی تو نواب نے کہا تھا "تمہارے بعد زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکوں گا میں بھی آتا ہوں" اور واقعتاً نواب بھائی کی موت کے چھ مہینے بعد ہی خود بھی چل بسے۔

صاحبزادہ عبدالرحیم خاں صاحب نواب کے بھائیوں میں سب سے زیادہ مالدار

تھے۔ کیونکہ فوج کے جنرل رہ چکے تھے اور اپنے والد کی طرح کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ زیادہ تر وقت کتب خانے میں گزارتے۔ حکیم برکات احمد صاحب جو نواب کے طبیب خاص تھے۔ عبدالرحیم خاں صاحب کے ساتھ فلسفہ، منطق، فتویٰ اسلام اور دیگر موضوعات پر تبادلۂ خیال فرماتے اور اکثر بحث میں پوری دلچسپی اور سنجیدگی کے ساتھ حویلی سے دور سڑک کی طرف نکل جایا کرتے۔ حکیم صاحب پورے ملک میں مشہور تھے۔ آج کا مدرسہ خلیلیہ نواب ابراہیم علیخاں "خلیل" کی یادگار عظیم ہے۔ اس وقت حکیم کی سرائے جو ہنو کی مسجد کے نیچے ہے انھیں کی تعمیر کردہ ہے۔ آپ کی بہت سی کتابیں عربی میں تخلیق اعلیٰ کی سند رکھتیں ہیں۔ مشہور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی مختلف اُمور اور فلسفہ پر آپ سے مفید مشورہ فراہم کیا تھا۔ آخر میں اس دور کی مایۂ ناز ہستی اور اُردو زبان و ادب کے ارتقاء میں اہم رول ادا کرنے والے حافظ محمود خاں شیرانی کا ذکر بھی ضروری ہے جنہیں ٹونک سے محبت تھی اور آپ ریاست میں ادب و آداب کے روح رواں تھے۔

حافظ محمود خاں شیرانی اُردو، فارسی اور عربی کے معروف عالم تھے اور دنیائے زبان و ادب میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ آپ نے شاہ نامہ فردوسی کے خالق فردوسی کی تنقید لکھی اور شبلیؔ کے ادب و آداب پر لکھے گئے آپ کے مضامین کا تو آج تک ثانی نہ ملا۔ انگریزی زبان پر آپ کو عبور حاصل تھا اور انگریز حکمراں و افسران آپ کی قدر کیا کرتے تھے۔ آپ انگریزی ادب سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے بیرونی ممالک کے دورے کیے۔ اور کئی مضامین کا مطالعہ کیا۔ لاہور سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ ٹونک تشریف لے آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ اختر شیرانی آپ کے فرزند تھے اور باکمال شاعر تھے جنہوں نے دنیائے اُردو ادب میں ایک مقام خاص حاصل کیا۔

نواب حافظ محمد ابراہیم علیخاں خلیلؔ کے خاندان کا شجرہ

۱۔ صاحبزادہ عبدالحفیظ خاں ولی عہد حکومت ٹونک

۲۔ صاحبزادہ حافظ سعادت علیخاں عرف منجھلے میاں

۳۔ صاحبزادہ عبدالرشید خاں عرف بھولے میاں

۴۔ صاحب زادہ فاروق علیخاں

۵۔ صاحبزادہ عثمان علیخاں

۶۔ صاحبزادہ عبدالواحد خاں

۷۔ صاحبزادہ مسعود علیخاں

۸۔ صاحبزادہ افتخار علی خاں

۹۔ صاحبزادہ عبداللہ خاں

۱۰۔ صاحبزادہ اسمٰعیل علیخاں

۱۱۔ صاحبزادہ معصوم علیخاں

۱۲۔ صاحبزادہ یعقوب علیخاں [لے]

نواب ابراہیم علیخاں کے عہدِ حکومت میں بسملؔ خیرآبادی، مضطرؔ خیرآبادی، اسدؔ لکھنوی جیسے شاعران کے دربار میں تھے۔ نواب خود بھی اچھے شاعر تھے۔ اسی عہد میں استاد اصغر علی نے "حدیقۂ راجستھان" کے عنوان سے تاریخ ٹونک لکھی جس کی اشاعت ۱۹۰۱ء میں ہوئی اس کتاب میں "بزم خلیل" عنوان سے ایک ضمیمۂ خاص شامل ہوا ہے جس میں اس مشاعرہ کا ذکر ہے جس میں ٹونک کے ۵۸ عدد شاعروں نے شرکت کی تھی۔ اس میں شامل پنڈت رام کرن جوتشی فارسی اور اُردو کے شعر کہتے تھے۔ ان کی معروف کتاب "تاریخ پرگنہ ٹونک" ہے۔ منشی لکشمی نارائن آذرؔ نے شری مدبھاگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور دوسری تخلیقات بھی ان کی ہیں جس کا ذکر ادب اُردو میں ملتا ہے۔ برہمچاری پرمانند "زاہدؔ" اور نانک رام بہار گواردو فارسی کے مشہور عالم تھے۔ آپ دونوں نے کپتان ایف۔ ایس پنگ مہزد بنڈپ۔ اے میں ہارڈتی کی انگریزی تخلیق "ایمنگ دی شیلیشن" کا "ہشت وحشت" عنوان سے ترجمہ کیا تھا۔ منشی بالاسہائے، منشی ہردیال سنگھ لکھشمی نارائن، سوزؔ، برجموہن لال عشقؔ، بالکشن باؔل، ایودھیا پرساد افسرؔ، امراؤمل تپشؔ، گوپال نارائن شوقؔ وغیرہ اسی تاریخی مشاعرہ میں شامل تھے۔

●●

لے شمار نمبر ایک سے تین تک تمام اولادیں لاڈلی بیگم کے بطن سے تھیں۔

سعید الدولہ وزیر الملک نواب حافظ

سعادت علی خاں صاحب بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای

سن ۱۹۳۰ء میں نواب ابراہیم علیخاں کی موت ہو چکی تھی۔ چھ بیویوں سے ان کی ۲۱ عدد اولادیں تھیں۔ تمام ۲۱ بیٹوں میں سب سے بڑے بیٹے ولی عہد عبد الحفیظ خاں کی ۱۹۲۶ء میں موت ہو گئی۔ اس لیے ان سے چھوٹے حافظ سعادت علی خاں تخت نشین ہوئے۔

نواب سعادت علیخاں کی پیدائش ۱۳ر جنوری ۱۸۷۹ء کو ہوئی تھی۔ ان کا عہد حکومت جدید زمانہ کے ابتدائی دور میں شامل تھا۔ آج بھی شہر ٹونک میں بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے ان کا طرزِ حکومت دیکھا ہے اور آج بھی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ نواب اصلاحات میں یقین رکھتے تھے۔ عوام کے لیے فلاحی کارکردگی ان کا محبوب مشغلہ تھی اور واقعتاً عوام سے انھیں ہمدردی اور محبت تھی۔

موجودہ دور میں دریائے بناس پر واقع پل انھیں کا تعمیر کردہ ہے۔ سب سے بڑی خوبی ان کی یہ تھی کہ انھوں نے قحط کے زمانہ میں اضافی قیمتوں سے غلّہ خرید کر اپنے شہریوں کو طے شدہ کم قیمتوں پر فراہم کروایا۔

یہ وہ دور تھا جب ملک میں تحریک آزادی اپنے شباب پر تھی۔ ایک طرف انقلابی انگریزوں کی ناک میں دم کیے ہوئے تھے اور دوسری طرف کانگریس نے مہاتما گاندھی کی قیادت میں مکمل آزادی کا نعرہ بلند کر دیا تھا۔ آئے دن کانگریس نئی نئی تحریکیں شروع کر رہی تھی۔ اور انگریزی حکومت کو للکار رہی تھی۔ جب کہ اس طرف ریاست ٹونک میں وہی وسط زمانی ماحول

تھا یہاں کسی طرح کی کوئی تحریک برائے آزادی نہیں چلی۔ کچھ لوگوں نے انجمن رعایا کی تشکیل دیکر انتظامی اداروں میں داخلہ پانے کی غرض سے ایک چھوٹی سی تحریک شروع کی تھی لیکن ان کی مخالفت صرف نواب سے تھی۔ حکومت میں وہ صرف عوام کی حصے داری چاہتے تھے۔ آزادی ان کا مقصد ہرگز نہ تھا۔ جب انہوں نے انجمن رعایا بنائی تو اس وقت ان کے پیرو کاروں میں مخصوص ایڈوکیٹ حبیب الدین خاں اور منظور عالم صاحب تھے۔ جو نواب کے خلاف بھیڑ جمع کرتے اور مجلسیں منعقد کرنے کے بعد پڑوسی شہر اجمیر کے اخبارات میں خبریں شائع کراتے ٹونک کے آس پاس مالپورہ، ٹوڈارائے سنگھ اور اُنیارا و نوائی ٹیک کے علاقے میں تحریک آزادی کی گرمی پہنچ چکی تھی اور برقرار تھی لیکن جہاں مذکورہ علاقوں میں پرجامنڈل قائم ہو رہے تھے اور تحصیل کے باشندوں میں شعور آزادی بیدار ہو رہا تھا وہیں ٹونک میں نواب کے رعب اور دبدبے کے ہدف میں عوام بزدلی کی زندگی گزار رہی تھی۔ جب کہ نوائی کے پاس واقع ون استھلی نام کے چھوٹے سے علاقہ میں پنڈت ہیرالال شاستری کام کر رہے تھے۔۔۔ ۱۹۴۸ء میں جب پنڈت جواہرلال نہرو ون استھلی آئے تھے تو انہوں نے ٹونک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اب جب کہ پورے ملک میں نیا سویرا آگیا ہے یہاں سے کچھ دوری پر آج بھی ایک وسط زمانی ریاست ہے۔ جہاں وسط زمانی فرسودہ روایتیں اب بھی زندہ ہیں۔"

نواب سعادت علیخاں جس وقت نواب بنائے گئے اس وقت وہ اپنے ہم شوق احباب کے حصار میں تھے۔ لیکن انہوں نے نواب کے تخت پر بیٹھتے ہی ان تمام احباب سے نظریں پھیر لیں۔ ان میں سے کچھ شوقیہ قائم رکھے گئے۔ لیکن ریاست کی روایتوں کے مطابق اپنے مکمل عہد میں انگریزوں سے خوفزدہ رہے، جس کی ایک مثال فریزر پل کا سنگ بنیاد ہے۔ جس پر تمام لوگوں کی سفارش کے باوجود نواب صاحب نے خود بنیاد کا پہلا پتھر نہ رکھا بلکہ یہ موقع فریزر کو ہی عطا کر دیا۔

تخت نشینی کے عرصے میں سیسل نائب صدر تھے اور نواب کے چچا اور خسر صاحبزادہ محمد اسحاق خاں اُمورِ داخلہ کے معاملوں کے حاکم تھے۔ جب سیسل چلا گیا تو میجر فریزر ایڈ وائزری مکمل اختیارات کے ساتھ سیسل کی جگہ پر آگیا۔ فریزر پل اسی وقت کی یادگار ہے۔ سعادت

اسپتال کی تعمیر کے علاوہ اس دور میں دربار ہائی اسکول کی طرف بھی توجہ کی گئی تھی اور اس کے ہیڈ ماسٹر عہدہ پر وی، وی۔ فلپس کی تقرری عمل میں آئی۔ فلپس کے ہیڈ ماسٹر بن جانے کے بعد اسکول میں اصول طرز زندگی کی پابندی آئی۔ طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اور انگریزی تعلیم کا معقول انتظام عمل میں آیا۔

صاحبزادہ محمد اسحاق خاںؒ کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کے بھتیجے خان بہادر صاحبزادہ عبدالتواب خاں کو داخلی امور کا ممبر نامزد کیا گیا۔ اس دور میں خان بہادر شفیع خاں ممبر مال اور خان بہادر شیخ رحیم بخش ممبر عدلیہ مقرر ہوئے تھے۔

نواب سعادت علیخاں کی زندگی کا ابتدائی حصہ اپنے دادا اجلا وطن نواب محمد علیخاں کے پاس بنارس میں گزرا تھا۔ وہیں سعادت علیخاں نے دینی تعلیم حاصل کی اور قرآن کریم حفظ کیا۔ ٹونک آنے سے قبل ان کے بڑے بھائی ولی عہد عبدالحفیظ خاں صاحب کی صحبت میں شکار اور کرکٹ کے شوق نے ایک نئی دنیا بھی دکھائی۔ اسی شوق کی بدولت ٹونک کا سعادت پویلین تعمیر ہو سکا۔ نواب صاحب بائیں ہاتھ سے باؤلنگ کیا کرتے تھے اور لوگ ان کی اسپنگ کا کمال دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے۔ نواب کو شروع کی صحبت میں شکار اور کرکٹ کے علاوہ مرغ بازی، بٹیر بازی، شطرنج، مچھلی کے شکار، تیراکی اور بلانوشی تمام شوق نے آگھیرا۔ آخری دور میں آپ کو ڈراموں اور ناٹکوں کا بہت شوق ہوا۔ آپ کے استاد آپ کی فرمائش پر نئے سے نئے ڈرامے لکھتے اور ہدایت دیتے۔ جسے باضابطہ اسٹیج کیا جاتا۔

میجر فریزر کے بعد میجر بارنیٹ نے ایڈوائزر شپ سنبھالی۔ اس وقت نواب صاحب کی پالیسی انگریزوں کو خوش رکھنے کی تھی۔ برطانیہ سرکار نے انھیں باتوں کو دیکھتے ہوئے سعادت علیخاں کو جی، سی، آئی، ای کا خطاب عطا کیا تھا۔ میجر بارنیٹ کے جانے کے بعد ایڈوائزری ختم کر دی گئی اور کرنل اینڈرسن کونسل کے نائب صدر بن کر تشریف لائے۔ یہی وہ وقت تھا جب عوام حکومت میں برابری کے حقوق پانے کے لیے تحریک پر اتر آئے تھے۔

اصلاحات کے مطالبے

سن ۱۹۳۱ء میں سعادت علیخاں نواب بنے۔ ایک سال بعد راجستھان اسٹیٹ پیپلس

کانفرنس کی طرف سے ایک درخواست وائس رائے کو دے کر یہ مطالبہ کیا گیا کہ نواب اب بھی اپنے مرحوم والد کی فرسودہ حکمت عملی اور لائحہ عمل اپنائے ہوئے ہیں۔ اس میں یہ شامل تھا کہ حقوق خاص جیسے یہاں عوام کو تقریر اور عوامی مجلس برپا کرنے کی اجازت نہیں ہے یہاں شہریوں کو ملک بدر کیا جاتا ہے، نظر بندی کا قانون نافذ ہے، جائیداد کی قرقی کے اختیارات حکومت کے پاس محفوظ ہیں اور جدید زمانہ میں بھی حملے ہوتے رہتے ہیں جس سے عوام پریشان ہے۔ آخر میں درخواست گزار نے ان تمام الزامات کی تفتیش کا مطالبہ کیا تھا۔

وقت کے تقاضہ کو محسوس کرتے ہوئے نواب نے کچھ تبدیلیاں کیں۔ انھوں نے ایک انتظامیہ کونسل بنانے کا اعلان کر دیا جس کو سالانہ آمد و خرچ پر تبصرہ کے حق دیے گئے۔ تعمیرات اور محکمۂ جنگلات کی تشکیل کی گئی اور چنگی و آب کاری محکموں کو دوبارہ منظم کیا گیا۔ مجلس عام، میونسپلٹی اور پنچایتوں کی تشکیل دی گئی اور آزاد عدلیہ کے قیام کی کوششیں کی گئیں۔ ۲۳ر نومبر ۱۹۳۹ء کو ریاستی حکومت کے ایک فرمان کے ذریعے "مجلس عام" تشکیل دی گئی۔ اس میں سرکاری اور غیر سرکاری ۲۶ ممبر نامزد ہوئے تھے۔ سرکاری ممبروں میں دو طبقہ تھا۔ (۱) نامزد (۲) کونسل کے ممبران۔

غیر سرکاری ۱۲ ممبروں کو پنچایت نے منتخب کیا تھا۔ جو آبادی کے تناسب سے شہر اور دیہاتوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ پانچ ممبر نامزد کیے جاتے تھے جو صاحبزادوں اور پچھڑے طبقوں میں سے ہوا کرتے تھے۔ اس کے لیے اُصول مرتب تھا کہ ایک مسلمان ممبر اور ایک غیر مسلم یکے بعد دیگرے منتخب ہوتے تھے۔

مجلس عام کا صدر اسٹیٹ کونسل کا نائب صدر ہوا کرتا تھا۔ جو ٹیکس نافذ کرنے، صحت، امور تجارت اور صنعت سے متعلق مجوزہ قوانین بنانے میں اپنا مشورہ دے سکتا تھا۔ یہ مجلس صرف مشورہ دے سکتی تھی اور غیر سرکاری ممبران بھی سرکاری بلوں میں ترمیمات پیش کر سکنے کا اختیار رکھتے تھے۔

سن ۱۹۳۹ء میں نگر پالیکاؤں میں عوامی نمائندگی کو اہمیت دی گئی اور ایک نگر پالیکا کا علیحدہ قانون پاس کیا گیا جس میں ریاست کے پانچ پرگنوں ٹونک، سرونج

نمبا ہیڑا، چھبڑا اور ریڑا دا کی مقامی حکومت میں عوامی نمائندوں کے حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔ انتخاب فرقہ وارانہ بنیاد پر عمل میں آتے تھے اور نامزدگی سرکار کے ذریعے ہوا کرتی تھی۔ ٹونک نگرپالیکا کا قانون مخصوص طور پر برطانوی ہندوستان کے اصولوں پر مبنی تھا جس میں مقامی ترمیمات کی گئی تھیں۔

دسمبر ۱۹۳۹ء میں دیہی صوبائی پنچایت کے قانون کی تشکیل ہوئی۔ اس میں دو ہزار یا اس سے زیادہ آبادی والے گاؤں کے لیے پانچ ممبروں کی ایک پنچایت بنائی گئی جسے اقتصادی اور جرائم سے متعلقہ اُمور پر فیصلے کا حق حاصل تھا۔ پنچایتوں کے امام سرپنچ ہوا کرتے تھے اور انھیں اپنے پرگنے سے مجلس عام کے لیے ایک ممبر کے انتخاب کا حق حاصل تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران نواب نے ایک مرکزی کمیٹی قائم کی جس کی دو شاخیں تھیں۔ ایک اشتہار کے لیے اور دوسری چندہ اکٹھا کرنے کے لیے۔ اس وقت ایک "فنڈ برائے جنگ" قائم کیا گیا اور حفاظتی قرض (ڈیفینس لون) کے "دو بچت سرٹیفکیٹ" میں قرض کی عام فراہمی کی کوشش کی گئیں۔

ان اصلاحات کے ساتھ ہی نواب سعادت علیخاں نے محکمۂ ترقیات بھی شروع کر دیا اور اس محکمہ کا وزیر خان بہادر مولوی مولیٰ بخش (ایم، اے آکسفورڈ یونیورسٹی) سابق جنگل افسر کو مقرر کیا۔ مولیٰ بخش جنگل افسر کی حیثیت سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ اس موقع پر فرگیوسن کو آئی، جی پولیس مقرر کیا گیا۔ وزارتِ داخلہ کی ذمہ داری صاحبزادہ خان بہادر نواب خاں کو دی گئی۔ جو لوگ متعلقہ محکموں کے پہلے ممبر کہے جاتے تھے وہی وزیر پکارے جانے لگے۔ کیونکہ ریاست نے بھی مرکزی حکومت ہند کی نقل میں آزاد ہندوستان کی وہ ساری روایتیں اپنانی شروع کر دیں جو مرکز میں تدریج پا رہی تھیں۔ خان بہادر نواب خاں اچھے انسان تھے۔ آپ نے اس دور کے حالات پر مبنی "تذکرۂ ٹونک" تصنیف کی۔ نائب صدر کے عہدہ پر فائز صاحب تھے جو بہت اچھے منتظم ثابت ہوئے تھے اور اس تعلق سے ریاست میں معروف ہوئے۔

اسی عہد میں نواب سعادت علیخاں نے گھنٹا گھر، فریزر پل، سعادت اسپتال، میونسپل

ٹاؤن ہال اور گلزار باغ کی کوٹھی بنوائی جو ان کی تعمیراتی یادگار کے طور پر آج بھی محفوظ ہیں۔ انہوں نے ایک آڈیٹوریم بھی بنایا تھا جس میں ان کے عہد میں ڈرامے اسٹیج کیے جاتے تھے جو بعد میں راج ٹاکیز نامی سینما ہال میں بدل دیا گیا۔

دوسری جنگِ عظیم اور ریاست ٹونک

نواب سعادت علیخاں کے زمانے میں ہی دوسری جنگِ عظیم ہوئی تھی۔ مسٹر اوزائر نے اس وقت اپنی خدمات سے ریاست کو کئی مشکلوں سے محفوظ کیا۔ انھوں نے ٹونک میں اناج اور دیگر غلّوں کی کمی نہ ہونے دی۔ اس وقت ٹکی چنور شاہی سکّہ بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ ہندوستان کی آزادی کا سکّہ جاری کر دیا گیا۔ اس وقت عدلیہ کے ممبر رائے بہادر نارائن داس پنجابی تھے۔ جنہیں بعد میں وزارت ترقیات کی ذمہ داری دے دی گئی۔ صاحبزادہ نواب خاں کے سبکدوش ہو جانے کے بعد چھبڑا کے ناظم صاحبزادہ توفیق خاں کو وزارت داخلہ برائے ریاست کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

۱۹۴۰ء میں مردم شماری عمل میں آئی۔ ممبر عدلیہ کے علاوہ ایک جدید عدالت کی تشکیل ہوئی جس کے حاکم اعلیٰ یعنی چیف جسٹس برائے ریاست محمد امیر خاں پنجابی کو مقرر کیا گیا۔

اوزائر صاحب کے سبکدوش ہونے کے بعد امیر صاحب کو ریاست کا نائب صدر بنایا گیا۔ اس وقت اسٹیٹ میں بھی حقوق اور آزادی کے لیے عوام کے دلوں میں ولولے اُٹھ رہے تھے۔ جب امیر صاحب ان حالات پر قابو نہ کر پائے تو خان بہادر رحمٰن بخش قادری کو ان کی جگہ ترقی دی گئی۔ قادری صاحب نے آزادی کے ولولوں کو کامیابی کے ساتھ دبا دیا۔ ممبر محمد خاں اور انسپکٹر جنرل کے عہدہ پر حمید اللہ خاں کام کر رہے تھے۔

***

نواب سعادت علیخاں کے شوق

جب گلزار باغ کی نئی کوٹھی تعمیر ہو چکی تو نواب سعادت علی خاں وہیں آکر مقیم ہوئے۔ تنک کے وقت عوام وخاص سے یہیں ملاقات کرتے۔ ان کے مسئلے سنتے اور بعد ازاں کونسل یا نائب صدر کے یہاں چلے جاتے۔ آنجناب بھی کرکٹ اور شکار کے شائقین میں اپنا اونچا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے جیب خرچ سے ایک کرکٹ ٹیم بھی بنا رکھی تھی۔ اس ٹیم نے اس زمانہ کی مشہور "کایون شیلڈ" حاصل کی تھی۔ سعادت علیخاں کو ٹینس کا کھیل بھی بہت عزیز تھا اور اکثر شام کے وقت خلیل کلب میں ٹینس کھیلتے تھے۔ شاعری کا شوق تھا۔ پہلے سعید تخلص فرماتے تھے پھر "مختار" کرلیا۔ ہندی زبان میں انھیں لوگ عموماً "راج" کہہ کر بلاتے۔ مشاعروں میں اپنا کلام کسی اور سے پڑھواتے۔ شام کو اکثر ڈرامہ یا فلم دیکھتے۔ شاعری میں آپ کے استاد مولوی حافظ جامؔ صاحب تھے۔ شکار کو جاتے تو شیر کی ہی تلاش رہتی۔ مخصوص طور پر سرونج پرگنہ کا جنگل آپ کی شکارگاہ تھا۔ ہر سال اپریل کے مہینے میں آپ کے شکار کھیلنے کا شوق پورا ہوتا۔ مچھلی بہت شوق سے کھاتے تھے۔ اور مختلف پھولوں کے باغات کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ ایک وقت ٹونک میں ہیضہ کی وبا پھیلی تو خود دوا لیے لیے گھر گھر جاتے۔ عالم ہونے کی وجہ سے اچھے مقرر بھی تھے۔ آپ کی تقریروں میں جاذبیت اور زبان کی چاشنی لوگوں کو یک دم رجوع کیے رکھتی۔ دوسری جنگِ عظیم سے غلے کی کمی کو باہر سے اضافی قیمتوں پر غلہ خرید کر پورا کیا۔ لیکن عوام سے وہی پرانی قیمت لی۔

قوّتِ یادداشت بہت تیز تھی جسے ایک بار دیکھ لیتے کبھی نہ بھولتے۔ جب بھی تقریر کرتے بغیر کسی نوٹ کے اور کاغذ قلم کا سہارا بالکل نہ لیتے۔ تقریر میں موضوع کا سلسلہ منقطع نہ ہوتا۔ ترتیب نہ بکھرتی اور اگر درمیان میں کوئی سوال کرتا تو چاہے دس سوال کیے گئے ہوں سب کا جواب اسی ترتیب سے دیتے جس ترتیب سے سوالات کیے گئے تھے۔

شہر کے تمام معروف اور بدنام دونوں طرح کے لوگوں کی خبر رکھتے۔ جرائم پیشہ فطرت کے لوگوں کو پولیس کے حوالے کرتے۔ کسی کام کے لیے کسی نے بھی گزارش کی اس کا کام دل لگا کر کرتے۔ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ غصے میں بھی زبان شیریں ہوتی۔ فحش کلامی کسی شخص نے کبھی نہ سنی۔ کسی کو کبھی ناشائستہ الفاظ کہہ دیے تو دوبارہ ملنے پر اسے گلے لگاتے اور معذرت چاہتے۔

نواب سعادت علیخاں نے اپنا عہد بہترین طریقے سے گزارا ۲۳ر مئی ۱۹۴۷ء کو جمعے کے دن نمازِ ظہر کے بعد دن کے دو بجے انتقال فرمایا اور موتی باغ کے قبرستان میں اجداد کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ان کی بڑی بیگم جو ان کے چچا صاحبزادہ محمد اسحاق خاں کی دختر تھیں۔ ان کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی جو راجستھانی قانون کے مطابق ریاست کی وارث قرار دی جاتی۔

مولوی حافظ نواب سعادت علی خاں صاحب کا خاندان

۱۔ صاحبزادہ صادق علی خاں

۲۔ صاحبزادہ اشفاق علی خاں

۳۔ صاحبزادہ مبارک علی خاں

۴۔ صاحبزادہ مختار علی خاں

۵۔ صاحبزادہ مظہر علی خاں

۶۔ صاحبزادہ محمد علی خاں

۷۔ صاحبزادہ صابر علی خاں

۸۔ صاحبزادہ انور علی خاں

ریاست کے قانون کے مطابق جنت نشین نواب کے سوتیلے بھائی صاحبزادہ محمد فاروق علی خاں کو برطانوی ہندوستان کی سرکار نے ۳۱ مئی ۱۹۴۷ء کو جائز وارث قرار دیتے ہوئے ٹونک کے تخت پر بٹھایا۔ یہ دربار غلام ہندوستان میں سامراجیت

کے نقشِ قدم پر چلنے والا آخری دربارِ تاج پوشی تھا جس کی صدارت انگریز نمائندہ دیوتی نے کی تھی۔

نواب سعادت علی خاں کے دور کی معروف شخصیتوں میں مولانا حکیم برکات احمدؒ مولانا معین الدین، مولانا مولیٰ بخش، خان بہادر احمد تواب خاں، خان بہادر صاحبزادہ احمد الدین خاں، سید محمد عمر میاں، منشی ابراہیم صاحب، صاحبزادہ محمد الیاس خاں، صاحبزادہ سردار محمد خاں، صاحبزادہ عبدالشکور خاں، پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر مولوی مظہر حسن خاں، پروفیسر مولوی عبدالرحمٰن خاں، صاحبزادہ حکیم عبدالقدوس خاں، دیوان گھنا لال جی، رائے صاحب نارائن داس جی، مولوی میر صاحب پنجابی، خان بہادر رحمٰن بخش قادری، ڈاکٹر ٹی ایس ڈیبائی، مسٹر فلپس، مسٹر ڈیگرڈس ہیڈ ماسٹر، حکیم سید یحییٰ میاں، حکیم محمد علیخاں عرف ننھے خاں، قاضی مفتی محمد ایوب، وکیل شیخ بدرالدین محمد میاں، عبدالرحیم خاں، جرنیل مولوی مفتی مجید خاں، مولانا حافظ عبیداللہ خاں، بابو گمبھیرمل جی، بابو چاندمل جیؒ رائے صاحب مدن گوپال جی، عبدالقادر خاں، صاحبزادہ نسین علیخاں کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے نواب سعادت علیخاں کو کسی نہ کسی طور پر مدد پہنچائی ہے اور اعزاز حاصل کیا ہے۔

عہدِ سعادت علیخاں میں شعر و سخن

سعادت علیخاں کے زمانے میں دنیا کی دوسری جنگِ عظیم لڑی گئی تھی۔ تحریکِ آزادی شباب پر تھی۔ لیکن شہر ٹونک کو باہر کی دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ بہت کم لوگ تھے جو علاقہ بیرونی سے آگے کے بارے میں کچھ سوچ پاتے تھے۔ شاعری میں بھی وہی رنگ بلبل، گل اور شمع، پروانوں کی بھیڑ تھی۔ لیکن جو شاعر اس زمانہ میں ہوئے ان کا ایک الگ رنگ تھا۔ ان میں سے ایک صاحبزادہ محمد سعید خاں عاشق تھے، جو داغ دہلوی کے شاگردی کر چکے تھے اور عشقیہ شاعری میں کمال کا درجہ رکھتے تھے۔ زبان آپ کی ٹکسالی تھی، شاید

اسی لیے پورے ملک میں شہرہ تھا۔ آنجناب نے شاعری کی ابتداء عہد قیمتی میں کی تھی۔ ۱۹۴۹ء میں انتقال تک شاعری کرتے رہے اور ٹونک میں دہلی اسکول کی روایتیں قائم کرنے کا سہرہ آپ کے سر ہے۔

حافظ عالمگیر خاں کیفؔ نے نواب سلیمان خاں اسدؔ کی شاگردی کی تھی۔ ٹونک کی دُنیائے ادب میں آپ لکھنؤ اسکول کے استاد تھے۔ آپ کی رہائش زیادہ تر جھالاواڑ میں ہوئی جہاں کے راجہ بھوانی سنگھ آپ کو کیف بھگوان پکارا کرتے تھے۔ داغؔ کے بعد غزل کے باکمال شاعروں میں آپ کا نام پہلا نام ہے۔

مولوی کیفؔ صاحب بھی اس عہد کے باکمال شعراء میں اپنا مقام رکھتے تھے حافظ محمد جام نواب سعادت علی خاں کے استاد تھے۔ نواب نے آپ کو فن، تمدن، تہذیب ناٹک اور دوسرے ثقافتی معاملوں کا انچارج بنا رکھا تھا۔ اپنے استاد عاشقؔ کے بہترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے تھے صنف سخن شاعری اور ڈرامہ نویسی میں خاص دلچسپی رکھتے تھے اور مکمل عبور حاصل تھا۔ اس دور کے بہترین شاعروں میں سید محمود الحسن صولت بھی ایک تھے جو عربی نسل کے ایسے چشم و چراغ تھے جو ہندوستان کو روشن کر رہا تھا۔ عربی، فارسی کے زبردست عالم تھے۔ آپ کی تعلیم دربار ہائی اسکول اور حکیم برکات صاحب کے ادارہ میں مکمل ہوئی۔ شروع سے بہترین اشعار کی تخلیق کے لیے مشہور تھے۔ عادتاً طرحی اور غیر طرحی مشاعروں کی دعوت ملتی تو دوسرے احبابوں کے لیے کئی کئی غزلیں کہہ کر دے دیتے۔ آج بھی پورے پنجاب میں آپ کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے آپ کی بہت سی چہار بیتیں آج بھی گنگنائی جاتی ہیں لباس ہمیشہ سادہ ہوتا۔ اور شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی لیکن سب کو اس کی آہٹ اور آواز سے شناخت کر لیا کرتے تھے چاہے انھیں نہ دیکھیں۔ زیر مطالعہ کتاب کے مصنف ہنومان سنگھل کے والد بزرگوار ماسٹر رام نواس جی "اگروال" ندیمؔ بھی صولت صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے مصنف ہنومان سنگھل کو بتایا کہ نواب سعادت علیخاں مشاعروں میں رام جی "اگروال" ندیمؔ کو بہت عزت و احترام سے بٹھاتے اور ضرورت آن پڑے تو خاص امور میں مشورے

کے لیے انھیں دربار ہائی اسکول سے جہاں وہ استاد تھے، بلا لیا کرتے تھے۔ اس دور کے دیگر شعراء میں شفیع اللہ خاں دانق، صاحبزادہ امداد علی خاں نظر، صاحبزادہ حامد سعید خاں ساحل، جام ،، احب، صاحبزادہ شفیق الرحمٰن، بسمل سعیدی اور اختر شیرانی وغیرہم نے ملک گیر مقبولیت حاصل کی ہے۔ سعادت علی خاں خود شاعر تھے اور ہندی کی کویتا لکھنے کا بھی شوق تھا۔ اس دور کے ملک گیر شہرت یافتہ دیگر شعراء کرام کی فہرست میں جگر مرادآبادی، اعجاز صدیقی، حفیظ جالندھری، سیماب اکبرآبادی، اعجاز مالوی، منظر اکبرآبادی، ماہر القادری، جوش ملسیانی، ساغر نظامی، شعری بھوپالی، اطہر ہاپوڑی وغیرہ اکثر ٹونک آتے اور مشاعروں میں شرکت کے بعد ادبی محفلوں کی رونق بنتے۔ ہفتہ دس روز قیام کرتے۔ اور تب کہیں واپسی ہوتی۔ اس دور کے دیگر مخصوص اور اہم کویوں میں منوہر سہائے انور، ماسٹر رام نواس ندیم کا نام بھی شامل ہے۔ رام نواس ندیم غیر مسلموں میں پہلے گریجویٹ تھے جنہوں نے اُردو اور فارسی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ فارسی کی کتاب جو اس زمانے میں موضوع ماحولیات سے متاثر تھی "قلعۂ رن تھمبور" کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔

ممتاز الدولہ وزیر الملک
نواب محمد فاروق علیخاں صاحب
(۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک)

چونکہ نواب سعادت علیخاں صاحب کا کوئی قانون وارث نہیں تھا۔ اس لیے ان کے سوتیلے بھائی فاروق علی خاں کو بتاریخ ۳۱ر مئی ۱۹۴۷ء کو ٹونک کی ریاستی حکومت کا والی مقرر کیا گیا اور ان کی تاج پوشی عمل میں آئی۔ فاروق علیخاں کی پیدائش ۱۸ر اگست ۱۸۸۵ء کو ہوئی تھی۔ والدہ کا اسم گرامی بیگم ہاجرہ خاتون تھا۔ آپ ۶۲ر سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے تھے اللہ نے اپنے خزانے سے نواب فاروق علیخاں کو صورت اور سیرت دونوں معاملوں میں مالا مال کیا تھا۔ سرخ سفید رنگ، قد میانہ تھا۔ پرورش مچھلی بھون میں ہوئی اور قلعے کے سرکاری محلوں میں تعلیم مکمل ہوئی۔ اُردو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد فاروق علیخاں ۱۹۰۱ء میں تعلیم قانون حاصل کرنے کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ کو مجسٹریٹ کے عہدہ کی پیشکش ہوئی۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک دہلی میں آنریری مجسٹریٹ کی حیثیت سے قیام کیا۔ دہلی سے ٹونک واپسی کے بعد آپ خالص مذہبی رجحان میں آگے بڑھے۔ فاروق علی خاں انگریزی حکام اینڈرسن اور اوزابیر دونوں کے یارانِ طریقت میں شمار کیے جاتے تھے۔ نواب سعادت علیخاں کے انتقال ۲۳ر مئی ۱۹۴۷ء کے بعد ۳۱ر مئی کو حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ پہلا دربار ۱۴ر جولائی ۱۹۴۷ء کو عید گاہ کوٹھی میں منعقد ہوا۔ جس میں سیاسی نمائندہ دیولی نے انگلینڈ کے بادشاہ کی طرف سے انھیں نوابی کی خلعت دی اور عوامی اعلان کیا۔ اس وقت اپنی تقریر میں نواب فاروق علی خاں نے

اصلاحات کے وعدے کیے تھے اور سماجی، اقتصادی نیز سیاسی مورچوں پر عوام کی رہنمائی کا اعلان کیا تھا۔

ان کے عہدِ حکومت میں کونسل میں اتنی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ کونسل کے نائب صدر (وائس پریسیڈنٹ) کو پرائم منسٹر کا نام دیا گیا۔ اب تک متعلقہ محکموں کے ممبروں کو وزیر کہہ کر یاد کیا جانے لگا تھا۔ نتیجتاً رحمٰن بخش قادری پہلے منسٹر ہوئے اور خان مظفر خاں کو وزارت مال صاحبزادہ محمد توفیق خاں کو وزارت داخلہ کی ذمہ داری پر بدستور رہنے دیا گیا۔

اسی وقت ۱۹۴۷ء کے ۱۵ر اگست کو ملک آزاد ہوگیا۔ نواب فاروق علی خاں نے تاریخی فیصلہ لیتے ہوئے ٹونک کا حکومتِ ہند میں الحاق کرنا بہتر سمجھا۔ یہ وہ دور تھا جب ہندو اور مسلمان دونوں سماجی اور سیاسی مشکلوں سے پریشان تھے۔ ہندوؤں کو خوف تھا کہ نواب کہیں پاکستان میں اپنا الحاق نہ کریں۔ اس لیے بہت سے ہندو افسران اور شہری ٹونک چھوڑ کر دیولی، نصیر آباد اور اجمیر کی طرف کوچ کر گئے۔ لیکن جب نواب نے ہندوستان میں ہی رہنے کا اعلان کیا تو الور، بھرت پور، اجمیر اور جے پور سے کافی مسلمان ٹونک آبسے۔ نواب نے ان کے رہائش کا معقول انتظام کیا۔ روزگار کے مواقع فراہم کرائے اور اپنی ذاتی آمدنی سے فاروق نگر نامی ایک بستی بسائی جو ان دنوں قصبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دہلی سے ٹونک

دہلی میں اس وقت سیاسی ہنگامہ آرائیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس وقت ٹونک میں پناہ لینے والوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد نظر آ رہی تھی۔ جو لوگ تقسیم ہند کے بعد پاکستان نہیں گئے وہ ٹونک آکر بسنے لگے۔ ایسے پناہ گزینوں کو یا ان کے رشتہ داروں کو ٹونک تک آنے کی سہولت کے طور پر ریلوے اسٹیشن اور ریل گاڑیوں کا انتظام فاروق علیخاں نے ہی کیا۔ جس رات پناہ گزینوں کو لے کر نوائی اسٹیشن پر ریل آنے والی تھی۔ نواب انتظار میں اسٹیشن پر ہی رہے اور سردی کے موسم میں بھی ساری

رات منتظر رہے۔

۶ر جنوری ۱۹۴۸ء کو دہلی میں نوابوں اور چھوٹی ریاستوں کے تمام راجاؤں کی ایک میٹنگ ہونی تھی۔ جس میں شمولیت کی غرض سے آپ نے پرائم منسٹر قادری صاحب کو ساتھ لیا اور دہلی جا پہنچے۔ لیکن دہلی پہنچ کر فاروق علیخاں صاحب کی طبیعت اچانک علیل ہو گئی اور ہوٹل میڈن پہنچ کر انھیں آرام کرنے کے لیے لٹایا گیا۔ لیکن طبیعت نہ سنبھلی۔ ۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کو آپ کی حرکت قلب رک گئی۔ قادری صاحب نے دوراندیشی سے کام لیا اور ان کے انتقال کی خبر حکومت ہند کو دی۔ بعدازاں نواب کی میت ٹونک لائی گئی اور انھیں بھی اجداد کے پہلو میں موتی باغ قبرستان میں دفن کیا گیا۔

انتظامی اصلاحات

حالانکہ نواب فاروق علیخاں بہت کم عرصہ کے لیے نواب کے عہدہ پر قائم رہے۔ لیکن ۱۴ر جولائی ۱۹۴۷ء سے ۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کے درمیان چھوٹے سے عرصہ میں آپ نے کئی اہم کام انجام دیے۔ جیسے ڈراموں کے اسٹیج ہونے پر انھوں نے پابندی لگادی۔ چونکہ شکار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لیے شکار گاہیں توڑ دی گئیں اور وہاں کی تمام زمینیں غریب کسانوں کو تقسیم کرنے کی ہدایت کی گئی۔ زمینوں کی تقسیم کے لیے ۱۴ر افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔ جس میں زیادہ تر ممبران غیر سرکاری تھے تاکہ اس کمیٹی کو باضابطہ عوامی نمائندگی مل سکے۔ فاروق علیخاں صاحب نے اسکول میں انگریزی اور ہندی زبانوں کی تعلیم کو لازمی قرار دیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ کسی تاریخی بادشاہ کی طرح رات کے وقت لباس بدل کر گشت کرتے تھے اور ملازموں کی مستعدی کی خبرگیری کیا کرتے تھے۔ عوامی مسئلوں کو ان کے بیچ جاکر سمجھتے اور عوام کی رائے حاصل کرتے اور صبح کے وقت ان مسئلوں پر بطور نواب اپنا فیصلہ صادر کرتے جس سے عوام میں ان کی مقبولیت ٹونک کے نواب

اوّل امیر خاں صاحب جیسی ہوگئی تھی۔

نئے نواب کا انتخاب

تخت نشین ہونے کے بعد نواب فاروق علیخاں نے دو۔۔۔ کمسن دو شیزاؤں کو اپنے نکاح میں لیا تھا۔ لیکن ان کی قبل سے بھی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ صاحبزادیاں تخت نشین ہو نہیں سکتی تھیں۔ لہٰذا تخت کے دعویدار بن کر ان کے بھائی اسماعیل علی خاں (جو محمد ابراہیم علیخاں خلیل کی مرجینا بیگم کے بطن سے تھے) اور سعادت علیخاں کے حقیقی بھائی ولی عہد اوّل اور حفیظ خاں صاحب کے بیٹے صاحبزادہ معین الدین خاں سامنے آئے۔ اب چونکہ معین الدین خاں کے والد کا انتقال اپنے والد کی حیات میں ہوا۔ لہٰذا وہ ناحق قرار دیے گئے۔ فاروق علیخاں کی تدفین کے بعد آخر کار اسمٰعیل علیخاں ٹونک کے نواب ہوئے۔ حکومتِ ہند نے انھیں عزیز الدولہ کا خطاب عطا کیا اور انھیں تخت نشین کر دیا۔

عزیز الدولہ وزیر الملک

نواب محمد اسماعیل علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ

(فروری ۔ ۱۹۴۸ء)

نواب اسمٰعیل علیخاں کی پیدائش نظر باغ کے محل میں ہوئی تھی۔ نواب ابراہیم علی خاں اسمٰعیل سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اسماعیل کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ قرآن شریف اور زبان اردو کی تعلیم تو اندرون محل ہی مولوی عباد اللہ خاں کی سرپرستی میں مکمل ہوئی لیکن انگریزی تعلیم کے لیے مسٹر میڈکو کو سرپرست مقرر کیا گیا۔ انگریزی زبان اور علم ریاضی کی بہترین تعلیم کے لیے ماسٹر سید حامد حسین صاحب کو دربار ہائی اسکول سے محل میں منتقل کر دیا گیا۔ اس ابتدائی تعلیم کے بعد اسمٰعیل نے میو کالج، اجمیر میں داخلہ لیا۔ کالج سے ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد محکمۂ مال اور محکمۂ عدلیہ میں تجربہ حاصل کرنے کے لیے کمشنری میں دو سال کا وقت گزارا۔ بعد ازاں ہوشنگ آباد (دکن) کے دفتر میں بھی کچھ دنوں تک آپ نے تجربہ حاصل کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان آزاد ہو چکا تھا۔ راجاؤں، مہاراجاؤں اور نوابوں کی غلامی تاریخ کا حصہ بن چکی تھی۔ چونکہ گزشتہ کچھ سالوں سے ٹونک کے اطوار بھی گراں رہے۔ لہٰذا بدانتظامی اور خواہش پرستی کی شکایتیں حکومتِ ہند کے پاس پہنچنے لگیں۔ حکومت ہند نے شکایتوں پر توجہ کی اور عوام کی بہبودی کے لیے اُتر پردیش پروونشل سروس کے ایک سبکدوش ڈپٹی کلکٹر کو ٹونک کا ایڈمنسٹریٹر (ناظم) مقرر کیا۔ یہ فروری ۱۹۴۸ء کا مہینہ تھا۔ نئے ناظم اعلیٰ کا نام رام بابو سکسینہ تھا۔

آپ ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی کے علاوہ اردو ادب پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے چکے تھے۔ ملک میں انگلیوں پر گنے جانے والے دانشوروں میں آپ کی شناخت تھی۔ "تاریخ اُردو" عنوان سے سکسینہ صاحب نے ایک کتاب بھی لکھی تھی جب وہ ٹونک آئے تو انھوں نے بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالا اور حکومت کا کام اس طرح کرتے رہے کہ پرانی حکومتوں کا وقار باقی رہے۔ سب سے پہلے سکسینہ صاحب نے رحمٰن بخش قادری کو جو دا نعتاً ریاست ٹونک کے پرائم منسٹر یا وزیر اعلیٰ تھے ملازمت کا باقی وقت پورا کرنے کے لیے اُتر پردیش بھیج دیا۔ باقی رہ گئے صرف دو وزیروں سے آپ نے حکومت کا کام لیا۔ اس وقت تک ریاست ٹونک مکمل طور پر راجستھان میں الحاق حاصل کر چکی تھی۔ راج کا یستھوں کے ہاتھوں میں تھا اور جب راج ختم ہوا تو بھی رام بابو سکسینہ کے ہاتھ میں تھا پورا انتظام۔ یہ بھی اُتر پردیش کے مشہور کالستھ تھے۔

نواب اسمٰعیل علی خاں اور ڈاکٹر رام بابو سکسینہ

نواب اسمٰعیل علی خاں ٹونک کے آخری نواب تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا ٹونک کے تخت پر فاروق علی خاں قائم تھے۔ ان کی موت حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب دہلی کے ایک ہوٹل میں، ۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ ان کی موت کے فوراً بعد ان کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل علی خاں کو ٹونک کا نواب مقرر کیا گیا اور آزاد ہندوستان کی حکومت نے انھیں عزیز الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ ٹونک کی تاریخ میں اسمٰعیل علی خاں بہت کم عرصے کے نواب تھے۔ ان کے دور میں شاید ایک دربار کا ہی انعقاد ہوا۔ اور صرف ایک ہی میٹنگ کونسل کی بھی ہوئی۔ ۲۵ مارچ ۱۹۴۹ء کو جب راجستھان کو مختلف اور متعدد ریاستوں کے الحاق سے

صوبہ کا درجہ دیا گیا ٹونک دیگر آٹھ ریاستوں کے بعد نویں ریاست تھی اور اس کے انتظامیہ کی ذمہ داری رام بابو سکسینہ کو سونپی گئی تھی۔

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ اردو ادب کے دانشوروں میں اپنا مقام رکھتے تھے "اردو ادب کی تاریخ"، عنوان سے ایک کتاب کی تخلیق سے انہوں نے ملک گیر شہرت حاصل کی تھی۔ وہ مزاج کے سخت تھے اور ان کا قیام ٹونک کے سابق انگریز ایجنٹ برائے سیاسی امور کے بنگلہ نمبر(۱) میں رہا تھا۔ بے رخی یا بے ادبی اور سخت کلامی ان کی عادت میں شمار تھی۔

۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء سے قبل کا عرصہ ٹونک کی بدقسمتی کا آخری دور تھا۔ یہ فیصلہ بھی ممکن نہ ہو پارہا تھا کہ ٹونک کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوگا یا ہندوستان کے ساتھ بہت سے ہندو شہری ٹونک کے پاکستان میں الحاق کی افواہ سے خائف ہو کر دیولی، بوندی، اجمیر، کوٹہ اور دیگر علاقوں میں جا بسے تھے۔

لیکن ٹونک میں اب بھی ایسے لوگوں کو زندہ دیکھا جا رہا تھا جنہوں نے نواب سعادت علیخاں کا زمانہ دیکھا تھا اور تقسیم ہند کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے تھے۔ حالانکہ بہتوں کے خیالات نواب سعادت علیخاں کی حمایت میں نہ تھے جتنا کہ شہرہ تھا۔ نواب ہونے سے قبل نواب سعادت علیخاں ایک بدنام زمانہ اشخاص کی ٹولی کے ممبر تھے جسے نواب بن جانے کے بعد انہوں نے یک لخت فراموش کر دیا۔

نواب ہونے کے بعد بھی اپنی سوتیلی ماؤں سے برتے گئے ان کے برتاؤ نے انھیں مزید بدنام کیا۔ بھائی بھورے میاں نے غیر مسلم افراد پر ظلم کیے تو انہوں نے کبھی ان پر پابندی نہ لگائی نہ ظلم و ستم کی شکار عوام کی خیریت جان لینے کا کوئی گناہ ہی کیا۔ لیکن ان سب کے باوجود فریزر پل کی تعمیر، سعادت اسپتال کی تعمیر، ہیضہ کی وبا کے وقت دواؤں کی تقسیم اور قحط سالی میں بھی سستی قیمتوں پر عوام کے لیے غلہ کی فراہمی وغیرہ کی ان کی کارکردگی نے انھیں وقار اور عزت کا وہ عظیم تحفہ دیا جو تاریخ ٹونک میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

نواب سعادت علیخاں نے انہی سوتیلی ماں مرجینا بیگم کی جو کہ نواب اسمٰعیل علیخاں کی والدہ تھیں، جایئداد ضبط کرلی تھی۔ اس لیے جب ریاستِ ٹونک کا راجستھان صوبہ میں الحاق ہونے لگا تو نواب اسمٰعیل علیخاں نے اپنی والدہ کی ضبط شدہ جایئداد کے معاوضے اور چھوٹی بہنوں کی شادی کے لیے معقول رقم کا مطالبہ حکومت ہند سے کیا حکومت ہند نے ان مطالبوں کو منظور کر لیا اور پانچ لاکھ روپے دہلی میں مکان خریدنے کے لیے، پانچ لاکھ روپے پرانے قرض کی ادائیگی کے لیے اور مبلغ تین لاکھ روپیہ بہنوں کی شادی کے لیے کل ۱۲ لاکھ روپے کی رقم منظور کی۔

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے چونکہ روپے دلوانے میں کافی حد تک مدد کی تھی اس لیے اسمٰعیل علیخاں کے سامنے انہوں نے اپنی مدد کے معاوضے کے طور پر تین لاکھ روپے کا مطالبہ رکھا اور کہا کہ یہ معاوضہ مینن کو دینا ہے جس نے رقم منظور کروائی تھی لیکن حقیقتاً رام بابو یہ روپے خود کے لیے چاہتے تھے۔ کیونکہ مینن واقعتاً بہت ایمان دار شخص تھا اور وزیر داخلہ سردار پٹیل کا سیکریٹری ہونے کے ناطے ان چھوٹی چھوٹی حرکتوں سے دور رہتا تھا۔

رام بابو ایک طرف تو نواب سے روپیہ وصول کر رہے تھے۔ تحائف لے رہے تھے اور دوسری طرف اسٹیٹ کے محکمے کو نواب کی جھوٹی شکایت لکھ کر بھیج رہے تھے کہ نواب حیدرآباد کے مجاہدں سے خفیہ طور پہ ملا ہوا ہے اور ان کی مالی امداد بھی کرتا ہے۔ اور یہ کہ نواب آج بھی پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

راجستھان کے راجاؤں اور نوابوں کی پہلی کانفرنس جب آزادی کے بعد اُدے پور میں منعقد ہوئی تو مینن نے نواب اسماعیل علیخاں کو رام بابو کی شکایتوں کی بنیاد پہ ڈانٹ دیا جس سے نواب گھبرا گئے اور انہوں نے کہا کہ وہ محب وطن ہیں۔ اور ملک مخالف سرگرمیوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ جہاں تک رام بابو کا سوال ہے کہ انہوں نے ان کی (نواب کی) شکایت کی ہے تو رام بابو لاکھوں روپے کے تحائف ان سے وصول کر چکے ہیں اور مزید تین لاکھ روپیہ آپ کے نام سے بھی لے

چکے ہیں مینن نے جب یہ بات سردار پٹیل کو بتائی تو وہ بہت ہی زیادہ غصے سے بھر گئے۔ انہوں نے مینن کی رپورٹ پر اسی وقت رام بابو سکسینہ کو معطل کر دیا۔ بھالا اور میجر ترددی نے تفتیش شروع کرنے سے قبل نواب اور رام بابو سکسینہ کو روبرو کیا۔ رام بابو نے روپے کی وصولی سے انکار کیا تو نواب کو غصہ آگیا اور انہوں نے بندوق اٹھالی۔ اس موقع پر موجود امانت اللہ خاں نے نواب کو روکا اور صبر کی تلقین کی۔ رام بابو گھبرا گئے اور ایک لاکھ روپے میں معاملہ رفع دفع کرنے کی تجویز کو مان لینے کی گزارش کرنے لگے۔ جب یہ حقیقت سامنے آہی گئی کہ رام بابو نے روپیہ لیا ہے تو سردار پٹیل نے انھیں دہلی بلایا۔ دہلی میں رام بابو سردار پٹیل کے قدموں پر گر پڑے۔ اور کہا کہ میں نے کوئی روپیہ نہیں لیا ہے لیکن سردار پٹیل کو حقیقت معلوم تھی۔ انہوں نے رام بابو کو ڈانٹ پلائی۔ رام بابو ٹوٹ گئے۔ سردار پٹیل نے ان سے وہ رقم لے کر سرکاری خزانے میں جمع کروائی اور حکم دیا کہ جے پور کے ضلع جج کی عدالت میں رام بابو کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔ یہ مقدمہ کافی عرصہ تک چلا۔ رام بابو اس سلسلے میں بہت پریشان رہے۔ ان کا مقدمہ لڑنے کا حوصلہ بھی پست ہو گیا جو شخص ٹونک میں شیر کی طرح دہاڑتے ہوا آیا تھا وہ ٹونک کی ہی گلیوں میں بکری کی طرح میئے میئے کرتا ہوا اپنے لیے گواہ کی تلاش میں در بدر مارا پھرنے لگا۔

لوگ کہتے ہیں کہ ٹونک اور قریبی علاقے کے کایستھوں کی ہمدردی رام بابو سکسینہ کے ساتھ تھی۔ تبھی اتفاقاً وہاں مدن گوپال دیلا کلکٹر کی تقرری لے کر آئے۔ انہوں نے رام بابو کی بہت مدد کی۔ ٹونک میں انڈین پینل کوڈ نافذ کرنے کے نوٹیفکیشن کے کاغذات مدن گوپال نے فائل سے نکال کر ضائع کر دیے اور جے پور کی عدالت میں یہ دلیل دی کہ جب ٹونک میں آئی۔ پی۔ سی لاگو ہی نہیں ہے تو اس کے تحت مقدمہ کیسے چلایا جا سکتا ہے۔ اس نکتہ پر مقدمہ خارج ہو گیا۔ لیکن اب تک رام بابو سکسینہ کی شان و شوکت خاکستر ہو چکی تھی اور سڑکوں پر چلتے ہوئے بھی وہ شرمسار رہتے۔ آج رام بابو سکسینہ کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ زندگی سے بیزار ہو کر انہوں نے خودکشی کر لی جبکہ ایک دو سرے ضعیف کی یادداشت میں کسی دن کسی ریل میں چڑھتے ہوئے اُنکی

حرکتِ قلب رک گئی۔ بہر حال ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کو پرانے لوگ آج بھی بھول نہیں پائے ہیں۔

آزادی سے قبل ٹونک میں سفید ٹوپی یا گاندھیائی ٹوپی پہننے پر پابندی تھی ڈاکٹر رام بابو کی آمد پر ان کی کوششوں سے جب پرجا منڈل کا قیام عمل میں آیا تو جہاں منڈل کو شرح شریعت کی عمارت سونپ دی گئی وہیں ٹوپی پہننے کا رواج بھی عام کر دیا گیا۔ شرعی عمارت آج بھی باب تخت پر موجود ہے۔

عہدِ ریاست میں

شہر ٹونک تفریح گاہیں اور رسم و رواج

زمانۂ ریاست میں جو شکل شہر ٹونک کی ہوا کرتی تھی اس میں آج کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی۔ پہلے کی طرح اس شہر کی لمبائی زیادہ اور چوڑائی کم ہے۔ آزادی کے بعد بائیس کوارٹر کے علاقے میں سرکاری اور غیر سرکاری مکانات کی تعمیریں ہوئی ہیں اور گلی مہادیو والی کی طرف ایک بستی نئی بسی ہے۔ نظر باغ کے سامنے شاستری نگر نام سے ایک نئی کالونی آباد ہوئی ہے اور اب تو قلعے کے میدان میں بھی رہائشی کالونی بس گئی ہے۔ ان پورنا مندر کے قریب "گنیش نگر" اس زمانے میں نہیں تھا۔ جو آج ٹونک کی ایک خوب صورت کالونی کے نام سے ایک مشہور علاقہ ہے۔

دراصل شہر ٹونک کی خوب صورتی میں آج بھی وہی چند عدد کوٹھیاں چار چاند لگاتی ہیں جو عہدِ ریاست میں پہاڑیوں پر تعمیر کی گئی تھیں۔ اس میں ان دنوں کلکٹر کا بنگلہ ہے۔ کوٹھی نمبر ۱۔ ۲۔ اور ۳۔ اب محکمۂ ریونیو کے ٹریننگ سینٹر کے قبضے میں ہیں۔ کالی ڈونگری پر آباد سرکٹ ہاؤس کی کوٹھی بھی عہدِ ریاست کی یادگار ہے۔ عیدگاہ کی کوٹھی، پکّے بندھے کی کوٹھی اور کچّے بندھے کی کوٹھی وغیرہ بھی انھیں کوٹھیوں میں شمار ہیں جو نواب کی تفریح کے لیے تعمیر کی گئی تھیں۔

ان دنوں ٹونک کے اردگرد جو تالاب ہیں ان میں چتر بھج تالاب، تالاب تیلیان، تالاب موتی باغ، عیدگاہ، تالاب چھاؤنی، تالاب اصطبل قدیمی تالابوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو چھوٹی تلائیاں ہیں جن میں ایک "دھنا تلائی"، اور دوسری

"ریواس" ہیں۔ یہ تلائیاں بارہ مہینے بھرے ہوئی ہوتی تھیں اور تالابوں میں بھی پانی ہوا کرتا تھا۔ لیکن پینے کا پانی کنوئں سے لیا جاتا تھا جس میں بڑا کنواں سب سے زیادہ مشہور تھا کیونکہ اس کا پانی بہت میٹھا تھا۔

زمانۂ ریاست میں جو بازار تھے ان میں امیر گنج، بازار علی گنج، بازار وزیر گنج، بازار قافلہ ٹونک، کہنہ ٹونک یا پرانی ٹونک مشہور ہیں۔ بازاروں میں سڑکیں پختہ ہوا کرتی تھیں۔ کچھ گلیاں بھی پختہ تھیں۔ بازار میں دوکانوں کے آگے برآمدے ہوا کرتے تھے جیسے دہلی کے کناٹ پلیس میں آج بھی ہیں۔

اس زمانے میں ٹونک کے مشہور محلّوں کے نام محلہ امیر گنج، شاگرد پیشہ، تال کٹورا، محلہ پائے گاہ، موتی باغ، رجبن، کالی پلٹن، علی گنج، بازار قافلہ، محلہ گاڑ قصابان، مہندی باغ، میاں کی چوک، پنج گٹیاں، محلہ بٹوالان، نوابی دروازہ، مانک چوک، سنگ پورہ، بڑا گنواڑا، تالاب تیلیان، محلہ غول، محلہ دیشوالیان تختہ، رائے جی، محلہ ہیر، جال کا کنواں، بہادر خاں کا چوک، چوکی کمہاران، بڑا بیڑ وغیرہ مخصوص نام تھے۔

اس زمانے میں ہندوؤں کے تیوہاروں پر میلے سجا کرتے تھے۔ جن میں ہریاری اماوسیہ، تیج کا میلہ، گنگور کا میلہ اور جل جھولنی گیارسی کا میلہ مشہور تھا۔ ان میلوں میں دور دراز کے گاؤں سے بھی لوگ اُمڈے پڑتے۔ ان میلوں تیوہاروں کے موقع پر ہندو عوام مرد، عورتیں نئے لباس پہنتے۔ مسلمانوں کے تیوہار، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ بھادرپد (بھادو) میں پکّے بندے اور نوگزے صاحب کے علاقے میں تقریباً ہر جمعرات کو میلہ سجتا تھا۔ دونوں مذہب کے ماننے والے میلوں میں بصد شوق شامل ہوتے۔ بارش کے موسم میں لوگ پکّے بندے اور نوگزے صاحب کے گھاٹ پر گوٹھوں کے لیے جایا کرتے تھے۔ نوگزے صاحب دریائے بناس کے ساحل پر ایک پیر و مرشد کی درگاہ شریف ہے جو شہر ٹونک سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ پکّے بندھے پر سرکاری کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اکثر بارش کے موسم میں نواب اپنی بیگمات کے ساتھ انھیں کوٹھیوں میں آرام فرماتے تھے۔ جب نواب یہاں ہوتے تو اس علاقے کو عوامی علاقوں

سے جوڑنے والی شاہراہیں اور دیگر سڑکیں بند کر دی جاتی تھیں۔

پکّے بندھے کو کچھ لوگ پکّے بندے بھی پکارتے ہیں۔جہاں برگد کے درخت ہیں۔ ان درختوں پر ساون میں جھولے سجتے تھے۔پکے بندھے کے تالاب میں جب پانی بہت بھر جاتا تھا تو وہ پال کے دوسری طرف گرتا تھا۔آج بھی جہاں پانی گرتا ہے اسے "چادر چلنا" پکارتے ہیں۔پانچ، چھ گز کی اونچائی سے گرتا ہوا پانی بہت خوشنما منظر پیش کرتا تھا۔جس کا نظارہ کرنے لوگ دور دراز علاقوں سے آیا کرتے تھے۔یہ "چادر چلنا" نواب وزیرالدولہ نے بنوایا تھا۔

شکار گاہیں

زمانۂ ریاست میں ٹونک میں کئی شکار گاہیں تھیں۔جہاں شکار بہت بڑی تعداد میں تھے۔ان شکار گاہوں میں ایک کا نام "سند پڑا" تھا جہاں ہرنیں اور نیل گائیں بہت زیادہ تعداد میں تھیں۔وہیں سند پڑا میں نواب نے ایک سرکاری فارم بنایا تھا دوسری شکار گاہ تھی "کابرا"۔جہاں نیل گائے، خنزیر اور ہرن وغیرہ تھے۔یہاں کبھی کبھی تیندوا بھی آجایا کرتا تھا۔تیسری شکار گاہ سہیلا اور رہتھینا علاقوں کے وسط میں تھا جہاں خنزیر، نیل گائے سانبھر اور تیندوا عموماً مل جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی شیر بھی نظر آجایا کرتا تھا۔یہیں پرگنہ علی گڑھ میں "حاملی" ایک خوب صورت شکار گاہ تھی جہاں سانبھر نیل گائے، تیندوا، ریچھ اور شیر آرام کیا کرتے تھے۔یہیں دو گھاٹے (جانوروں کے تالاب) پختہ تھے اور ان میں ہمیشہ پانی بھرا رہتا۔مالوں کے قریب والے گھاٹے پر جانور اکثر پانی پیتے ہوئے دیکھے جاسکتے تھے۔شاید یہ گھاٹ ان کی پسندیدہ جگہ تھی۔شکاری راتوں کو "مالوں" (مچان) پر بیٹھ جاتے۔وہیں سے ان کی بندوقیں نشانہ لگاتیں۔یہ مالے ایک برج کے ہوا کرتے تھے۔جس کے چاروں طرف دیواریں ہوا کرتی تھیں اور اندر شکاریوں کے بیٹھنے کی اتنی جگہ کہ انھیں بندوق کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو۔لیکن باہر سے اندر بیٹھا کوئی شکاری نظر نہیں آتا تھا۔مالے کے نیچے

دروازے لگے ہوتے تھے جنہیں اندر سے مقفل کرنے کا انتظام تھا۔ کچھ مقامات پر جھال ڈال دی جاتی تھیں اور کچھ کو کھلا بھی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ "بہیں" "چھاٹا" ہوا کرتا تھا جو چھوٹے حوض کی شکل کا ہوتا تھا اور زمین کھود کر پختہ بنایا جاتا تھا۔ سرونج اور چھبڑے میں بھی شکارگاہیں تھیں۔ ٹونک کے نوابین نے زیادہ تر شیر کا شکار سرونج اور چھبڑے کی شکارگاہوں میں کیا تھا۔

پرندوں کے شکار کے لیے دو تین جگہیں زیادہ مقبول تھیں۔ ان میں تالاب سانکھنا، تالاب لوادر، چندلائی کا بند بہت مشہور تھے۔ یہاں مرغابیاں، کابے، حواصل، ہنس، اور سرخاب جیسے پرندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہاں پندرہ اور بیس کی تعداد میں شکاری تالاب کے کناروں پر جگہ جگہ بیٹھے نظر آتے تھے۔ پہلے یہ بندوقیں چلا کر پرندوں کو پرواز کے لیے مجبور کرتے اور درمیان پرواز پرندوں پر نشانے لگاتے۔

پرگنہ ٹونک اور علی گڑھ کی شکارگاہیں ایسی تھیں جہاں ہانکا لگا کر شکار کرنے کی روایت تھی۔ طے شدہ فاصلے پر ایک صف میں شکاری بیٹھ جاتے اور ان کے ہمراہ آئے سو، پچاس لوگ ڈھول، تاشے بجا بجا کر شور مچاتے ہوئے شکار کی طرف قدم بڑھاتے۔ آواز سے گھبرا کر جانور گروہوں میں بھاگتے تو ان کا رخ شکاریوں کی طرف ہوتا۔ ان میں شیر، سانبھر، نیل گائے، ہرن، تیندوا کئی قسم کے جانور ہوتے جنہیں شکاری اپنی بندوقوں کا نشانہ بناتے۔ شکار کا ایک دوسرا طریقہ مالوں پر اپنایا جاتا تھا۔ مالوں کے قریب پانی کے بھرے ہوئے حوض ہوتے تھے۔ جانور وہاں اپنی پیاس بجھانے آتے اور شکاریوں کا شکار ہوتے۔ آملی بھی یہاں کی خوب صورت شکارگاہ تھی جس کے وسط اور کنارے کے علاقے کی پہاڑیاں اراولی کی پہاڑیوں کے تحت آتی تھیں۔

رسم و رواج

ریاست ٹونک کے بزرگ زمانۂ ریاست کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شہر ٹونک میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں آباد ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے ہندو

اکثریت میں ہیں. لیکن ان کا خیال ہے کہ کسی طرح کی فرقہ واریت ان کے ذہنوں میں نہیں رہی۔ جتنے نواب گزرے ہیں ان میں بھی کوئی فرقہ وارانہ کردار و عمل سے ہمکنار نہیں رہا، ہمیشہ نوابین نے عوام کو ایک نگاہ سے دیکھا اور تمام قوموں کے تمام افراد کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی دی۔ وہ اپنے مذہبی رسم و رواج پر اپنے اپنے مذاہب کے مطابق جیسی بھی ہدایت تھی پابند تھے۔ ہندوؤں کے تیوہار ہولی، دیوالی، تیج اور راکھی یا رکھشا بندھن کے تیوہار اسی آب و تاب سے منائے جاتے جس آب و تاب سے مسلمان عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، شب برات اور محرم وغیرہ مناتے تھے۔ لیکن یہ عجیب و غریب بات تھی کہ پوری ریاست میں ایک بھی شیعہ نہیں تھا اور اس لیے محرم کا تیوہار نہیں منایا جاتا تھا۔ لیکن تعزیے ضرور نکلتے اور یوم عاشورہ کو فاتحہ خوانی کا انتظام ہوا کرتا تھا۔

انصاف کے لیے عدالتیں کھلی ہوئی تھیں. ناانصافی کے حادثات کبھی نہ ہوتے۔ کیونکہ دونوں قوموں میں باہم محبت اور اخوت کا رشتہ ہمیشہ قائم رہا۔ تیوہاروں کے منانے کا طریقہ وہی تھا جو آج رائج ہے۔

عیدالفطر کے موقع پر نواب کی سواری کا جلوس قابلِ دید ہوتا۔ جمعہ کی نماز، پابندیِ وقت کے ساتھ جامع مسجدوں میں ادا ہوتی اور عید کی نماز عیدگاہ میں اُردو کلینڈر کے مطابق ماہ شعبان المعظم کی ۱۴ ویں تاریخ کو عبادت کا اہتمام ہوتا۔ مسجدیں سجتیں اور مسلمان عبادت کیا کرتے۔ لیکن عید کی صبح نواب کی سواری کا جلوس اس زمانے کی اہم یادگار رہے نواب جلوس میں عیدگاہ تشریف لے جاتے۔ ہزارہا لوگ جلوس میں ان کے ہمراہ نمازِ عید کے لیے جاتے۔ سڑکوں پر سبھی قومیں ایک بہت بڑے ہجوم کی شکل میں نواب کا استقبال کرتیں اور مکانوں کی چھتوں پر کھڑے لوگ جلوس کا نظارہ کرتے۔

جلوس کا ترتیب یوں تھا کہ سب سے پہلے ریاست کا نشان ہاتھی پر سجا ہوتا اور اس کے ساتھ سنتر سوار ہوتے تھے۔ نشان حکومت کی پشت پر توپ خانے جن میں بیل جوتے ہوئے ہوتے۔ ایک توپ خانے میں عموماً چھ عدد توپیں ہوا کرتی تھیں. ان کے ساتھ چھ پٹیاں ہوتی تھیں جن پر سامان جنگ برائے نمائش رکھا ہوتا۔ اس کے

پیچھے سواروں کا "رسالہ" ہوتا تھا جس کے پشت پر نواب اور اہل خاندان کی سواریاں اونچی اونچی پالکیوں پر ہوتی تھیں۔ لیکن یہ پالکیاں پہیوں پر ہوتیں اور ان میں سے کسی میں چار عدد گھوڑے یا دو عدد گھوڑے پالکیوں کو کھینچ رہے ہوتے۔ یہی پالکیاں بعد میں ڈ ڈر بہ ہو گئیں۔ انھیں کئی جگہ فیٹن بھی پکارا جاتا تھا۔ یہ پالکیاں ہوا دار ہوا کرتی تھیں۔ پالکیوں کو کھینچ رہے گھوڑوں کی باگ سائیسوں کے ہاتھ میں ہوتی تھیں۔ گھوڑوں میں چند موٹرے اور چند کوتل ہوا کرتے تھے۔

گھوڑے نقرئی اور طلائی زیورات سے آراستہ ہوتے تھے۔ سواریوں کی پشت پر انگریزی بینڈ باجے ہوتے جن میں پچاس شخص بینڈ باجے کے مختلف سازوں پر معمور ہوتے۔ باجے کے پیچھے پانچ سو فوجیوں پر مشتمل پلٹن ہوتی جو اپنی وردیوں میں ملبوس ہوتی اور اس کے ہتھیار اس کے ساتھ ہوتے۔ پلٹن کی پشت پر تلنگا کا بیڑا ہوا کرتا تھا جس میں کچھ پرچم لہرا رہے ہوتے۔ یہ پرچم نواب کے ہم پیالہ، ماتحت اور رشتہ دار حکومتوں کے ہوتے تھے۔ بیڑے کے بعد نواب کی سواری کھلی ہوئی بگی پر ہوتی۔ کبھی ہاتھی پر اور وہ کبھی گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ نواب کی بگی میں چار گھوڑے ہوتے تھے۔ جلوس میں کچھ پالکیاں ایسی بھی ہوتی تھیں جس میں آٹھ کہار کاندھا دیے ہوتے نواب کے داہنے، بائیں اور پشت پر مور پنکھ کے مورچھل ہلائے جا رہے ہوتے۔ اور انکی بگی کے پیچھے کئی چوبدار ہوا کرتے تھے جن کے ہاتھوں میں چاندی اور سونے کی چھڑی ہوا کرتی تھی اور ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے نقیب جسے ٹونک میں اور راجستھان کے دیگر رجواڑوں میں "کٹرکپت"، پکارا جاتا ہے۔ سنسکرت میں نقیب کو "ونیا لک" کہتے ہیں۔ نقیبوں کے پیچھے خاص اردلی مع اسلحہ ہوتے جو نواب کی حفاظت کے لیے ہوتے نواب کے ٹھیک پیچھے خاندان کے مرد، صاحبزادے، بھائی، چچا وغیرہ گھوڑوں پر سوار چل رہے ہوتے۔ ان کی کمر میں تلوار لٹکی ہوئی ہوتی اور عہدہ کے مطابق دیگر اسلحے بھی ہمراہ ہوتے۔

اس کی پشت پر ایک بڑا رسالہ ہوتا جس کی تعداد ڈیڑھ سو گھوڑے سواروں پر

مشتمل ہوتی تھی۔ اس رسالے کے پیچھے ہاتھی چل رہے ہوتے جو زریں جھالوں اور دیگر اسلحوں سے سجے ہوتے۔ یہ اسلحے سونے چاندی کے ہودوں پر ہوتے تھے۔

اس طرح رفتہ رفتہ جلوس قلعہ امیر گنج سے عید گاہ کی طرف روانہ ہوتا جس وقت جلوس کے لیے نواب سواری پر تشریف لاتے توپوں کی سلامی دی جاتی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سرکار عالی کی سواری نکلنے والی ہے۔ اسی طور سے جلوس آہستہ آہستہ عید گاہ سے واپس قلعہ امیر گنج پہنچتا۔ جلوس ہمیشہ مشہور بازاروں کے رستے جاتا اور واپس آتا۔ لہٰذا دوکاندار اپنی دوکانوں پر رنگ و روغن کرواتے اور مخصوص طور پر دوکانیں سجائی جاتی تھیں۔

ریاست ٹونک میں سرکاری کارکردگی

ریاست ٹونک کا الحاق راجستھان میں ۱۹۴۸ء میں ہوا۔ الحاق سے قبل ریاست کی سرکاری کارکردگی نواب ٹونک کے ماتحت اور ان کی سیدھی ہدایت میں مکمل کی جاتی۔

نواب کی مدد کے لیے ایک کونسل کا قیام عمل میں آیا تھا جو ایک نائب صدر اور تین ممبروں پر مشتمل تھا۔ مختلف محکموں کی کارکردگی کا ذمہ ان چاروں میں منقسم تھا۔ لیکن افواج، شکار اور شاہی خاندان سے متعلق امور نواب کی ذاتی دلچسپی اور پالیسی کے تحت تھی۔

کونسل کے چار ممبروں میں سے ایک وائس پریسیڈنٹ ہوتا تھا۔

وائس پریسیڈنٹ

اس عہدہ کے تحت خزانہ، ریاست، آب کاری، محکمۂ تعمیرات، پولس اور ٹکسال کے محکمے ہوا کرتے تھے۔

جس طرح آج کل وزارت اور وزیر ہوا کرتے ہیں اس زمانے میں محکمہ اور ممبر ہوا کرتے تھے۔ ممبر داخلہ امور کے ماتحت وکالتی معاملات، محکمہ خاندان، محکمہ شریعت، موٹر خانہ، بگی خانہ، اسطبل، شکار خانہ اور اسپیشل کورٹ آف ورڈس کے علاوہ دیگر کارخانے کی ذمہ داری تھی۔

ممبر عدلیہ محکمہ فوجداری، دیوانی، سیشن جج کی کارکردگی، نظارت نزول، شفاخانہ، جیل اور میونسپل کمیٹی کا اعلیٰ افسر ہوتا تھا۔

ممبر مال کو جنگلات اور نظامات پرگنات پر اعلیٰ اختیارات حاصل تھے۔

ہر ممبر اپنے محکمے کا اعلیٰ افسر ہوتا تھا اور نواب کے علاوہ اس کے فیصلے کو مان لینے

کے لیے سب مجبور تھے۔ اگر ممبروں کے اختیارات اور حقوق سے باہر کا کوئی معاملہ ہوتا جس میں قانون کی صاف ہدایت نہ ہوتی تھی وہ مجلس عالیہ یعنی کونسل میں پیش کیا جاتا تھا۔ اگر وہ معاملہ کونسل کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس کا فیصلہ کرتی ورنہ معاملے کو نواب کے حضور پیش کیا جاتا اور نواب کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا۔

عام طور پر مجلس عالیہ (اسٹیٹ کونسل) کی میٹنگ تبادلۂ خیالات کے لیے ہفتے میں ایک بار ضرور ہوا کرتی۔ ان ہفتہ وار نشستوں میں اہم معاملے، جس کے لیے حاکم کے فیصلے کی ضرورت ہوتی، بہ طور عرض داشت مجلس کے سیکریٹری پڑھ کر سناتے اور متعلقہ ممبر اس کا ازالہ کرتا۔ آخری فیصلہ حاکم (نائب صدر) کا ہوتا جس کی نقلیں تمام ممبروں کو تقسیم کر دی جاتیں متعلقہ حاکم اور اس کا پورا محکمہ اس فیصلہ پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہوتا۔

ریاست کی تقسیم پانچ نظامتوں، ضلعوں اور ایک نائب نظامت میں کی گئی تھی۔

نظامتیں:۔ __________ نظامتوں کی ماتحت تحصیلیں:

۱۔ ٹونک __________ ۱۔ ٹونک اور ۲ بجگری

۲۔ پڑادا __________ ۱۔ پڑادا

۳۔ سرونج __________ ۱۔ سرونج ۲ لاٹیری ۳۔ سیالپور

۴۔ نمبا ہیڑا __________ ۱ نمبا ہیڑا ۲ ڈونگلا

۵۔ چھبڑا __________ ۱ چھبڑا

۶۔ علیگڑھ (نائب نظامت)

رپورٹ آن اے ایڈمنسٹریشن آف اسٹیٹ فصلی سال ۱۳۵۲ (۴۵۔۱۹۴۴) صفحہ ۸ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا (۱۹۰۸) کے مطابق ٹونک ریاست کے چھ ضلعے تھے۔ (۱) ٹونک (۲) علی گڑھ (۳) نمباہیڑا (۴) چھبڑا (۵) سرونج (۶) پڑادا۔ ان میں ٹونک، علی گڑھ اور نمباہیڑا راجپوتانہ کے حصے تھے اور چھبڑا، سرونج و پڑادا موجودہ وسط ہندوستان کے حصے تھے۔ ریاست کا کل علاقہ ۲۵۵۳ مربع میل تھا۔

بعد میں نظامتوں کو تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا تھا جن کی تعداد نو تھی۔ ہر ایک نظامت کا حاکم ناظم کہلاتا تھا اور تحصیل کا افسر اعلیٰ تحصیلدار۔ یہ افسران واقعتاً اپنے علاقوں میں ریونیو وصول لینے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ لیکن انھیں سزا دینے کے حقوق رکھنے والے افسران بھی ملے ہوئے تھے۔ عدلیہ کاموں کے لیے ایک سے مجسٹریٹ مقرر تھے۔ ریاست میں باضابطہ پولیس کا محکمہ تھا۔ قانون اور انتظامیہ کے لیے ضلعی مرکزوں پر بھی افسران اعلیٰ مقرر تھے۔

حکومت کے سرکاری عہدوں پر تقرری اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن جو، ۱۳۴۰ھ۔ ۱۹۲۹) کے فصلی سال میں مقرر ہوئی تھی اس کی سفارشوں کے مطابق کی جاتی تھی۔ ان افسران کی تعطیلیں سبکدوشی، گریجویٹی وغیرہ کے قانون نافذ تھے۔ حکومت اسی مطابق سے عمل کرتی تھی۔ تمام ضلعی مرکزوں پر ایک خزانہ ہوتا تھا۔ کچھ تحصیلوں میں بھی چھوٹے خزانے ہوا کرتے تھے۔ یہ خزانے سرکاری بینکوں کے طرز پر تھے۔ انھیں خزانوں میں سرکاری سرمایہ جمع ہوتا تھا، اور ضروری ادائیگی مقرر افسر کے ذریعے عمل میں آتی تھی۔ ادائیگی کے لیے سیکریٹری مال اور ممبر مال کی اجازت ضروری ہوتی تھی اور اجازت نامہ دیکھنے اور اطمینان کے بعد ہی خزانہ کا افسر ادائیگی کرتا تھا۔ ملک کے کئی ضلعوں اور قصبوں میں آج بھی یہی نظام قائم ہے۔

ٹونک ریاست میں پولیس

موجودہ صدی کے ابتدائی سالوں میں پولیس کا محکمہ ممبر داخلہ امور کے ماتحت تھا جو کہ وقتاً فوقتاً سپرنٹنڈنٹ اور انسپکٹر جنرل کا کام بھی کرتا تھا۔ لیکن دونوں کاموں کے لیے الگ الگ محکمے تھے۔ ان میں افسر اعلیٰ، سپرنٹنڈنٹ، تھانیدار، جمعدار، حوالدار اور سپاہی کے علاوہ چوکیدار ہوا کرتا تھا۔ نمباہیڑا اور سرونج میں نال منھ بھرنی بندوق اور تلوار دھاری پولیس تھی جب کہ ٹونک اور دیگر پرگنوں میں پولیس کے پاس ٹوپی دار بندوقیں، توڑی دار بندوقیں تلواریں اور ڈنڈے ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر اسلحے اب چلن میں نہیں ہیں۔

اس زمانہ میں گاؤں میں کوئی تقرری پولیس کی نہیں تھی۔ صرف کچھ پرگنوں میں چوکیدار ہوا کرتے تھے۔ جنہیں یا تو نقد تنخواہیں دیجاتی تھیں یا زمین سے متعلق کچھ نعمتیں۔ ٹونک اور علی گڑھ میں ان کا کام مجرموں کو گرفتار کرنا۔۔۔۔۔ یا ان کا تعاقب کرنا ہوتا تھا۔ ناکامی کی صورت میں جرمانہ کی ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔ جب کہ پرگنہ چھبڑا میں صرف حادثے کی خبر پولیس کے دیگر افسران کو دینے کی ذمہ داری تھی۔

سن ۱۹۱۶ء میں ایس۔ ٹی۔ ہانس جو کہ اجمیر کے سپرنٹنڈنٹ آف پولیس ایس۔ پی تھے ٹونک کے انسپکٹر جنرل آئی۔ جی کے عہدہ پر ان کی تقرری ہوئی۔ اور انہوں نے ہی پورے محکمے کو دوبارہ منظم کیا۔

اسی سال ٹونک حکومت میں برطانوی ہندوستان کی طرز پر ایک نیا قانون نافذ ہوا۔ روزانہ پابندئ وقت کے ساتھ پریڈ اور قانون کے تحفظ کا انتظام کیا گیا۔ تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۲۳، ۹۷م اور ۹۸م کے تحت آنے والے معاملے غیر دخلیہ قرار دیے گئے۔ جس کے لیے برطانوی ہندوستان کے اخلاق و اطوار نافذ کیے گئے تھے۔ محکمہ کو دو پولیس افسروں کے ماتحت کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک چھبڑا، پڑاوا اور سرونج کے انچارج تھے اور دوسرے ٹونک مرکزی دفتر کے ساتھ ساتھ نمباہیڑا اور علی گڑھ کے ذمہ دار تھے۔ بعد میں ان افسران کی تعداد تین کردی گئی۔

۱۹۱۶ء میں ٹونک پولیس لائن کا قیام عمل میں آیا اور کئی نئے تھانوں پر مخصوص تربیت کے انتظامات کیے گئے۔ خاص طور پر ڈکیتوں پر لگام لگانے کے لیے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ (ڈی۔ ایس۔ پی)، پانچ ہیڈ کانسٹبل اور پچاس سپاہی ریزرو رکھے جاتے تھے۔ بعد میں اس خاص ریزرو پولس کے ساتھ ایک اور محکمہ جوڑ دیا گیا جو انگلیوں کے نشانات کی بنیاد پر مجرموں کا پتہ لگاتا تھا۔ اسی سال سوار پولیس میں بھی تبدیلی کی گئی اور جانوروں (گھوڑوں) کی دیکھ بھال کے لیے متعلقہ محکمہ کو بھی ذمہ دار بنایا گیا۔

ریاست میں ایک فوجی تنظیم بھی تھی۔ جسے "ریاستی فوج" کے عنوان سے پکارا جاتا تھا۔ اس تنظیم میں گھوڑے سوار، توپ خانے، پیدل اور رائل انجینیر شامل تھے

ان کا خاص کام تنہا نگرانی کرنا اور رکھوالی کرنا۔ سن الم۔ ۱۹۴۰ء میں اس کمپنی کو منسوخ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک نئی ملٹری فورس بنائی گئی۔

راجستھان میں الحاق کے ساتھ پولیس کا عملہ نئے نظام کے مطابق کام کرنے لگا۔ جو پُرانے نظام سے بہت مختلف ہے۔

ریاست ٹونک میں عدل

ٹونک کی ضلع کونسل (پہلے نگر پالیکا) ضلع کی سب سے پرانی نگر پالیکا ہے۔ سن ۱۸۸۶ء میں شہر میں روشنی اور صفائی کے انتظامات کے لیے ایک مہتمم اور ایک سپرنٹنڈنٹ کو بحال کیا گیا۔ اور اسی بحالی کے ساتھ نگر پالیکا کام شروع ہوا۔

سن ۱۹۱۰-۱۱ء میں آب کاری سے محصول آمدنی نگر پالیکا کو دی جانے لگی تاکہ اصلاحی کارکردگی میں رفتار آسکے۔ وقت کے ساتھ ساتھ نگر پالیکا کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوا۔ اخراجات بڑھے۔ لیکن آمدنی کے راستے محدود ہی رہے۔ لہٰذا پورا محکمہ سرکاری سرمایہ پر تکیہ کرنے لگا۔

سن ۱۹۴۰ء میں ٹونک ریاست نگر پالیکا قانون ۱۹۳۹ء نافذ کیا گیا۔ اور پہلی بار یہ محکمہ منتخب محکمہ بنا۔ برطانوی ہندوستان کے قانون پر مبنی اس قانون کے تحت چار نامزد ممبروں اور عہدہ دار ممبروں کی جگہ پر چھ وارڈ ممبروں (تین ہندو، تین مسلمان) کے انتخاب کا سامان کیا گیا۔ اسٹیٹ کونسل کے ریونیو ممبر ہی اس کے صدر ہوا کرتے تھے۔

نگر پالیکا خاص طور سے اپنی کارکردگی کے اختیارات کی حدود میں سڑکوں کی مرمت، صفائی، عوامی راستوں پر روشنی اور نزول زمین کے انتظامات کیا کرتی تھی۔ اس کے علاوہ شہر کی چہار دیواری، دروازے، بازار، عوامی جھرنے اور فوارے، عوامی استعمال کے لیے پانی کی فراہمی کرانے والے محکمہ کے تحت پانی جمع کرنا اور اس کا معقول طور پر تقسیم کرنا، عوامی نالے، نالیاں، پلیا کی دیکھ بھال وغیرہ نگر پالیکا کی ذمہ داری

تھی۔ نگر پالیکا کا مل علاقۂ اختیار ۵۰۔۴ مربع کیلو میٹر تھا۔ بعد میں اس کے ممبروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا؛ پچھڑے طبقے سے تین ممبروں کو شامل کیا گیا اور دوسرے مفاد میں ایک نامزدگی دو عہدیداران کے علاوہ صاحبزادہ طبقے میں سے بھی ایک شخص نامزد کرنے کا اصول مرتب ہوا۔ ۱۹۴۰ء میں نگر پالیکا کے اخراجات سے ایک یونانی دواخانہ قائم کیا گیا۔

نگر پالیکاؤں میں جب نمائندگی کے لحاظ سے ۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو جاری کیے گئے حکم کے مطابق یہ اعلان کیا گیا کہ ٹونک نگر پالیکا کے لیے ایک منتخب صدر کا نظام نافذ کیا گیا ہے تو اس وقت یہ عوام کو ایک راحت دینے والی بات کی طرح تھی۔

تعلیم اور تمدن

ریاست ٹونک کے ابتدائی عرصہ میں نجی یا ذاتی مکتبوں اور پاٹھ شالاؤں میں تعلیم دینے کا انتظام تھا۔ ان میں قدیم مکتبہ نواب امیر خاں کے عہد حکومت ۱۸۳۴ء ۱۸۱۷ء میں موتی باغ کے نزدیک مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کی نگرانی میں شروع ہوا امیر خاں کے وارث نواب محمد علیخاں (۶۷۔۱۸۶۴ء) کے کم مدتی عہد حکومت میں ٹونک شہر میں ۱۲ عدد مکتبے اور شروع کیے گئے۔ فارسی اور عربی زبان کی تعلیم کے لیے قافلہ مسجد اور مسجد اعظم شاہ میں ذاتی انتظام کے تحت دو درسگاہیں شروع کی گئیں۔ مکتب عام طور پر مسلمان طلباء کے لیے ہوتے تھے اور زیادہ تر مساجد انکا مرکز ہوتی تھیں۔ ہندو طلباء کے لیے پاٹھ شالائیں ہوتی تھیں جو مندروں اور دھرم شالاؤں میں چلائی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ دانشور اور عالم مولوی صاحبان اور پنڈت صاحبان اپنے اپنے گھروں پر ذاتی مکتبہ چلایا کرتے تھے۔ لڑکیوں کے لیے علیحدہ کوئی مکتب نہیں تھا نہ کوئی پاٹھ شالا تھی کیونکہ اس زمانہ میں لڑکیوں کی تعلیم معیوب تھی۔

نواب ابراہیم علیخاں کے دورِ حکومت میں (۱۸۶۷ء-۱۹۳۰ء) مغربی اطوار پر مبنی ایک اسکول ۱۸۷۰ء میں شروع کیا گیا جس میں فارسی، عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ حالانکہ یہ اسکول مسلمانوں کے لیے کھولا گیا تھا لیکن طلباء کی تعداد کم ہونے وجہ سے اس اسکول میں ہندو طلباء کو بھی داخلہ دیا جانے لگا۔ منشی جوالا سہائے نے اپنی کتاب واقعۂ راج پوتانہ میں تحریر کیا ہے کہ مسجدوں میں تعلیمی نظام ہونے کی وجہ مغربی طرز کی تعلیمی درسگاہوں میں طلبا کی تعداد نہ کے برابر ہوا کرتی تھی۔

حکمراں خاندان کے بچے میو کالج اجمیر بھیج دیے جاتے تھے۔ سن ۱۸۸۸ء میں ٹونک بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر کی گئی۔

ایک جنوری ۱۸۸۷ء ٹونک شہر میں "سینٹرل ہائی اسکول" اور "نوبل اسکول" نام سے دو اسکول شروع کیے گئے۔

"نوبل اسکول" میں صرف امیر خاندانوں کے بچے ہی تعلیم حاصل کر سکتے تھے ایک ماہ بعد فروری میں دو چھوٹے اسکول ٹونک اسکول اور امیر گنج شاخ شروع ہوئے۔ سن ۱۸۸۸ء میں ٹونک کے مختلف علاقوں جیسے قافلہ، پرانی ٹونک، گھیر میاں مسعود اور شاگرد پیشہ میں چار عدد پاٹھ شالائیں برائے طالبات کھولی گئیں۔ ابتدا میں وہاں ۱۰۰ عدد لڑکیاں داخل ہوئیں۔ ۱۸۹۲ء میں محلہ بٹ والان اور رکھڑکی دروازہ میں لڑکیوں کے لیے دو اسکول اور شروع کیے گئے۔ سن ۱۸۹۳ء میں اسکولوں کی تعداد ۱۲۵ ہو گئی۔ جس میں لڑکوں کے اسکولوں کی تعداد ۹۳۶ تھی جب کہ لڑکیوں کے لیے ۱۳۹ اسکول ہو گئے۔

۱۹۰۹ء میں ٹونک کے سنٹرل ہائی اسکول کے طلباء نے الہ آباد یونیورسٹی کا اینٹر میں امتحان پاس کیا۔ سنٹرل اسکول اسی یونیورسٹی سے امتحانوں کے لیے منظور تھا۔ اس اسکول میں پنجاب یونیورسٹی کے مولوی اور منشی امتحانوں کے لیے بھی طلباء کو تیار کیا جاتا تھا۔ مذہب، علم طب اور عربی فلسفہ ان امتحانوں کے لیے ضروری موضوعات تھے۔ اس امر میں مدرسہ خلیلیہ بیرونی ممالک تک مقبول و مشہور ہوا۔ لہٰذا غیر ملکی طلباء جو اس امتحان میں دلچسپی رکھتے تھے وہ بھی داخلہ لینے لگے۔

۱۹۰۶-۷ء میں سینٹرل ہائی اسکول کا نام دربار ہائی اسکول ہوگیا۔ اور ان سالوں میں صرف ۷ طالب علم اینٹرینس کا امتحان پاس کر سکے۔ بعد میں تعلیمی اصلاح کے زیرِ نظر دو گریجویٹ مدرس مقرر کیے گئے جنہوں نے طریقۂ تعلیم میں لاہور سے تربیت حاصل کی تھی۔ موجودہ نواب کے بھائی صاحبزادہ احمد رحیم نے شاہی خاندان کے بچوں کو اسکول میں داخلہ دلانے کے لیے ذاتی دلچسپی لی اور یہ اعلان کروایا کہ ٹونک کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے لیے سرکاری نوکریوں میں ریزرویشن کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۱۹۰۶-۷ء تک یہ اسکول ریونیو ممبر کے اختیار میں تھے۔ سن ۱۹۰۷-۸ء میں یہ ذمہ داری دربار ہائی اسکول کے مدرس اعلیٰ کو سونپ دی گئی۔ جو باضابطہ وقت پر ان اسکولوں کا معائنہ کرتے تھے۔ میٹرک کے امتحانوں کے لیے ریاست کے دیگر مڈل اسکول، راجپوتانہ بورڈ، الٰہ آباد سے منظور تھے جب کہ مڈل اسکول، راجپوتانہ، مڈل اسکول امتحان اجمیر سے پاس کرانے کے لیے منظور تھا۔

ریاست کے ذریعے ۱۹۱۶-۱۷ء میں مدرسۂ امیریہ نام سے ایک اسکول برائے مذہبی تعلیم ٹونک میں قائم ہوا۔ ۱۹۴۰-۴۱ء میں پہلی بار اسکول انسپکٹر کے عہدہ بنائے گئے اور تعلیم بالغان کے مراکز کھولے گئے۔ اس ضمن میں تربیت کے لیے اساتذہ کی تقرری بھی بڑے پیمانے پر کی گئی۔ ٹونک کا الحاق جب راجستھان سے ہوا اس وقت ممبر امور داخلہ ہی محکمۂ تعلیم کے ڈائریکٹر تھے۔ ان کی ماتحتی میں ایک انسپکٹر اور ایک سب انسپکٹر اسکول کی کارکردگی پر نظر رکھتے تھے۔

امیریہ اسکول میں اعلیٰ مذہبی تعلیم کا انتظام تھا۔ مدرسہ ناصریہ مدرسہ فرقانیہ، مدرسہ کھاڑیوال، مسلمین اور ہندی پاٹھ شالا، خادم المسلمین وغیرہ بھی مخصوص طور پر مذہبی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ناصریہ اور فرقانیہ اسکولوں میں اُتر پردیش کے محکمۂ تعلیم کی عربی اور فارسی زبانوں کے امتحانات کے لیے طلباء کو تیار کیا جاتا تھا۔

صوبۂ راجستھان جب وجود میں آیا تو اس نظام میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔

ریاست ٹونک کے سکّے

سابق ریاست ٹونک اور علی گڑھ اضلاع میں سکّوں کے ایک رخ پر چنور کی تصویر کندہ تھی جو مثبت طریقے سے سکّے پر رائج تھی۔ اس لیے ان سکّوں کو چنور شاہی سکّہ کہا جاتا تھا۔ سن ۱۸۷۳ء سے ٹونک کے اپنے سکّے ڈھالے گئے۔ جن میں روپے اور پیسے دونوں کے سکّے شامل ہوتے۔ پیسوں کے سکّے تانبے کے ہوا کرتے تھے۔

چنور شاہی روپیوں کے سکّے برطانوی ہندوستان کی انگریزی حکومت کے سکّوں سے تبدیل کیے جاتے تھے جو ۱۲ سے ۱۴ آنا بٹّے پر دستیاب ہوتا تھا۔ بٹّے کی قیمت میں ہر روز تبدیلی ہوا کرتی تھی۔

سن ۱۸۶۲ء سے سرونج ضلعے میں محمد خانی سکّے کا چلن عمل میں آیا۔ جبکہ دوسرے اضلاع میں برطانوی سکّوں کا چلن تھا۔

چنور شاہی سکّہ ۹۰ ماشہ وزن میں چاندی کا سکّہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس میں چاندی صرف ۸۱ ماشہ وزن کی ہوتی تھی۔

مئی ۱۹۴۱ء میں چنور شاہی سکے کا چلن بند ہوگیا اور برطانوی روپے کو کلدار سکہ پکارا جانے لگا اور یہی سکّہ واجب الچلن قرار پایا۔

اسی دور میں کان جی سونار کے بھی غیر سرکاری سکّے چلے۔ جسے کانا شاہی سکّہ پکارا جاتا تھا۔ بعد میں اس سونار کو گرفتار کرلیا گیا اور سزا دی گئی۔

ریاست ٹونک میں سیاسی تنظیم

ریاست ٹونک میں سیاسی پارٹیوں کا وجود بھی تھا جن میں انجمن رعایا ٹونک، جاں نثار پارٹی، مسلم لیگ اور پرجا منڈل تاریخی حیثیت کے حامل تھے۔

تفصیل یوں ہے۔

انجمن رعایا ٹونک ریاست ٹونک میں تشکیل شدہ یہ سیاسی تنظیم تھی۔ اس کے بانی قائدین میں ایڈووکیٹ حبیب الدین خاں، جناب منظور عالم صاحب، مرحوم بھنور لال تابش اور مرحوم رام رتن ٹیکوال کا نام عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔

اس تنظیم کا مقصد ریاست کے لیے ذمہ دار سرکار کی حصولی تھی۔ اس مقصد کے لیے تنظیم نے تحریک چلائی اور انگریزی سیاسی نمائندہ جو پالیٹیکل ایجنٹ پکارا جاتا تھا۔ اسے مجبور کیا کہ وہ ایک خاص افسر کو معطل کرے۔ یہ لوگ عوامی جلسے کیا کرتے تھے۔ تحریک کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ایڈووکیٹ حبیب الدین خاں کو بلاوجہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ مجبور ہو کر نواب کو رات کے وقت حبیب الدین خاں کو رہا کرنا پڑا تھا۔

ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس تنظیم کے رکن تھے۔ عام رکن کے لیے ۲۵ پیسے اور خاص کے لیے ایک روپیہ فیس لی جاتی تھی۔ اکثر جلسوں کا انعقاد کیا جاتا تھا اور حکومت کی خامیوں سے عوام کو مطلع کیا جاتا تھا۔ اپنی وفات کے کچھ عرصہ قبل نواب سعادت علیخاں نے اس تنظیم کے مطالبوں میں سے ایک کو منظوری دیکر اپنی عوامی شہرت میں اضافہ کیا تھا۔ انہوں نے منظوری دی تھی کہ کوئی خاص محکمہ کسی حتمی افسر کی ذمہ داری میں سونپنے سے قبل چھ مہینے تک کے لیے عوام میں سے غیر محکمہ جات تین وزراء کا انتخاب کر کے انہیں تقرری کی جائے۔ لیکن نواب کی اچانک موت سے یہ معاہدہ نافذ نہ ہو سکا۔ سن ۱۹۴۷ء میں انجمن رعایا ٹونک نے نگر پالیکا ٹونک کے عوامی انتخابات میں حصہ لیا اور منجملہ صدر کے تمام بارہ سیٹوں پر اپنا قبضہ کر لیا۔ ۱۹۴۸ء میں پرجامنڈل کا قیام عمل میں آیا تو یہ تنظیم خود بہ خود ختم ہو گئی۔ جب اس تنظیم کا وجود ختم ہوا اس کے ارکان کی تعداد ڈھائی ہزار تھی۔

جاں نثار پارٹی

یہ سیاسی تنظیم نواب کی ذاتی تنظیم تھی۔ اس کا مقصد انجمن رعایا ٹونک کو ہر محاذ پر

ناکام کرنا تھا۔ اس کے ارکان میں زیادہ تر صاحبزادے اور حویلی کے ملازمین شامل تھے۔ لیکن اس تنظیم نے عوام کے درمیان اپنی کوئی جگہ نہیں بنائی اس لیے خود ہی ختم ہو گئی۔

مسلم لیگ | ۴۵-۱۹۴۴ء میں اس تنظیم کی ابتدا ہوئی۔ اس کا مقصد تھا مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی۔ لیکن موجودہ ماحول میں یہ تنظیم بھی عوامی رسوخ سے محروم رہی اور آزادی کے بعد اس کا وجود ختم ہو گیا۔

پرجامنڈل:۔ ٹونک میں ۲۶ر جنوری ۱۹۴۶ء کو پرجامنڈل کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی کارکردگی شہر ٹونک اور نزدیکی علاقوں تک محدود تھی۔ انیارا، نوائی، مالپورہ اور ٹوڈا رائے سنگھ کے علاقوں میں جے پور کا پرجامنڈل کام کر رہا تھا۔ یہ تنظیم رام بابو سکسینہ کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ ورنہ ٹونک میں آزادیٔ ہند کے لیے کوئی تحریک کبھی نہ چلی۔ یہ تنظیم بعد میں ٹونک ضلع کانگریس کمیٹی میں ضم ہو گئی۔ اس تنظیم کو حکومت نے شرع شریعہ کی عمارت دفتر کے لیے دی تھی۔

ریاست ٹونک بطور ضلع ٹونک
(آزاد ہندوستان میں ایک اہم منتقلی)

صوبہ راجستھان کی تنظیم سے قبل جو اول الحاق ہوا اس میں بانس واڑہ، بوندی، ڈونگرپور جھالاواڑ، کشن گڑھ، کوٹہ، پرتاب گڑھ اور شاہ پورہ کے ساتھ ٹونک ریاست کو بھی شامل کیا گیا۔ ٹونک ریاست میں پانچ نظامتیں اور ایک نائب نظامت کی شمولیت قبل سے تھی۔ اسی بنیاد پر ٹونک ۱۵ر اگست ۱۹۴۹ء کو انتظامیہ طور پر پانچ خانوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم میں ریاست کی ٹونک اور علی گڑھ تحصیل کو جے پور ڈویژن میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ایک سرکاری حکم نامہ کے ذریعے جے پور ڈویژن میں سات اضلاع کی شمولیت عمل میں آئی۔ جس میں ٹونک شامل تھا۔

اس وقت ٹونک ضلع کو مندرجۂ ذیل طرز پر تقسیم کیا گیا۔

الف: موجودہ ٹونک ضلع کی ٹونک اور علی گڑھ تحصیلیں۔

ب : موجودہ نوائی تحصیل گیارہ گاؤں کو چھوڑ کر (جھار بڑا، ٹیپر بندھ، گوپالپورہ، مہیشپورہ پیپلا، ایسردہ، شیواڑ، سوے پورہ، راجپورہ، سارسونپ اور دیولی چانوڑ سنگھ) جو سوائی مادھوپور تحصیل میں منتقل کیے گئے تھے۔

ج : اسی زمانہ کا مالپورہ تحصیل جو نو گاؤں کو چھوڑ کر (بنتھلی، شری رامپورہ کا سیڑ گوپال پورہ، جالوسی، بوراڑا، دانتری، دیوڑا اور گھورواڑہ) جو جے پور ضلع کی سرواڑ تحصیل کے ماتحت کیے گئے تھے۔

د : سابق ریاست "بوندی" سے ۲۹ گاؤں۔

ر : اسی زمانہ کے مالپورہ تحصیل میں آنے والے انیارا اور ٹھکانہ کے تمام گاؤں اس تاریخ میں ریاست ٹونک کا نمبا ہیڑا چتوڑ میں اور سرونج کوٹہ میں شامل کیا گیا۔

ایک نومبر ۱۹۴۹ء کو ضلع ٹونک مندرجہ ذیل اعتبار سے منظم کیا گیا۔

ڈیویژن کا نام	تحصیل (علاقوں کے اعتبار سے)
۱۔ ٹونک	۱۔ ٹونک
	۲۔ علیگڑھ (بوندی ریاست سے حاصل کیے گئے ۲۹ گاؤں کی شمولیت کے ساتھ
	۳۔ نوائی (سابقہ ۱۱ گاؤں کو چھوڑ کر)
	۴۔ ٹھکانہ، انیارا، آنواں، نگر، بنیٹھا اور انیارا (تحصیل)
۲۔ مالپورہ	۱۔ مالپورہ (سابقہ ۹ گاؤں کو چھوڑ کر لیکن لاوا اس میں شامل تھا۔)
	۲۔ ٹوڈارائے سنگھ

ایک نومبر ۱۹۴۹ء کو چھبڑا اور سرونج کو ضلع کوٹہ کی ماتحتی میں دیدیا گیا۔ یہ دونوں علاقے سب ڈویژن بنائے گئے اور پڑاوا کو جھالاواڑ کی اکیرا تحصیل میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں سرونج علاقے کو اسٹیٹ ری آرگنائیزیشن کمیشن کی سفارش پر مدھیہ پردیش کی تحویل میں منتقل کر دیا گیا۔ بعد کے سالوں میں ٹونک ضلعے کی ایک تحصیل کیکڑی کا قصبہ دیولی گاؤں اور تین چھوٹے گاؤں سمیت ٹونک ضلعے کی دیولی تحصیل کو منتقل کر دیا گیا۔ دیولی قصبہ، ہاڑوتی اور ٹونک پالٹیکل ایجنسی کی ایک چھاؤنی اور مرکز رہا ہے۔ سابق جے پور ریاست کا ٹھکانہ انیارا بھی ٹونک ضلع میں شامل کر لیا گیا۔ وہاں کا ٹھکانہ راؤ راجہ کی ماتحتی میں تھا جو خود جے پور ریاست کے ماتحت تھے۔ راؤ راجہ خود اس علاقے کا نظام سنبھالتے، دربار لگاتے اور ٹھکانوں کا نظم و نسق دیکھتے۔ مالپورہ نظامت کا یہ ٹھکانہ ریاست کے مغربی ڈویژن کا ایک حصہ تھا۔

اس کی دوبارہ تنظیم کے بعد کمشنر کو علاقے کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اور ان کی مدد کے لیے ایک ڈپٹی کمشنر بھی مقرر کیا گیا۔ ضلعے کا اعلا افسر کلکٹر تھا۔ اس کے ماتحت سب ڈویژن افسر، ڈپٹی کلکٹر، تحصیل دار اور نائب تحصیلدار ہوتے تھے۔ نومبر ۱۹۶۱ء میں کمشنر کا عہدہ ختم کر دیا گیا اور ان کے حقوق و اختیارات ضلع کلکٹر کو منتقل کر دیے گئے۔ لیکن ان کے کچھ اختیارات ریونیو ــــ افسر کو بھی دیے گئے تھے۔

لیکن بدلتے ہوئے زمانہ میں کمشنر کا عہدہ اب دوبارہ قائم ہو گیا ہے۔ اور اب ضلع ٹونک اجمیر ڈویژن کے تحت آتا ہے۔ ضلع کلکٹر اس زمانہ میں ضلع دھیش یعنی ضلع کا مالک کہا جاتا تھا۔ اختیارات آج بھی وہی ہیں۔ ان دنوں ضلع کلکٹر کے ساتھ کئی ڈپٹی کلکٹر، دو ڈویژن افسر اور تحصیلدار اور ایک ایڈیشنل (اضافی) ضلع کلکٹر ہوتے ہیں۔

یہ سب ڈویژن چھ تحصیل ٹونک، مالپورہ، ٹوڈارائے سنگھ، دیولی، اُنیارہ اور نوائی تحصیلوں میں منقسم ہو چکے ہیں۔ ایس۔ پی کے علاوہ کئی اعلیٰ افسر یہاں کام کر رہے ہیں۔ ضلع پلیٹ فارم پہ مقرر یہ افسر اپنی محکمانی کارکردگی کے لیے ضلع کلکٹر سے کام اور امداد

حاصل کرتے ہیں اور اپنے اپنے محکمے کے انتظامی اختیارات کے تحت کام کرتے ہیں۔

آزادی کے بعد ٹونک

آزادی سے قبل ٹونک کے شہری دوہری غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک نواب کی ماتحتی اور دوسری انگریزوں کی غلامی یعنی سماجی ماحول وسط الہدی تاریکیاں تھیں۔ اور آزادی کی روشنی دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ انگریزوں نے اظہارِ خیال اور عوامی مفاد کے بحث و مباحثہ پہ پابندی عاید کرائی تھی۔ اس ریاست میں ریل اس لیے نہیں لائی گئی کہ ریل کے سہارے کہیں کوئی روشنی اس تاریک شہر میں داخل نہ ہو جائے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ریاست نے صرف دربار ہائی اسکول دیا تھا اور اس کے علاوہ دیگر تکنیکی یا صنعتی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ۱۹۴۶ء میں ون استھلی وِدّیا پیٹھ میں کنووکیشن کانفرنس میں وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو نے کہا تھا۔ "یہاں سے بیس میل دور ایک ریاست ہے جس میں بربریت زدہ اور وسط عہدی روایتوں کا دار و مدار ہے"، تو بہت صحیح کہا تھا۔ یہ تلخ حقیقت ہے کہ ٹونک ضلع کی موجودہ تحصیلوں میں جو پہلے جے پور ریاست اور اجمیر کی ماتحتی میں تھیں وہاں تحریکِ آزادی کی مشعلیں روشن تھیں اور اس کے لیے پرجا منڈل قائم ہو چکا تھا کانگریس تحریکِ آزادی کے جلسے منعقد کر رہی تھی اور سفید گاندھیائی ٹوپی اور کھادی کے لباس کا استعمال عام ہو چکا تھا ____ ٹونک میں ریاست کا زمانہ ختم ہوتے ہی ایڈمنسٹریٹر ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے جب عہدہ سنبھالا تو اس کے باوجود کہ ان کی کارکردگی کا سال بہت اچھا رہا وہ اس وقت کے برخاست نواب اسماعیل علیخاں سے الجھ گئے۔ ڈاکٹر سکسینہ کے بعد بھی ایڈمنسٹریٹر کے عہدہ پر دوسروں کی تقرری کا ایک سلسلہ چلتا رہا۔ اور آخر کار یہاں کے نظم و نسق کی ذمہ داری آئی۔ اے۔ ایس افسران کے کاندھوں پر آ گئی۔

ٹونک میں پہلا عام انتخاب دیگر شہروں کی طرح ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ اس وقت

لوک سبھا کے لیے یہاں سے پنا لال کوشک کو عوام نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ لیکن جلد ہی ایک ہوائی حادثے میں ۱۹۵۲ء میں ان کی موت ہو گئی۔ اسی سال ان کی خالی سیٹ کے لیے ضمنی انتخاب ہوا تو عوام نے اس بار مانکیہ لال ورما کو ممبر پارلیمنٹ منتخب کیا۔ مانکیہ لال در بار راجستھان کے وزیر اعلیٰ رہ چکے تھے۔ راجستھان میں آزادی کی تحریک چلانے والوں میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا تھا۔ انہوں نے بجولیا میں سب سے پہلے تحریک آزادی کی مشعل جلائی تھی۔ ٹونک شہر ودھان سبھا سیٹ سے کانگریس کے ہی رام رتن ٹیک وال منتخب ہوئے تھے۔ اُنیارا سے وہاں کے راؤ راجہ سردار سنگھ رام راجیہ پارٹی کی ٹکٹ پر منتخب ہوئے۔ مالپورہ میں کانگریس امیدوار شری دامودر لال ویاس کو ایم. ایل. اے بنایا گیا۔ اور نوائی کی محفوظ سیٹ سے کانگریس کے ہی لالو رام بیروا کو فتح حاصل ہوئی۔

۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۷ء کے درمیان مالپورہ کے ایم، ایل، اے شری دامودر لال ویاس صوبائی وزارت میں شامل کر لیے گئے۔ یہ وقت ٹونک میں امن و آشتی کا وقت تھا۔ ٹونک کی نگر پالیکا پر سماج وادی خیالات کے لوگوں کی حمایت سے منتخب چیرمین کا قبضہ تھا۔ اس کے باوجود اس دور میں کئی ترقیاتی کام ہوئے۔ گاندھی پارک، قدوائی پارک، پٹیل پارک کی تعمیر اور بازاروں میں فٹ پاتھ کی تعمیر کا کام ہوا۔ عوام کھیل تماشوں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مشاعروں کا انعقاد اپنی سابقہ روایت کے مطابق ہوتا رہا اور اس کی تحریک پر ہندی کو تیاؤں نے بھی پھلنا پھولنا شروع کیا۔ اسی دور میں ہندی ساہتیہ سمیتی کا قیام عمل میں آیا اور ٹونک کا ہائی اسکول انٹرمیڈیٹ کالج بن سکا۔ دربار مڈل اسکول کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا اور اسے چھاپہ خانہ والی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔

۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۲ء تک صوبہ میں کانگریس کی حکومت رہی۔ شری موہن لال سکھاڑیا دوبارہ وزیر اعلیٰ ہوئے۔ اور دامودر لال ویاس ان کی وزارت میں ایک موثر ممبر کی حیثیت سے شامل تھے۔ ۱۹۵۷ء میں ٹونک اور سوائی مادھوپور کی لوک سبھا

سیٹوں سے علی الترتیب پنڈت ہیرالال شاستری اور جگن ناتھ پہاڑیا منتخب ہوئے تھے۔ ٹونک کے دوسرے پارلیمانی علاقے سے کانگریسی امیدوار شری نارائن سنگھ ڈگی کو فتح ملی۔ انیارا سے راؤ راجہ سردار سنگھ دوبارہ فتحیاب ہوئے۔ اور نوائی سے اس بار بھی لالورام بیرَوا دوبارہ منتخب ہوئے۔ اسی دور میں ٹونک کا انٹر کالج ڈگری کالج بنا۔

۱۹۶۲ء میں جے پور کی مہارانی گایتری دیوی سیاست میں آگئیں۔ انہوں نے راجستھان میں راجہ جی کی سوتنتر پارٹی کی قیادت خود سنبھال لی اور اپنی سرگرمیاں تیز کردی تھی۔ اس وقت کے وزیر اعلیٰ شری سکھاڑیا بھی دامودر لال ویاس کے بڑھتے ہوئے اثر سے پریشان تھے۔ اس لیے جب مہارانی گایتری دیوی نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جے پور میں مہارانی کا مقابلہ ہماری وزارت کے اہم ستون اور راجستھان کے مردِ آہن دامودر لال ویاس کریں گے۔

اس اعلان کے عرصہ میں دامودر لال ویاس بہ طور ریونیو منسٹر کام کر رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے زمینی اصلاحات کے لیے جو اقدام کیے تھے۔ اس کی وجہ سے راجستھان کے جاگیرداران ان سے سخت ناراض تھے۔ انہیں دنوں میں جھلائے حادثہ بھی پیش آیا۔ جھلائے اور ناصر جے پور کے نزدیک ٹھکانے تھے۔ جہاں سے جے پور کے لیے مہاراج گود لیے جاتے رہے ہیں۔ جھلائے کے ٹھاکر نے جے پور کے مہاراج کمار جے سنگھ کو گود لیا تھا۔ لیکن اسے صوبائی سرکار نے اہمیت نہیں دی اور جھلایا کا محل سیل کر دیا اس حادثے کی وجہ سے بھی علاقے کے تمام شاہی خاندان دامودر لال ویاس کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔

۱۹۶۲ء کے عام انتخاب میں شری دامودر ویاس کے خلاف مالپورہ میں جے سنگھ کو سوتنتر پارٹی کے ٹکٹ پر امیدوار بنایا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ سبھی دکھشن پنتھی (دائیں بازو کے خیالات والی) طاقتوں نے مل کر ویاس کو شکست دینے میں کامیابی حاصل کرلی۔ یہاں تک کہ ٹونک، نوائی اور انیارا میں بھی سوتنتر پارٹی کے امیدواروں نے فتح حاصل کی۔

شری ویاس نے ۱۹۶۴ء میں راج کھیڑا سے ضمنی انتخاب میں مقابلہ کیا اور فتحیاب ہی نہیں ہوئے بلکہ وزارت میں بھی شامل کرلیے گئے۔ اسی سال کانگریس کے جگن ناتھ پہاڑیا کو سوتنتر پارٹی کے امیدوار نے لاکھوں ووٹوں سے شکست دی تھی۔

اسی دور میں کالج میں نئی عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہوا۔ جس میں پوسٹ گریجویٹ (بی۔اے۔ سے آگے) کی تعلیم کا انتظام ہوا۔ ٹونک میں ریونیو تربیتی مرکز کا قیام عمل میں آیا۔ اور مختلف سرکاری محکموں کے دفاتر کھولے گئے۔ ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں دامودر ویاس نے ٹونک اور مالپورہ دو پارلیمانی علاقوں سے کانگریس کے ٹکٹ پر پرچہ بھرا۔ مالپورہ میں انہوں نے مہارانی گائتری دیوی کو شکست دی۔ لیکن نوائی اور انیارا میں بھی سوتنتر پارٹی کے امیدوار ہی فتحیاب ہوئے۔ ٹوڈارائے سنگھ کی سیٹ پر جگن ناتھ گوجر کو کامیابی ملی۔ لیکن ۱۹۶۷ء میں شری سکھاڑیا کو ودھان سبھا میں اپنی اکثریت ثابت کرنے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ کیونکہ اس وقت کمبھارام آریہ اور جھالاوا کے راجہ ہریش چندر دونوں نے حزب مخالف کی حیثیت سے اپنی پارٹیوں میں کانگریس کے برابر سیٹیں حاصل کرلی تھیں۔ ٹوڈارائے سنگھ کے ممبر لیجسلیٹو اسمبلی جگن ناتھ گوجر پھسل کر حزب مخالف کے کشکول میں جاگرے تھے۔ اس کے باوجود راجستھان میں سرکار سکھاڑیا کی ہی بنی۔ شری ویاس نے ٹونک کی سیٹ سے اپنا استعفیٰ دیدیا تھا اس سیٹ پر دوبارہ ضمنی انتخاب میں ان کے لڑکے سریندر ویاس ممبر چنے گئے۔

۱۹۶۷ء کے عام انتخابات میں پارلیمنٹ کے لیے سوتنتر پارٹی کے امیدوار جمنا لال بیروا کا انتخاب بھی ہوا تھا۔ شری جمنا لال ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۸ء تک راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۷۱ء میں لوک سبھا کے لیے کانگریس نے یہ سیٹ گنوادی۔ ۱۹۷۲ء میں ہوئے ودھان سبھا کے انتخاب میں جن سنگھ وجود پذیر ہوئی۔ اور اس نے ٹونک کی سیٹ پر قبضہ کرلیا۔ نوائی سے کانگریس کے شری بنواری لال بیروا انیارا سے کانگریس کے شری راجندر سنگھ، مالپورہ سے شری سریندر ویاس اور ٹوڈارائے سنگھ سے چنتر بھج چودھری سبھی کانگریس کے ایم۔ایل۔اے کامیاب ہوئے تھے۔ نوائی سے کامیاب

بنواری لال بیروا جوشی وزارت میں اہم وزیر تھے۔ ۱۹۷۴ء میں نواب اسماعیل علیخاں کا انتقال ہو گیا۔ پریوی پرس ۱۹۷۰ء میں ہی منسوخ قرار دیدیا گیا تھا۔ اس دور کے صاحب زادوں اور دیگر لوگوں نے آٹھویں نواب کے طور پر معصوم علیخاں کو اپنا قائد اعلان کیا۔

۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء کے درمیان ملک میں ایمرجنسی نافذ رہی۔ اور اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں لوک سبھا کے لیے جو انتخابات ہوئے۔ اس میں کانگریس ودھان سبھا یا لوک سبھا کی ایک بھی سیٹ حاصل نہ کر سکی۔

مرکز میں جنتا پارٹی کی حکومت زیادہ دن تک نہ چل سکی۔ ۱۹۷۹ء میں دوبارہ لوک سبھا کے لیے انتخابات ہوئے جس میں ٹونک سے لوک سبھا کے لیے شری بنواری لال بیروا کامیاب ہوئے۔ ودھان سبھا کی سیٹ پر بھارتیہ جنتا پارٹی نے قبضہ کیا اور کانگریس کو کل چار سیٹیں دستیاب ہوئیں۔ سن ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۹ء تک راجستھان میں جگن ناتھ پہاڑیا، شیو چرن ماتھر اور ہیرا لال دیو پورہ وزیر اعلیٰ رہے۔ ۱۹۸۴ء میں آنجہانی اندرا گاندھی کے قتل کے بعد ہوئے انتخابات میں بنواری لال بیروا دوبارہ لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوئے۔ ٹونک کی سیٹ پر کانگریس کی امیدوار محترمہ زکیہ انعام منتخب ہوئیں اور انھیں وزارت میں شامل کر لیا گیا۔ باقی چار سیٹیں حزب مخالف کے پاس چلی گئیں۔

۱۹۸۹ء میں لوک سبھا میں ٹونک سے جنتا دل کے امیدوار کو کامیابی ملی اور ۱۹۹۰ء کے ابتدائی ماہ میں جو انتخابات ہوئے۔ اس میں ودھان سبھا کے لیے ٹونک اور نوائی سے بھارتیہ جنتا پارٹی کے امیدوار اور مالپورہ، ٹوڈا رائے سنگھ سے کانگریس کے امیدوار دل کے علاوہ انیارا سے جنتا دل کے امیدوار کامیاب ہوئے۔

۱۹۹۱ء میں لوک سبھا کے لیے پھر انتخابات ہوئے اور اس میں بھارتیہ جنتا پارٹی کو کامیابی ملی۔

ٹونک میں سیاسی تنظیموں کا تعلق

کانگریس ٹونک میں سب سے پرانی سیاسی تنظیم ہے۔ کانگریس کے شری دامودر لال ویاس، شری بنواری لال بیروا اور سریندر ویاس وزارت کے ممبر رہے اور

ذکیہ انعام پہلی عورت تھیں جنہیں ٹونک سے وزارت میں شامل کیا گیا۔ گذشتہ چالیس سالوں کے دوران ٹونک ضلعے کی نمائندگی عام طور پر کانگریس نے ہی کی ہے۔
جنتادل :۔ ٹونک میں جنتادل زیادہ پرانی تنظیم نہیں ہے۔ سوتنتر پارٹی اور سماج وادی پارٹی کے لوگ ہی جنتادل میں شریک ہیں۔ اس پارٹی سے ڈگ وجے سنگھ کئی بار ودھایک بنے اور منتری بھی رہے۔ مالپورہ سے نارائن سنگھ ڈگی جنتادل کے ودھایک چنے جاتے رہے ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں گوپال پچیروال جنتادل کے ٹکٹ پر لوک سبھا پہنچے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی

یہ تنظیم قبل اس نام کے جن سنگھ نام سے اپنی ایک شناخت رکھتی تھی۔ ٹونک میں یہ ۱۹۶۰ء کے آس پاس آئی لیکن پہلی کامیابی ۱۹۷۲ء میں ملی۔ ۱۹۸۵ء کے علاوہ یہاں کے ودھان سبھا علاقے سے اسی تنظیم کا نمائندہ منتخب ہوا۔ ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۹ء میں نوائی سے بھی بھارتیہ جنتا پارٹی کا امیدوار کامیاب ہوا۔ سن ۱۹۸۵ء میں ٹوڈارائے سنگھ سے بھی بھاجپا کے ناتھو سنگھ ودھان سبھا میں پہنچے اور ۱۹۹۱ء میں بھی بھارتیہ جنتا پارٹی لوک سبھا میں اپنے نمائندے پہنچانے میں --- کامیاب رہی۔

آزادی کے بعد ٹونک کا ادب

ٹونک کے آخری حکمراں نواب اسماعیل علیخاں خود شاعر تھے اور تخلص تاؔج فرماتے تھے۔ انہوں نے اپنی دعوت خاص پر جوؔش ملیح آبادی جگر مراد آبادی، ساغر نظامی اور اعجاز صدیقی صاحب کو ٹونک میں بلوایا تھا۔ ان کے استاد سید عبدالقادر خنداؔں بھی ایک معتبر شاعر اور جنگ آزادی کے سپاہی تھے۔ ٹونک میں اُردو شاعری کی ایک طویل روایت رہی ہے۔ مشہور شاعر اختر شیرؔانی، بسمل سعیدی ٹونک سے ہی وابستہ رہے تھے۔ آزادی کے بعد سرزمین ٹونک سے آسمان ادب پر ابھرنے والے شعراء میں صولؔت، ندیؔم، دلؔ، فاخرؔ، چندنؔ، بزمیؔ، مخمور سعیدؔی اور راشد وغیرہ کے نام

آج ادب اور احترام سے لیے جاتے ہیں۔

ان میں سے کچھ شاعروں کے مجموعۂ کلام منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ ہندی ادب میں شری سدھاکر کویتائیں لکھتے تھے اور انہوں نے ہی ٹونک سے ہندی کا پہلا اخبار "وقت" نام سے شروع کیا۔ ٹونک میں دریائے بناس پر نئے پل کی تعمیر کا کام اور بیل پور پروجیکٹ اِس دور کی اہم دین ہے۔ ٹونک میں مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی ایک قابلِ فخر عمل ہے۔ ٹونک سے اُردو کے پہلے اخبار کا نام "ندیم" تھا، جو مرحوم رام نواس اگروال ندیم کی یاد میں اپنی اشاعتی زندگی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

کتاب کا ہندی سے اردو ترجمہ شاہد رحیم نے کیا

فہرست کتب و دستاویزات

نام کتاب	نام مصنف و مؤلف
۱۔ ٹونک کی بستی	ماسٹر رام نواس اگروال
۲۔ انڈین آرکیالوجی۔ اے ریویو ۵۹-۱۹۵۸ء	
۳۔ ارلی ہسٹری آف نارتھ انڈیا	چٹوپادھیائے، سدھاکر
۴۔ اے نیو ہسٹری آف دی انڈین پیپل	آر۔ سی۔ مجومدار، اے۔ ایس آلٹیکر
۵۔ دی ہسٹری آف کلچر آف دی انڈین پیپل	
۶۔ اِسٹرگل آف اِمپائر	
۷۔ رپورٹ آف دی ــــ آف ٹونک	ڈاکٹر جی۔ این۔ شرما
۸۔ میواڑ اینڈ مغل امپائرس	
۹۔ راجستھان ضلع گزیٹیرس : ٹونک	
۱۰۔ آئینِ اکبری	ابوالفضل (مدیر: ایچ زیبرٹ اور یدوناتھ سرکار
۱۱۔ اے کلیکشن آف ٹریٹیز انگیجمنٹس اینڈس	سی۔ یو ریچپیس
۱۲۔ مالکم رپورٹ آن سینٹرل انڈیا	
۱۳۔ مراٹھوں کا نوین اتہاس (۳ جلدوں میں)	سر۔ ڈیبائی
۱۴۔ مراٹھا پربھتو	دی۔ این لونیا
۱۵۔ اتہاسک لیکھ سنگرہ	
۱۶۔ مغل سامراج کا پتن	یدوناتھ سرکار
۱۷۔ ہولکر شاہ چیا اتہاس (مراٹھی کتاب ۲ جز میں)	
۱۸۔ چندر چوڑ دفتر (۲ جلدوں میں)	

۱۹۔ پونا رے پتر دیوہار ——— (۶ جلدوں میں)
۲۰۔ واقعۂ ہولکر ——— بھوانی شنکر کی ڈائری
۲۱۔ مالکم: اے میموآیر آف سینٹرل انڈیا ———
۲۲۔ پونا ریزیڈنسی ———
۲۳۔ سلیکشن فرام پیشوا دفتر ———
۲۴۔ اے ہسٹری آف مراٹھاز ——— گرانٹ ڈف
۲۵۔ مراٹھا ریاست ——— سرڈیسائی
۲۶۔ جالنا سے ۱۲ میل شمال مغرب (دستاویز) ———
۲۷۔ اتہاسک لیکھ سنگرہ (ہندی: ۱۴ جلدوں میں) کھرے
۲۸۔ سلیکشن لیٹرس ——— جی۔ ڈبلیو فارسیٹ
۲۹۔ پونا ریزیڈینشیل کورپیونڈنٹ (دس جلدوں میں) ———
۳۰۔ ویل بجیز ڈیسپچیز ——— (چار جلدوں میں) ———
۳۱۔ ہسٹری آف انڈیا ——— (چھ جلدوں میں) ——— رل
۳۲۔ میموائر آف وارارن انڈیا ——— یارن
۳۳۔ میکنگ آف دی انڈین پرنسیز ——— تھامسن
۳۴۔ بھارت میں انگریزی راج ——— سندرلال
۳۵۔ آٹو بایوگرافی آف امیر خاں ———
۳۶۔ امیر نامہ ——— منشی بساون لال
۳۷۔ مراٹھا آتکرش ——— دی۔ این لاریا
۳۸۔ مارواڑ کی کھیاتی ———
۳۹۔ فارن پالٹکس ———
۴۰۔ تاریخ جودھپور بستہ نمبر ۴۰ ——— آر۔ جی۔ دیاس
۴۱۔ حقیقت کھاتا بہی ——— تمہید لاوار بیاء

۴۲۔ راٹھوروں کی تاریخ ــــــــــــ سولال سنگھ کمپاوت
۴۳۔ میموائرس آف امیر خاں ــــــــــــ
۴۴۔ ویرونود ــــــــــــ
۴۵۔ رگھوبیر سنگھ ــــــــــــ
۴۶۔ مان سنگھ کا خط امیر خاں کے نام ــــــــــــ
۴۷۔ جنرل میٹ کاف کا خط جے ایڈمس کے نام ــــــــــــ
۴۸۔ مان سنگھ کا خط محمد شاہ کے نام ــــــــــــ
۴۹۔ مڈیات کھیاتی ــــــــــــ مان سنگھ
۵۰۔ میواڑ اینڈ دی مراٹھا ریلشنز ــــــــــــ کے۔ ایس گپتا
۵۱۔ ادے پور ریاست کی تاریخ ــــــــــــ اوجھا
۵۲۔ گزیٹیئر آف بیکانیر ــــــــــــ
۵۳۔ بیکانیر ریاست کی تاریخ ــــــــــــ اوجھا
۵۴۔ رادھاموہن سرکار ــــــ بی۔ کے۔ دشٹشٹ، رگھوبیر سنگھ اور ایجین کی کتابیں
۵۵۔ ۱۸۵۷ ــــــــــــ سین سریندر ناتھ
۵۶۔ ماہنامہ معارف (اگست ۱۹۶۲ء) ــــــــــــ
۵۷۔ دورِ ایام ـــــ (تاریخ ٹونک) ــــــ مدیر ۔ سید اصغر علی
۵۸۔ جائزۂ زبانِ اردو ــــــــــــ مدیر ۔ مولانا عبدالحق
۵۹۔ تذکرۂ آثار شعراء ہنود ــــــــــ دیوی پرشاد بشاسو رضوی پریس ۔ دہلی
۶۰۔ روداد گل : راجستھان ۔ اُردو سمپوزیم ۔ جودھپور
۶۱۔ ماہنامہ بیسویں صدی ۔ مئی ۱۹۶۵ء ــــــــــــ
۶۲۔ رپورٹ آن دی ایڈمنسٹریشن آف ٹونک (۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۳ء) اور
۶۳۔ سالانہ رپورٹ برائے (۱۹۰۶ء۔۷) ــــــــــــ

امیر الدولہ وزیر الملک نواب محمد امیر خاں بانیٔ ریاست ٹونک (۱۸۱۸-۱۹۳۴)

وزیر الدولہ وزیر الملک نواب محمد وزیر خاں (۱۸۳۴-۱۸۶۴)

یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خاں (۱۸۶۴- ۱۸۹۷)

امین الدولہ وزیر الملک نواب محمد ابراہیم علی خاں (۱۸۶۷ - ۱۹۳۰)

سعید الدولہ وزیر الملک نواب محمد سعادت علی خان (۱۹۳۰ - ۱۹۴۷)

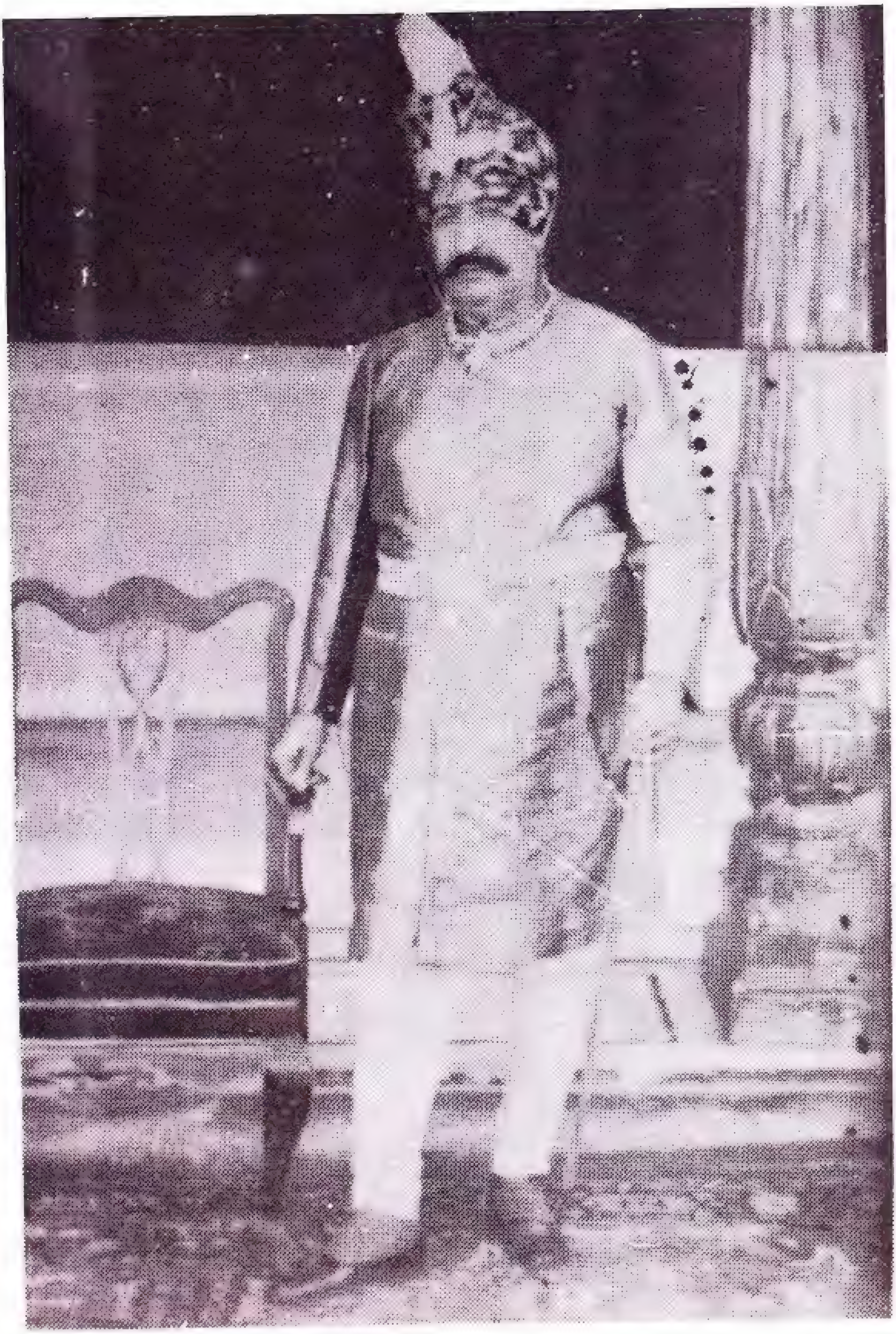

ممتاز الدولہ وزیر الملک نواب فاروق علی خاں (۱۹۴۸ - ۱۹۴۷ء)

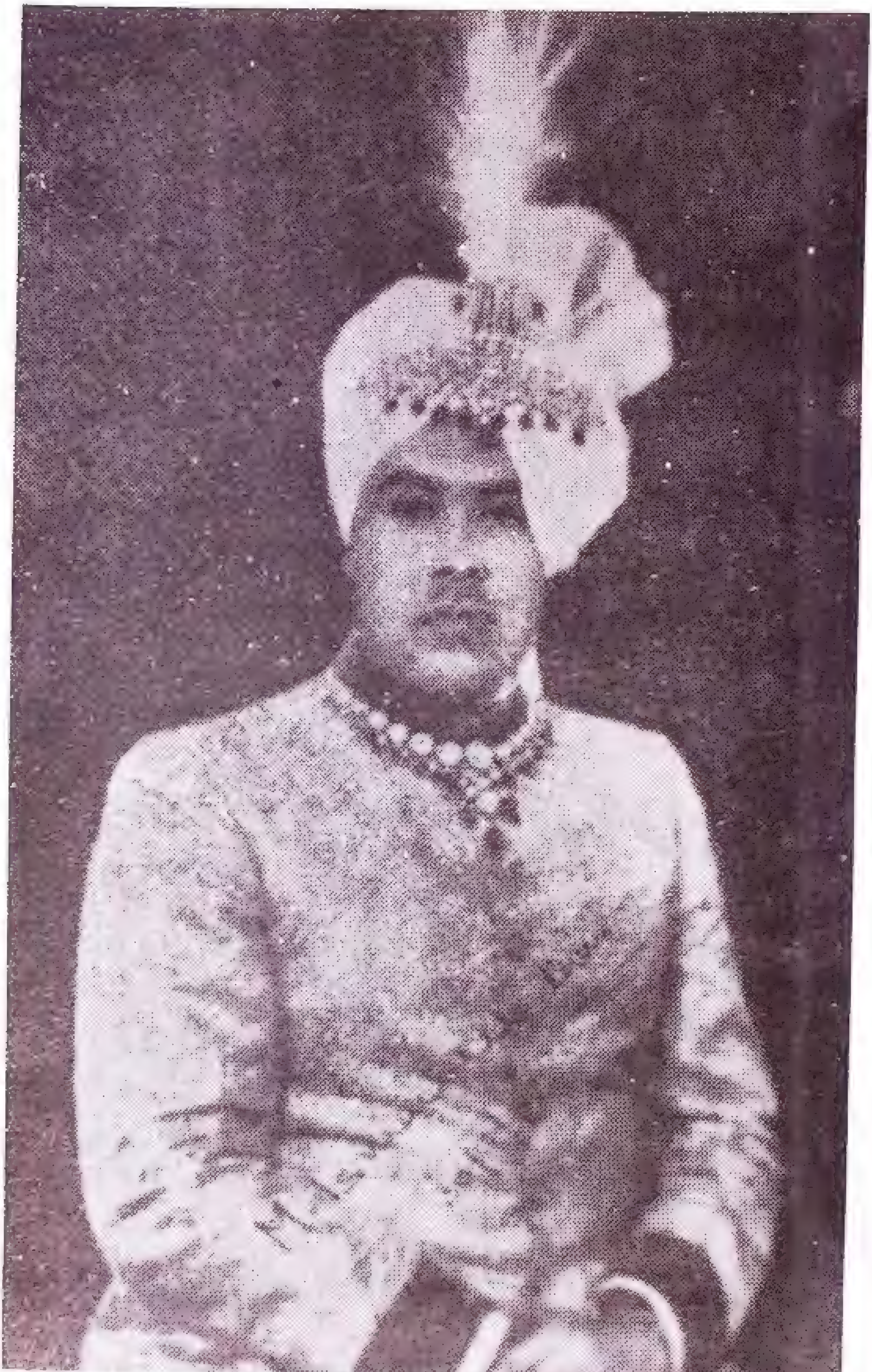

عزیز الدولہ وزیر الملک نواب محمد اسماعیل علی خان (۱۸۷۴ - ۱۹۳۹)

جسونت راؤ ہولکر (۱۷۹۸ - ۱۸۱۱)

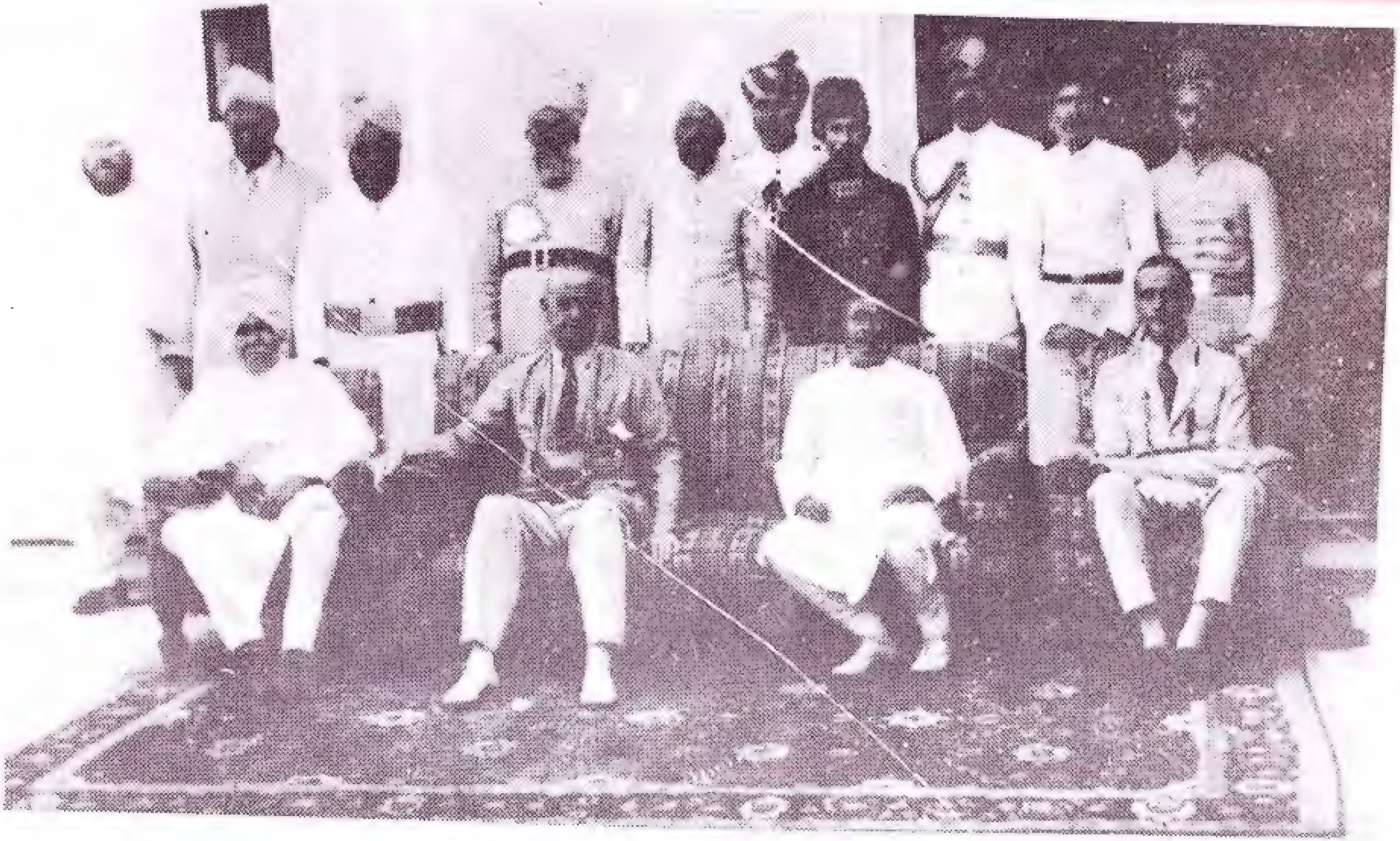

نواب سعادت علی خاں فریزر کے ہمراہ

نواب اسماعیل علی خاں: ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کے ہمراہ

جامع مسجد ٹونک

فریزیر پل (بناس ندی ٹونک)

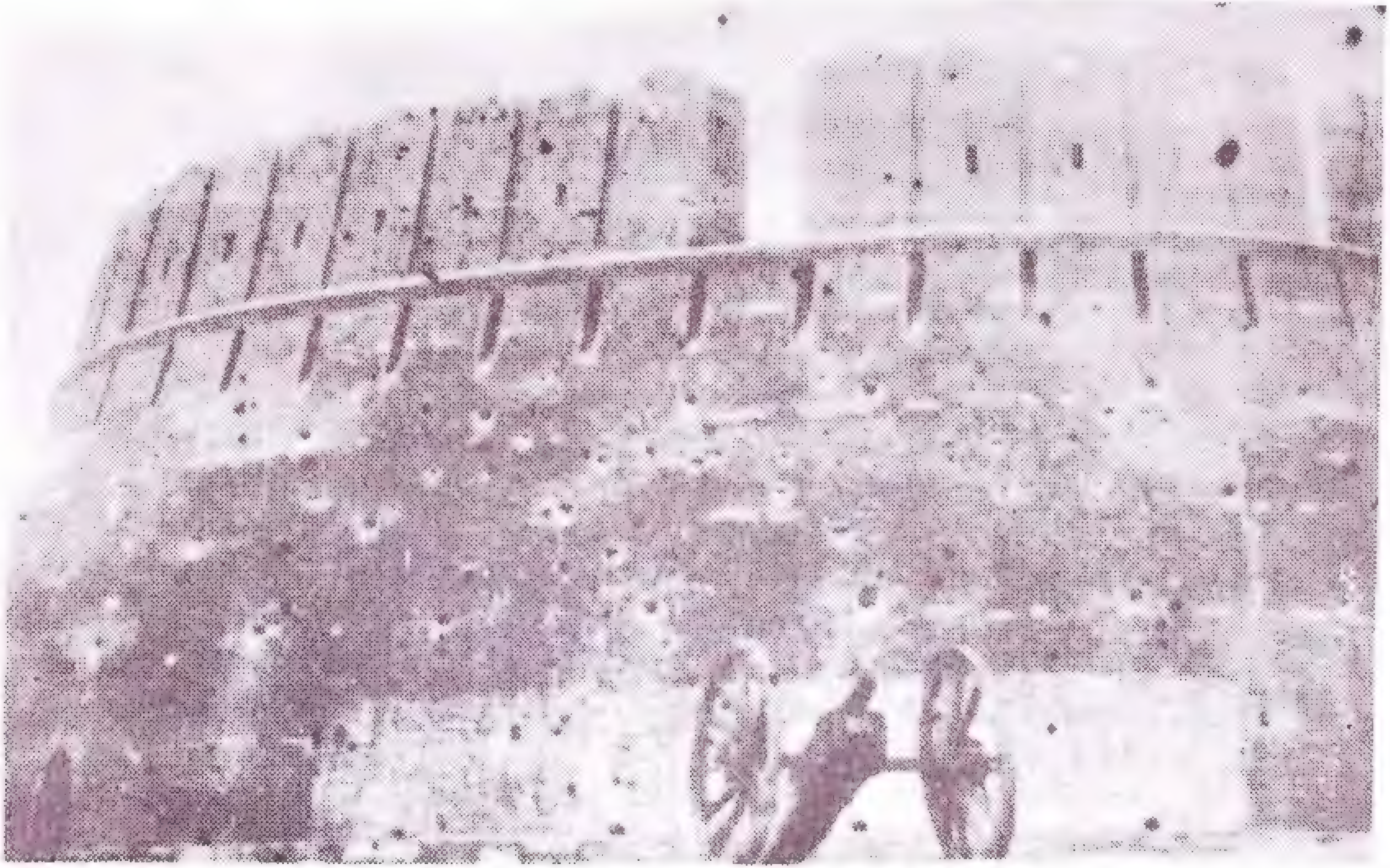

ٹونک کا قلعہ : امیر گڑھ

نواب ابراہیم علی خاں محافظ دستے کے درمیان

نواب ابراہیم علی خاں انگریز افسرانِ اعلیٰ کے ہمراہ

چونکه از حضور فیض گنجور نواب مستطاب معلی القاب لارڈ گورنر جنرل بهادر دام دولته

وارن هستینگز صاحب عالیشان صدور یافته دار الامارت کلکته بنام وزیر الدوله

محمد وزیر خان بهادر خلف الصدق نواب محمد امیر خان بهادر مبلغ دوازده

هزار و پانصد روپیه سکه کلدار ماهوار بعوض جاگیر پرگنه پلول که از مرحوم

خان موصوف تا حین حیات وزیر الدوله از ابتدای یکم ماه جنوری ۱۸۳۴ عیسوی معین و

مقرر گشته لهذا نوشته می شود که مبلغ مرقوم از ابتدای ماه مذکور

مادام الحیات ماه بماه از خزانه سرکار دولتمدار انگریزی دام اقباله

خان موصوف را در معرض وصول خواهند در آمد و نوشته ها

سند شمار نوشته تحریر فی التاریخ هشتم ماه اگست ۱۸۳۴ عیسوی مطابق ... ۱۲۵۰ هجری
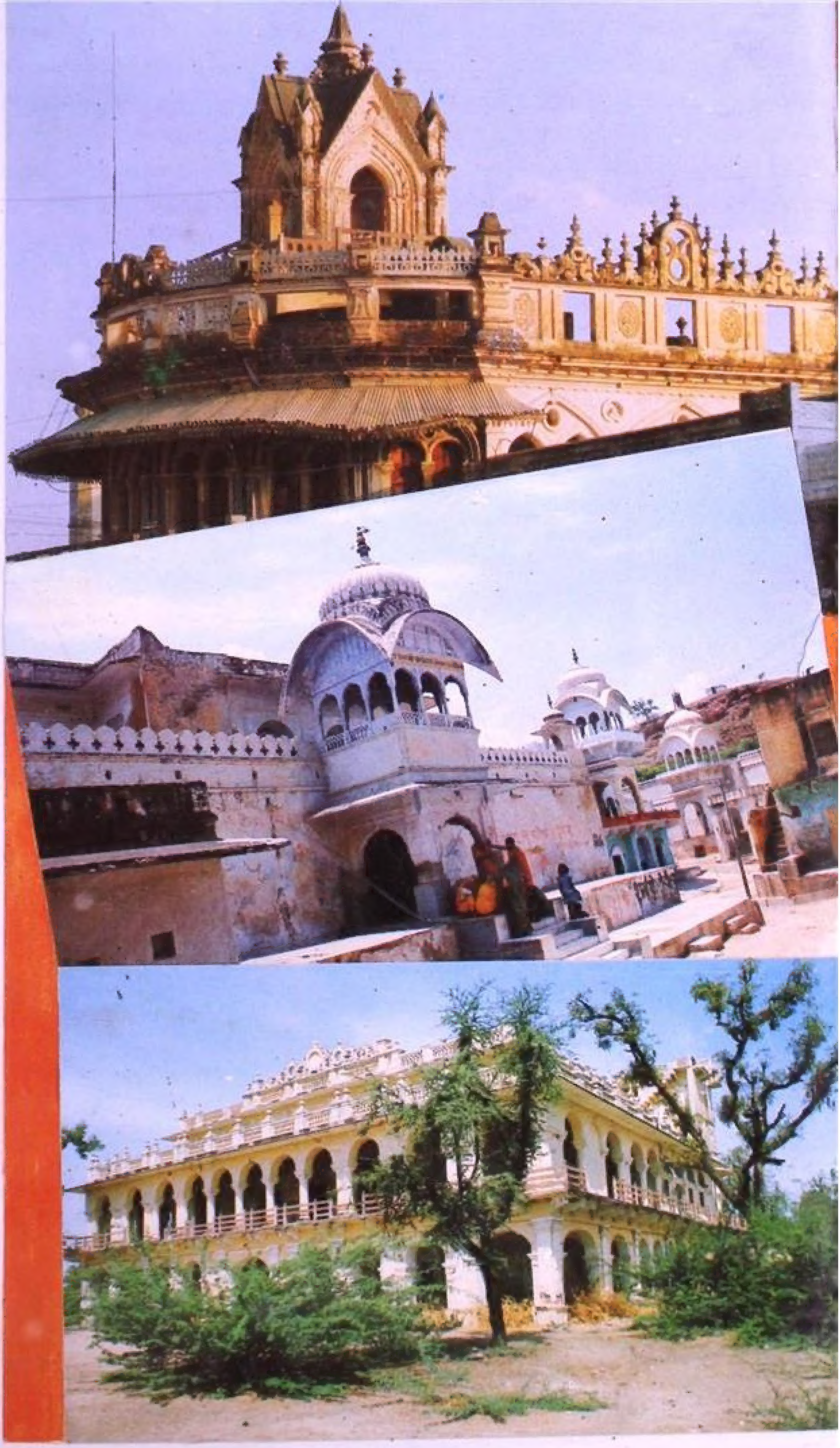
[illegible] نواب وزیر خان [illegible] ۱۲۵۰۰ ماهوار [illegible]